حیدرآباد کی عزاداری
میں
خواتین کا حصہ

ترتیب و پیشکش

ڈاکٹر رشید موسوی

معاون

ڈاکٹر ریاض فاطمہ

حیدرآباد کی عزاداری

میں

خواتین کا حصہ

ترتیب و پیشکش

ڈاکٹر رشید موسوی

معاون

ڈاکٹر ریاض فاطمہ

نام کتاب	:	حیدرآباد کی عزاداری میں خواتین کا حصہ
نام مصنفہ	:	ڈاکٹر رشید موسوی معاون ڈاکٹر ریاض فاطمہ
سنِ اشاعت	:	فبروری ۲۰۰۳ء
تعداد	:	۵۰۰ (پہلی بار)
کمپیوٹر کتابت	:	دائرہ گرافکس، چھتہ بازار، حیدرآباد۔
طباعت	:	دائرہ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد۔

ملنے کا پتہ

۴۱۰ روز بلاک، گارڈن ٹاورز، مانصاحب ٹینک، حیدرآباد۔ ۲۸

فون نمبر: ۲۳۳۹۰۸۵۷

انتساب

امی اور بابا کے نام

جن کا پیار

آنسو بن کر

سدا آنکھوں میں

جھلملاتا رہتا ہے

فہرست

اپنی بات	....	۱ تا ۱۱
پہلا باب	.... ذاکرات	۱۳ تا ۵۲
دوسرا باب	.... مرثیہ خوان	۵۳ تا ۸۳
تیسرا باب	.... ماتمی گروہ	۸۵ تا ۹۳
چوتھا باب	.... شاعرات	۹۵ تا ۱۲۳
پانچواں باب	.... قدیم زنانی مجالس	۱۲۵ تا ۱۷۹
چھٹا باب	.... انجمن برکات عزا و یادگار حسینی	۱۸۱ تا ۱۹۰

اپنی بات

شہزادی زینب نے قاتل کے گھر سے مجلس اور عزاداری کا سلسلہ قائم کیا' جو آج تک جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ شہزادی کی اس بزم عزا کی روایت کو حیدر آباد کی کنیزوں نے کس طرح برقرار رکھا ہے' اس کا جائزہ لینے کے لئے میں نے مختلف کتابوں' رسالوں اور محرم کے خاص نمبروں کا مطالعہ کیا۔ لیکن مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ کسی بھی کتاب یا رسالہ میں اس سلسلے میں کوئی خاص اہم مواد نہیں ملا۔

"تذکرہ ذاکرین" مولفہ محمد علی خان حیدر آباد کے مرثیہ خوانوں کا مکمل تذکرہ ہے اس میں کسی بھی خاتون مرثیہ خوان کا ذکر نہیں ہے اور نہ کسی مخصوص زنانی مجلس کے بارے میں تفصیل ہے۔ ص ۱۵ پر لکھا ہے۔

"مردانی مجلس کے بعد زنانی مجلس بھی بڑے جوش و خروش سے ہوتی ہے"

صفحہ ۱۲۱ پر حیدر علی صاحب مرثیہ خوان کے بارے میں لکھتے ہیں

"اچھے مرثیہ خوان تھے۔ زنانی مجالس زیادہ پڑھتے تھے۔"

اس سے آگے کوئی تفصیل نہیں دی کہ زنانی مجالس کا انتظام کس طرح ہوتا تھا اور کیا طریقہ تھا وغیرہ اسی کتاب میں صفحہ ۱۱۸ اور ۱۸۶ پر درج ہے کہ نواب مشیر الملک' نواب مکرم الدولہ اور نواب بہرام الدولہ کے یہاں خادماؤں کو سوز خوانی اور مرثیہ خوانی کی باقاعدہ تعلیم دلائی جاتی تھی۔ تا کہ وہ زنانی مجلسوں میں پڑھیں۔

اسی تلاش و جستجو کے دوران ماہنامہ "صدائے جعفریہ" کا خاص نمبر "حیدر آباد کی عزاداری ۱۹۷۸ء" مجھے مل گیا۔ اس رسالے میں عزاداری کے جملہ پہلوؤں پر مختلف اہل قلم کے تفصیلی مضامین شامل ہیں۔ ہر مضمون کا میں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ لیکن مجھے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور مطلوبہ مواد نہیں ملا۔ چند ایک مضامین ایسے ہیں جن میں سرسری انداز میں خواتین کا ذکر کیا گیا ہے۔ میں یہاں کچھ مضامین کے اقتباسات پیش کر رہی ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ عزاداری کے ذکر میں خواتین کو کس طرح نظر انداز کیا گیا ہے۔

اس رسالے میں پہلا مضمون سید اکبر مہدی کا تحریر کردہ ہے جس کا عنوان "حیدر آباد کی عزاداری اور اس کا پس منظر"۔ "مجالس کا سلسلہ" ذیلی عنوان کے تحت صفحہ ۲ پر وہ لکھتے ہیں" جناب زینب نے قاتل کے گھر میں مسلسل ایک ہفتہ مجالس عزا کا سلسلہ قائم کیا۔ قابل مبارک باد ہے صنف نسواں کہ جس نے مجلس کے تمام لوازمات کے عملی

اظہار میں پہل کی۔ یہ جناب زینب اُم کلثوم کا صدقہ ہے کہ انہیں یہ اعزاز حاصل ہوا کہ مراسم عزا کا تعین کرایا' خاک نشینی' سیاہ پوشی' گریہ وزاری' ذکرِ غم حسینؑ سننے کے لئے جمع ہونا اور گوش برآواز ہو کر ذکرِ غم حسینؑ سننا ان کی تعلیم ان ہی مجالس سے حاصل ہوئی۔ اور اس طرح اہتمام واحترام کا ذکرِ غم حسینؑ کے پہلے نشان دمشق ہی میں بن گئے۔ عزائے حسینؑ ایک تحریک کی صورت میں قاتل کی آنکھوں کے سامنے اس گھر سے چل پڑی اور جناب زینبؑ کے نقوش قدم پر عزاداروں کا قافلہ روانہ ہوگیا۔ کربلا کا لٹا ہوا قافلہ مدینہ لوٹ آیا اور سوگواران حسینؑ کے لئے دوسرا نقش قدم بنا۔ امام زین العابدینؑ کے عہد میں مخدرات عصمت وطہارت خود ذاکر حسینؑ تھیں۔ جناب رباب نے تبرک کی تقسیم کی نشان دہی فرمائی۔ جناب ام البنینؑ نے بقیعہ میں جہاں جناب سیّدہ کا بیت الحزن تھا' اپنے چہیتے حسینؑ کے مرثیے پڑھے۔ الغرض مجلس کے لوازمات کا تعین ہوگیا' طریقہ مقرر ہوگیا' اہمیت واضح ہوگئی اور رواج پڑگیا۔''

جناب زینبؑ کی عزائے حسینؑ کی اس تحریک کو آگے بڑھانے میں حیدرآباد کی خواتین نے جو حصہ ادا کیا اس کا ذکر اس مضمون میں کہیں نہیں ہے۔

اسی رسالے میں باقر امانت خانی صاحب کا تحریر کردہ مضمون ''حیدرآباد کی عزاداری جیسا کہ میں نے دیکھا'' شامل ہے۔ اس طویل مضمون میں جو صفحہ ۹۹ تا ۱۰۱ پر مشتمل ہے' موصوف نے مردانی مجلسوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اور خواتین کا ذکر بہت ہی مختصر اکیا ہے صفحہ ۱۱۳ پر لکھتے ہیں ''حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری قوم کی مومنات کا عزاداریٔ امام میں بہت بڑا حصہ ہے۔ چنانچہ حیدرآباد میں آج سے ۵۰۔۶۰ سال قبل زنانی مجلس بہت کم ہوتی تھیں''۔

اس کے بعد وہ صرف تین زنانی مجلسوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک حکیم سید علی ایڈوکیٹ کے یہاں کی زنانی مجلس' دوسری ''خدیجہ بیگم کی ضریح اٹھتی تھی' جو اب بھی اٹھتی ہے''۔ اور تیسری ''مولوی مہدی صاحب (ایرانی گلی) کی ضریح بھی اٹھتی تھی اب بھی اٹھتی ہے۔'' ان تینوں مجلسوں میں صرف ایک مجلس کے تبرک کے بارے لکھا ہے ''جس میں نہایت اعلیٰ درجہ کا کھانا' جس طرح شادیوں میں ہوتا ہے' کھلایا جاتا تھا''۔ اس کے علاوہ اور کوئی تفصیل نہیں ہے۔ ذاکرات میں لطیف النساء بیگم' مریم بیگم' مہدی بیگم' سیّدہ بیگم' وہاب صاحب کی نواسی اور باسط علی صاحب کی دختر اور صغرا بیگم کے نام گنوادیے ہیں۔

اسی ''عزاداری نمبر'' میں ایک اور مضمون ''حیدرآباد کی نوحہ خوانی'' کے عنوان سے' کاظم علی کاظم' کا شامل ہے

صفحہ ۱۲۷ پر وہ لکھتے ہیں

"مبارک ہیں وہ مومنات جو آج بھی قدیم طرزوں میں ہی نوحہ پڑھ کر معصومہ کونین کی بارگاہ میں اشکِ غم پیش کرتی ہیں اور رونے رلانے کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر قدیم طرزوں کی حفاظت کر رہی ہیں۔

اس کے علاوہ مزید تفصیل نہیں ہے۔

"عزاداری نمبر" میں "حیدر آباد کے ماتمی گروہ" کے عنوان سے مرزا انجم الحسن نوری نے اپنے مضمون میں صفحہ ۱۲۷ پر لکھا ہے۔

"اس میں شک نہیں کہ گھر گھر علم ایستادہ کرنے میں انہماک اور ہر گھر میں عزاداری کے انعقاد میں عورتوں کا بڑا حصہ ہے۔ وہ ماتم اور ماتمی گروہوں کے مقام سے بھی لازماً دلچسپی رکھتی ہیں۔ عام طور پر دکھنی اور حیدر آبادی نوحوں پر یک دستی ماتم کرتی ہیں۔ لیکن دو دستی ماتم بھی رائج ہے جس میں دونوں ہاتھوں سے ساق گردن کے نیچے ماتم کیا جاتا ہے۔ دوسرے دونوں ہاتھوں سے علحدہ علحدہ یکے بعد دیگرے ماتم کیا جاتا ہے۔ ماتمی گروہ بھی قائم ہوگئی ہیں۔ مثلاً گروہ سکینہ، گروہ فاطمہ، گروہ زینب وغیرہ۔ خواتین کی ان ماتمی گروہوں نے توقیر عزاداری میں مناسب حصہ لیا ہے۔ ان میں سے سب ہی مقامی طرزوں میں نوحے پڑھتی ہیں۔ اس کی وجہ سے عزاداری کا مزاج باقی اور قائم ہے۔"

خواتین کے ماتمی گروہوں کی یہ تھوڑی بہت تفصیل پھر بھی غنیمت ہے۔

اسی "عزاداری نمبر" میں میر ہادی باقری کا ایک مضمون "حیدر آباد کے قدیم عاشور خانے" شامل ہے۔ صفحہ ۱۷ پر انہوں نے نواب تہور جنگ کے سلسلے میں لکھا ہے "زمانہ سابق میں زنانی مجلسوں کا رواج نہیں تھا۔ نواب تہور جنگ نے اس کی کو بھی شدت سے محسوس فرمایا۔ رمضان المبارک میں شہادت جناب امیر علیہ السلام کی ان چار مجالس میں ۲۱ رمضان [1] کی ایک مجلس کو زنانی مجلس میں تبدیل کر دیا تا کہ مستورات میں بھی احساسِ عزاداری باقی رہے۔ اور ضریح زنانے ہی میں اٹھوائی۔ آج بھی ضریح مبارک زنانہ ہی میں اٹھائی جاتی ہے۔ جس نے مخصوصی کی شکل اختیار کر لی ہے۔"

میں نہیں سمجھتی کہ اس سے زیادہ مواد مجھے اور کتابوں یا رسالوں میں مل سکتا تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ یہ کام میں خود کروں۔ چنانچہ خدا کے فضل و کرم اور پنجتن پاک چہاردہ معصومین کے صدقے میں میں اپنی کوشش میں

---

[1] نواب عنایت جنگ کے پوتے اصغر حسین اور بہو اشرف النساء بیگم نے اس مجلس کی تاریخ ۲۰ رمضان بتلائی ہے۔

کامیاب ہوگئی۔

اس کتاب کو چھ ابواب میں تقسیم کر کے میں نے کوشش کی ہے کہ مراسم عزاداری کا کوئی گوشہ چھوٹ نہ جائے۔ پہلے باب میں ذاکرات کا تذکرہ ہے۔ اس میں حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب وار ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرا باب مرثیہ خوانوں سے متعلق ہے۔ اس میں بھی حروف تہجی کے لحاظ سے مرثیہ خوانوں کا ذکر ہے۔ تیسرا باب ماتمی گروہ اور چوتھا باب شاعرات کے بارے میں ہے۔ ان کی ترتیب بھی حروف تہجی کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ پانچویں باب میں قدیم زنانی مجلسوں کا ذکر ہے۔ چھٹا اور آخری باب انجمن برکات عزا اور یادگار حسینی کے بیان میں ہے۔

قدیم زمانے میں عام طور پر مردانی مجلس ختم ہونے کے بعد زنانی مجلس کی جاتی تھی۔ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری تھا۔ میں نے کوشش کر کے زنانی مجلسوں کی تاریخ اور تفصیلات حاصل کی ہیں۔ فٹ نوٹ میں میں نے حوالے بھی دے دیئے ہیں۔ اسی طرح خواتین میں ذاکری کی ابتدا کب ہوئی اور کس نے آغاز کیا' اس بارے میں بھی خاصی چھان بین کی ہے۔ قدیم طرز حدیث خوانی اور آج کے دور کی ذاکری میں جو واضح فرق نظر آتا ہے' اس کو بھی حتی الامکان صحت متن کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے' آج کی بعض اہم اور مشہور ذاکرات کے انٹرویوز کے کچھ حصے بھی اس میں شامل کئے ہیں۔ اسی طرح خواتین مرثیہ خوانوں کا ذکر بھی ایک علحدہ باب میں ہے۔ مرثیہ خوانوں کے دو زمرے ہیں۔ ایک تو پیشہ ور اور دوسرے شوقیہ۔ میں نے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے بعض کے انٹرویوز کے کچھ حصے بھی شامل ہیں۔ ''ماتمی گروہ'' گو کہ تعداد میں کم ہیں۔ مگر یہ تمام اپنے منفرد انداز نوحہ خوانی و طرز ماتم کے علاوہ خاص شناخت رکھتی ہیں۔ خواتین نے صرف دوسروں کے لکھے ہوئے مرثیے نوحے پڑھ کر یا حدیث خوانی کے ذریعہ ہی شہیدان کربلا کو خراج عقیدت پیش نہیں کیا ہے بلکہ اپنے زور قلم سے نوحہ ومرثیہ نگاری کے اعلیٰ نمونے بھی تخلیق کئے ہیں جو خاندان رسالت اور شہدائے کربلا سے ان کی بے پناہ عقیدت' محبت و خلوص کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کا انداز بیان اور طرز شعر گوئی کسی بھی نامور شاعر سے کم نہیں ہے۔ پانچویں باب میں سہولت کی خاطر میں نے محرم کے مہینے کی تمام مجلسیں تاریخ وار ترتیب دی ہیں۔ اس کے بعد صفر اور ربیع الاول کے مہینے میں ہونے والی مجلسوں کو تاریخ وار شامل کیا ہے۔ اور پھر جمادی الاول کے مہینے کی مجلسیں اور سب سے آخر میں رمضان کی مجلسوں کا ذکر کیا ہے۔

''انجمن برکات عزا'' اور ''یادگار حسینی'' ساری دنیا میں اپنی ایک منفرد پہچان رکھتی ہیں یہ واحد انجمن ہے جس کو صرف حیدرآباد کی خواتین اپنی ایمانی قوت اور جذبہ عقیدت کے بل پر قائم و برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس

انجمن کی تشکیل اور دوسری تفصیلات کے لئے ایک علحدہ اور آخری باب شامل ہے۔

ان تمام ابواب میں اگر متن میں کہیں کوئی فرق ہے تو میں نے جن ذرائع سے مواد حاصل کیا ہے اس کی صراحت فٹ نوٹ میں کردی ہے۔ تاکہ مجھ پر کسی قسم کی ذمہ داری نہ رہے۔ بہ ظاہر یہ ایک تذکرہ ہے۔ لیکن اسے محض تذکرہ نہیں کہا جاسکتا۔ تلاش' جستجو اور تحقیق کے بعد ہی اس کو ترتیب دیا گیا ہے۔

میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ کوئی نام چھوٹ نہ جائے۔ پھر بھی مجھے یقین ہے کہ اس کتاب میں بہت سارے ذاکرات' مرثیہ خوان' ماتمی گروہ' شاعرات اور قدیم زمانی مجلسوں کا ذکر چھوٹ گیا ہوگا۔ اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔

میں اس سلسلے میں اپنی قریبی عزیز رفیق کار ڈاکٹر ریاض فاطمہ کی بے حد شکر گزار ہوں۔ اکثر مقامات پر وہ میرے ساتھ انٹرویوز لینے میں شریک رہی ہیں۔ اگر ان کا تعاون مجھے حاصل نہ ہوتا تو شاید یہ کام جو میں نے دو سال میں مکمل کیا دس سال میں بھی نہ ہو پاتا۔ اس لئے میں اپنے دل کی گہرائیوں سے ان کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ شاید لفظ ''شکریہ'' ان کے بے پناہ خلوص اور تعاون کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

میں ان تمام بزرگوں اور بہنوں کی بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنے بارے میں تفصیلات لکھ بھیج کر میری مدد کی ہے۔ مجھے بخوبی اندازہ ہے کہ آج کی اس تیز رفتار زندگی میں بڑی مشکل سے کسی کو فرصت کے چند لمحات میسر آتے ہیں۔ لیکن میں نے میری مدد کرنے والوں کے فرصت کے ان لمحات کو ان سے چھین لیا اور وقت بے وقت گھروں پر پہنچ کر انہیں بے حد تکلیف دی ہے اس کا مجھے شدید احساس اور شرمندگی ہے۔ مگر کیا کرتی مجبوری جو تھی۔

سب سے آخر میں مگر سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اگر میرے شوہر' حمایت' میرے ساتھ نہ ہوتے تو یہ کتاب آج آپ کے ہاتھ میں نہ ہوتی۔

رشید موسوی
۴۱۰ روز بلاک
گارڈن ٹاور۔ مانصاحب ٹینک' حیدرآباد۔ ۲۸
فون: 23390857

☆☆☆

پہلا باب

(ذاکرات)

اصغری بیگم

نام: جہاں پرور بیگم عرف اصغری بیگم ۔ والد کا نام سید عاشق حسین ۔ شوہر کا نام سید باقر حسین عابدی ۱۹۳۵ء میں حیدر آباد کے ایک عالم گھرانے میں پیدا ہوئیں ۔ اصغری بیگم چار' پانچ سال کی عمر میں اپنی والدہ اور ماموں مولوی سید آغا صاحب قبلہ کے ساتھ زیارت مقامات مقدسہ کے لئے گئیں ۔ نجف اشرف مقدس میں وہاں کے مجتہد نے ان کی ''بسم اللہ'' پڑھوائی اور ان بزرگوار نے مولائے کائنات کی ضریح کو تھام کر یہ دعا کی ''یا امیرالمومنین میں اس کے علم کی ابتداء کر رہا ہوں ۔ آپ اسے کمال کو پہنچانا ۔'' ان کی دعا قبول ہوئی اور آج وہ ایک قابل ذاکرہ ہیں ۔ اصغری بیگم نے سب سے پہلی مجلس سات سال کی عمر میں پڑھی ۔ یہ مردانی مجلس تھی اور ان کے نانا کی برسی کے سلسلہ میں ہوئی تھی ۔ اس مجلس میں گھر کے اور خاندان کے دیگر افراد بھی شریک تھے ۔ پہلی زنانی مجلس بھی اسی عمر میں پڑھی ۔ سید سجاد حسین تمکین کے یہاں کی زنانی مجلس شریعت کدے میں ۲۹ محرم کو رات میں ہوتی تھی ۔ اصغری بیگم نے مجلس پڑھنے کے لئے تیاری تو کرلی ۔ لیکن نیند کا غلبہ شدید تھا ۔ ایک تو مجلس دیر سے شروع ہوئی اور پھر مرثیے بھی طویل پڑھے گئے ۔ جب انہیں حدیث پڑھنے کے لئے قریب رات کے ایک بجے نیند سے بیدار کیا گیا تو انہوں نے فرمائش کردی کہ ''لیمن'' پئے بغیر مجلس نہیں پڑھیں گی ۔ جب تک لیمن نہیں آیا یہ خاموش بیٹھی رہیں اور مجمع انہیں دیکھتا رہا ۔ جب گلاس میں لیمن ڈال کر دیا گیا تو انہوں نے مجلس پڑھی اور منبر سے اتر گئیں ۔

ابتداء میں یہ صرف خاندان میں مجلس پڑھتی تھیں ۔ اور محلّہ میں خواہش مند خواتین کے گھروں میں بھی مجلس پڑھتیں ۔ اس کے علاوہ محلّہ کے ایسے لوگ جو معاشی حیثیت سے کمزور ہیں' ان کے یہاں بھی مجلس پڑھتی ہیں ۔ ۱۹۵۲ء میں باقر حسین عابدی سے شادی کے بعد باہر کی مجلس بھی پڑھنے لگیں ۔ جب اصغری بیگم مستقل طور پر ذاکری کرنے لگیں تو ان کی والدہ نورالنساء بیگم نے ذاکری ترک کردی ۔ اصغری بیگم سے ان کی ذاکری کے بارے میں کچھ باتیں ہوئیں ۔ یہاں ان کو پیش کر رہی ہوں ۔

''والد صاحب نے ہدایت کی تھی کہ صرف آیات قرآنی اور حدیث رسولؐ و آل رسولؐ کو عنوان بنا کر فضائل اہلبیت اور مصائب پڑھنا چاہئے ۔ دعوے اور دلیلوں یا دیگر تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ۔ چنانچہ آج بھی وہی طریقہ اختیار کئے ہوئے ہوں ۔ ذاکری کا مقصد عزاداری کو برقرار رکھنا ہے نہ کہ کسی سے

مقابلہ کرتا۔ اسی لئے سیدھے سادے انداز میں پڑھتی ہوں۔ کتابیں پڑھنا ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتا۔ اور اہلبیتؑ کے حالات سے بھی ہر کوئی باخبر نہیں ہوتا۔ اس لئے ان ہستیوں کی زندگی کے واقعات کا تذکرہ کر کے مصائب پڑھنا بہتر ہے۔ زیادہ طویل مجلس پڑھنا بھی ضروری نہیں۔ بعض لوگ طویل مجلس ناپسند کرتے ہیں۔ اس لئے مجمع کا رجحان دیکھ کر ہی وقت کا تعین کرتی ہوں۔ اگر مجمع توجہ سے سنے تو پڑھنے میں لطف آتا ہے۔ سامعین کی تعداد خواہ کم ہو یا زیادہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

نذرانہ کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہر ایک حسب استطاعت دیتا ہے۔ بعض لوگ نہیں بھی دیتے۔ اسی طرح کرایہ سواری کا بھی ہے کوئی دیتے۔ کوئی نہیں۔ میں تو ایک دن میں ایک یا دو مجلس ہی پڑھنے کی قائل ہوں۔ مگر بعض مخصوص دنوں میں تین چار مجلسوں سے زیادہ پڑھنا ہو اور صبح یا شام کے وقت بہت کم وقفہ سے متواتر مجلسیں ہوں تو ایسی صورت میں بانیان مجلس سے درخواست کر کے وقت کی پابندی اور ہر مجلس کے وقت کے درمیان کم از کم ایک گھنٹہ کا فصل ضرور قائم رکھتی ہوں' تا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے۔ پیشہ وارانہ رقابت کا جذبہ بھی نہیں ہے کبھی اس بات پر بھی اعتراض نہیں ہوا کہ میری مقررہ مجلس کسی اور ذاکرہ سے بانی مجلس نے پڑھوالی۔ تاہم دوسروں کے وار اس سلسلہ میں سہنے پڑے۔ ''..................

سیّدہ انیس فاطمہ

سیّدہ انیس فاطمہ نام سید محمد عباس صاحب مرحوم کی بیٹی ہیں۔ انیس فاطمہ یکم نومبر ۱۹۶۲ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ انہوں نے بی ایس سی کے بعد بی ایڈ کیا اور فی الحال اسکول میں پیشہ تدریس سے وابستہ ہیں۔

انیس فاطمہ کے شوہر باقر محسن رضوی شاعر ہیں۔ اپنی ذاکری کا آغاز انیس فاطمہ نے اپنے گھر کی مجلس سے کیا (۱۵) سال کی عمر میں پہلی مجلس پڑھی۔ حیدرآباد کے علاوہ کراچی اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے دوران عراق ایران و شام میں بھی مجلس پڑھیں۔ انیس فاطمہ کے دادا سید احمد رضا صاحب اور ان کے چچا مولوی سید ابوالحسن میرن صاحب قبلہ حیدرآباد کے مشہور ذاکرین میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ

ان کے خاندان میں ان کی ہمشیرہ ریحانہ فاطمہ (کیلیفورنیا) پروین علی رضا (کویت) سید احمد رضا جواد (کراچی) سیدہ بتول زیدی (کراچی) بھی ذاکری کرتے ہیں۔ انیس فاطمہ علامہ رشید ترابی اعلیٰ اللہ مقامہ کے انداز بیان سے بہت متاثر ہیں............

امتہ الزہرا بیگم

امتہ الزہرا بیگم نام' سید عبدالوہاب کی بیٹی تھیں اور اسی نام سے ان کی شہرت بھی ہوئی بہت کم لوگ انہیں ان کے اصلی نام سے جانتے تھے۔ یہ ''وہاب صاحب کی بیٹی'' کے نام سے مشہور تھیں۔ ان کے شوہر 'ولایت حسین' ہیں امتہ الزہرا (مرحومہ) حیدرآباد میں پیدا ہوئیں اور ساری زندگی یہیں بسر کی۔ ۱۹۷۲ء میں انتقال کیا۔

ان کی والدہ بھی ذاکرہ تھیں اور کتاب میں دیکھ کر پڑھا کرتیں ان کی ہم عصر ذاکراؤں میں لطیف النساء بیگم' مہدی بیگم' صغرا بیگم قابل ذکر ہیں۔

لطیف النساء بیگم اور مہدی بیگم کا بیان مفصل ہوا کرتا جبکہ امتہ الزہرا بیگم مختصر مجلس پڑھتی تھیں۔ منتخب احادیث بیان کر کے مصائب پڑھتی تھیں۔ ایک خصوصیت ان کی یہ تھی کہ یہ ہمیشہ کھڑے کھڑے ہی حدیث بیان کرتیں۔ منبر یا کرسی پر نہیں بیٹھتی تھیں۔ چاہے دس منٹ کی مجلس پڑھیں یا پندرہ بیس منٹ (اسکی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ منبر رسولؐ پر کسی عورت کا بیٹھنا اپنی دانست میں مناسب نہ سمجھتی ہوں)......

سیّدہ ایلیا قرۃ العین

نام سیدہ ایلیا قرۃ العین۔ والد کا نام سید ہاشم علی۔ شوہر کا نام محمد رضا علی خاں۔ ۱۹۶۲ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ جامعہ عثمانیہ سے .M.Sc کی ڈگری حاصل کی۔ ایلیا کے خاندان میں کئی ذاکر گزرے ہیں۔ ان کی نانی عابد النساء بیگم بھی ذاکرہ تھیں۔ گھر کے ماحول نے ان میں حدیث پڑھنے کا شوق پیدا کیا۔ اس

سلسلہ میں ان کی والدہ نے ان کی رہنمائی کی ۔ چنانچہ ایلیا کی والدہ اپنی دونوں لڑکیوں کو ذاکری کیلئے تیاری میں مدد کرنے لگیں ۔ ایلیا بچپن ہی سے بہت ذہین تھیں ۔ چنانچہ اپنی بہن کے مقابلے میں یہ اپنی والدہ کی تحریر کردہ حدیث بہت جلد زبانی یاد کرلیتیں ۔ ۱۱ رصفر کو ہمایوں حیدر کے گھر زنانی مجلس ہوا کرتی ہے ۔ اس مجلس سے ایلیا کی ذاکری کی ابتدا ہوئی اس وقت ان کی عمر صرف آٹھ سال تھی ۔ آج ایلیا ایک صاحب طرز ذاکرہ کی حیثیت سے مشہور ہیں ۔ ایلیا عام طور پر مختصر مجلس پڑھتی ہیں زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ پڑھتی ہیں ۔ لیکن اس مختصر سے وقت میں فضائل اور مصائب دونوں ہی ہوتے ہیں ۔ آج کل شوہر کے ساتھ جدہ میں رہتی ہیں ۔ [۱] ....

اختر محمدی بیگم

اختر محمدی بیگم نام مہدی علی خاں مرحوم کی بیٹی ہیں ۔ اختر رضوی کے نام سے معروف ہیں ۔ اختر ۱۸ ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کو دامن کوہ مولا علی حیدر آباد میں پیدا ہوئیں ۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی ۔ سید صادق علی رضوی کی شریک حیات ہیں اور خانہ داری میں مشغول رہتی ہیں ۔

سب سے پہلی مجلس مرتضیٰ سلیم صاحب کی ہمشیرہ کے گھر میں (۱۶) سال کی عمر میں پڑھی ۔ حیدر آباد میں کئی مقامات پر پڑھتی ہیں اس کے علاوہ دہلی آگرہ اجمیر لکھنؤ جوگی پورہ اور جاورہ میں بھی مجلس پڑھی ہیں ذاکرین میں علامہ رشید ترابی اعلیٰ اللہ مقامہ سید عرفان حیدر عابدی مرحوم اور جناب عبدالحکیم صاحب سے متاثر ہیں ۔ جبکہ خواتین میں ذاکرہ اہلبیت اطہار ذکیہ تقی کا انداز بیان پسند ہے ۔ ....

تقیہ موسوی

نام تقیہ موسوی ۔ والد کا نام سید ابوالقاسم موسوی (متولی بارگاہ حضرت عباس) ۔ ۱۹۴۹ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں ۔ ابتدائی دینی تعلیم یادگار حسینی کے مدرسہ میں حاصل کی ۔ جامعہ عثمانیہ سے بی ایس سی کامیاب

---

[۱] یہ معلومات ایلیا کی والدہ کنیز حیدر علیا سے حاصل ہوئیں ۔

کیا۔ تقیہ کو پانچ چھ سال کی عمر سے جب کہ انہیں اردو لکھنا پڑھنا بھی نہیں آتا تھا' ذاکری کا شوق تھا۔ چنانچہ مجلسوں میں مرثیہ نوحہ سن کر زبانی یاد کر لیتی تھیں اور اسی کو منبر پر کھڑے ہو کر پڑھتی تھیں علامہ رشید ترابی نے' جوان کے دادا کے قریبی دوستوں میں تھے' ان کے اس شوق کو دیکھ کر پیش گوئی کی تھی کہ ''یہ لڑکی ہمیشہ منبر پر نوحہ پڑھتی ہے۔ یہ ایک دن ضرور ذاکرہ ہوگی۔'' تقیہ کے خاندان میں مولوی اقبال علی زیدی' علامہ اختر زیدی اور سلیمہ بیگم جیسی شخصیتیں تھیں جن سے یہ متاثر ہوئیں۔ جب ان کے والد نے ذاکری شروع کی تو انہیں بھی حدیث پڑھنے کا اشتیاق ہوا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان کی دادی نے ان سے فرمائش کی کہ ''ہم نے تمہارا سلام مرثیہ اور نوحہ تو سن لیا اب ذاکری کرو' دادی کی خواہش کا جب انہوں نے اپنے والد سے ذکر کیا تو انہوں نے ایک مختصر سی مجلس لکھ کر دیدی۔ اس سال تو انہوں نے پرچہ دیکھ کر پڑھ دیا۔ مگر دوسرے سال سے زبانی یاد کر کے مجلس پڑھنے لگی۔ اس دور میں انہیں ان کے والد زیادہ مجلسیں لکھ کر دیتے تھے۔ ۱۲ سال کی عمر سے انہوں نے باقاعدہ ذاکری شروع کی۔

۱۱ ادوسر طوق میں مردانی مجلس کے بعد زنانی مجلس ہوا کرتی ہے۔ یہ مجلس مہدی بیگم مرحومہ پڑھا کرتی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد سے تقیہ موسوی یہ مجلس پڑھ رہی ہے۔ حیدرآباد کے علاوہ ہندوستان کے مختلف شہروں اور امریکہ سے بھی مجلس پڑھنے مدعو کیا گیا۔ لیکن بارگاہ حضرت عباس کی متولیہ ہونے کے سبب نہیں جاسکتیں۔ البتہ زیارت مقامات مقدسہ کے دوران قم' مشہد اور خیمہ گاہ میں مجلسیں پڑھیں۔

تقیہ حضرت عباس کی بارگاہ کی متولیہ ہیں۔ تقیہ صاحبہ سے گفتگو کا کچھ حصہ پیش ہے:

''میں مجلس میں عموماً قرآنی آیات اور اس کی تفسیر بیان کرتی ہوں۔ تبلیغی انداز میں مجلسیں پڑھنا مجھے پسند ہے۔ میں زیادہ تر سورۃ یٰسین اور سورۂ رحمٰن کی آیتوں کو عنوان بنا کر آئمہ طاہرین کی عظمت کو پیش کرتے ہوئے ان ذوات مقدسہ کی زندگی کے واقعات بیان کرتی ہوں۔ اپنی مجلسوں میں دین کیا ہے' آخرت کیا ہے اور ہمارے مذہب میں عورت کا کیا مقام ہے' اس کے لئے کیا احکامات ہیں' ضرور بیان کرتی ہوں۔ جناب سیدہ کی زندگی کے ایسے واقعات کا ذکر اپنی مجلس کا موضوع بناتی ہوں' جس سے شہزادی کونین کے اعلیٰ کردار' پردہ اور صبر وضبط کا درس ملتا ہے۔ اللہ نے ہمیں علم عطا کیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس کو دوسروں تک پہنچانا ہمارا فرض ہے' ذمہ داری ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ان مجلسوں میں ایسا ذکر ہو جس سے

دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سننے والوں کے دلوں میں روز حساب کا خوف بھی پیدا کر سکوں۔ مجلس پڑھنے کا انحصار سامعین کی توجہ پر ہوتا ہے۔ اگر لوگ پوری توجہ اور دلچسپی سے سننا چاہیں تو فضائل پڑھنے میں لطف آتا ہے۔ اگر مجمع متوجہ نہ ہو تو صرف مصائب پڑھ کر مجلس کو ختم کر دینا مناسب ہے۔

کوہ قائم کے متولی اسد کی والدہ کی زنانی مجلس ۶ ر صفر کو بارگاہ حضرت عباس میں ہوتی ہے۔ اس مجلس میں حدیث میں پڑھتی ہوں۔ ایک سال شب اربعین اسد کی والدہ نے خواب دیکھا کہ وہ بارگاہ کے صدر دروازے پر کھڑی ہوئی ہیں۔ خواتین مجلس کے لئے درگاہ میں آ رہی ہیں۔ آنے والوں سے یہ کہہ رہی ہیں کہ اس مجلس کی بانی میں نہیں ہوں۔ میری مجلس تو ۶ ر صفر کو ہوگئی۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ گرد آلود عبا اوڑھے ایک معظمہ تشریف لائی ہیں اور ان سے مخاطب ہو کر کہہ رہی ہیں کہ بانی مجلس آپ ہی ہیں۔ سب لوگ آ چکے ہیں۔ یہ کہہ کر ان کا ہاتھ تھامیں درگاہ کے اندر لے آئیں جس صندوق میں حضرت عباس کا علم مبارک رکھا ہوا ہے۔ اس پر ہاتھ رکھ کر ایک سرد آہ کھینچ کر کہہ رہی ہیں کہ یہ مجلس تمہاری ہے۔ ہم نے تمہیں اس کی ذمہ داری سونپی ہے۔ تم تبرک کا اہتمام بھی مت کرو۔ میں نے کر لیا ہے۔ اور ایک طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ جگ ہے اس میں شربت بنا ہوا رکھا ہے۔ اس کے اطراف بہتر (۷۲) گلاس ہیں۔ قریب ہی ایک کشتی بھی رکھی تھی۔ اس پر سے کپڑا ہٹا کر بتایا کہ دیکھو اس میں روٹی ہے میں نے اپنے شہیدوں کے لئے تبرک کا انتظام کر لیا ہے تمہاری ۶ ر صفر کی مجلس جس ذاکرہ نے پڑھی تھی وہ مجھے بہت پسند ہے۔ اسی لئے میں تمہیں بانی مجلس بنائی ہوں۔ تم ہمیں بہت پسند ہو۔ جب مجلس شروع ہوئی تو ان معظمہ نے اسد کی والدہ سے کہا کہ ذاکرہ سے وہی بیان پڑھنے کہو۔ علی اکبر کی شہادت پر جب ام لیلیٰ بے ہوش ہوگئی تھیں۔ اور میں عباس کا بھی بیان سننا چاہتی ہوں۔ ان معظمہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھا دیا۔ اور مجھ سے کہا کہ میں عباس کا بیان سننا چاہتی ہوں۔ اپنے بچے کی شہادت سننا چاہتی ہوں۔'' ....

خدیجہ بانو موسوی

خدیجہ بانو موسوی نام، ذاکر اہلبیت یٰسین علی موسوی (مرحوم) کی بیٹی ہیں۔ ۳۱ ر جنوری ۱۹۴۹ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ دنتیا کالج سے پی۔ یو۔ سی (انٹرمیڈیٹ) تک تعلیم حاصل کی خانہ دار خاتون ہیں۔

خدیجہ موسوی نے (۱۵) سال کی عمر سے ذاکری کی ابتدا کی اپنے ہی مکان میں پہلی مجلس پڑھی۔ خاندان میں والد اور چچا کے علاوہ بہنوی مہدی علی ہادی بھی معروف ذاکر ہیں۔تاہم خدیجہ موسوی ذاکرہ اہلبیت اطہار ذکیہ سلطانہ صاحبہ کے انداز بیان سے متاثر ہیں۔حیدرآباد کے علاوہ بھونگیر اور بحرین میں بھی انہیں مجلس پڑھنے کا موقع ملا ہے۔انہیں جناب فاطمہ زہرا اور جناب زینبؑ کے حالات بیان کرنا زیادہ پسند ہے............

دردانہ بیگم عرف اختر

نام دردانہ بیگم۔عرف اختر۔والد کا نام میر باسط علی خاں۔شوہر کا نام سید مصطفیٰ حسین۔۱۹۲۰ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ہوم سائنس سے ڈگری کا امتحان کامیاب کیا۔

اختر کے والد کی خواہش تھی کہ ان کی بیٹی ذاکری کرے۔چنانچہ وہ انہیں مجلس لکھ کر دیتے تھے اور یہ زبانی یاد کر لیتی تھیں۔ان کے والد انہیں مجلس پڑھنے کا طریقہ اور انداز بھی سکھاتے تھے۔سات سال کی عمر میں انہوں نے پہلی مجلس اپنی خالہ کے گھر میں پڑھی۔اس وقت وہ سر پر ٹوپی پہنے منبر پر بیٹھتی تھیں رعب مجلس سے ان کے ہاتھ ٹھنڈے ہو جاتے تھے۔لیکن والد کی ہمت افزائی سے آہستہ آہستہ خوف دور ہو گیا۔اختر علامہ رشید ترابی سے بہت متاثر تھیں۔اختر کی عمر بارہ تیرہ سال کے لگ بھگ تھی۔وہ ان دنوں کا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں کہ عام طور پر زنانی مجالس میں ایک بیوہ خاتون احمد النساء بیگم ذاکری کرتی تھیں۔اور اکثر گھروں میں انہیں مجلس پڑھنے بلایا جاتا تھا۔اختر کی خالہ کے گھر کی مجلس بھی ہر سال احمد النساء بیگم پڑھتی تھیں۔ایک سال احمد النساء بیگم مجلس پڑھکر منبر سے اترنے کے بعد ان کی خالہ نے انہیں منبر پر بٹھایا اختر کے والد اندر کمرے میں بیٹھے دعا کر رہے تھے کہ اللہ میری لڑکی کی عزت رکھ لے۔چنانچہ اختر نے اس وقت بڑی معرکہ کی مجلس پڑھی خوب رقت ہوئی۔احمد النساء بیگم اختر کی خالہ سے الجھ پڑیں کہ گھر میں ذاکرہ رکھ کر ہمیں بلانے کی کیا ضرورت تھی۔"

اختر شروع ہی سے اپنی ہر مجلس کی باقاعدہ تیاری کرتی تھیں۔قرآن و احادیث کے حوالہ جات کی روشنی

میں جامع اور مدلل فضائل کے علاوہ مصائب بھی خاص نہج سے بیان کرتی تھیں۔ مہدی یار جنگ کے گھر کی زنانی مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک سال محرم کے زمانے میں بیگم مہدی یار جنگ لندن گئی ہوئی تھیں۔ اپنی بہن صغرا بیگم ہاشم امیر علی خاں کو تاکید کی کہ ۲۱ رمضر کی مجلس اختر سے پڑھوائیں۔ صغرا بیگم نے مجلس کا رقعہ تو بھجوا دیا لیکن مجلس پڑھنے کے لئے نہیں کہا۔ پھر بھی یہ پوری تیاری کے ساتھ مجلس میں شریک ہوئیں۔ کہ شاید کوئی مجلس پڑھنے کے لئے کہہ دے۔ اتفاق سے اس دن بیگم مہدی یار جنگ لندن سے واپس آگئیں۔ مرثیہ ختم ہوتے ہی انہوں نے جب منبر پر جانے کے لئے کہا تو اختر نے جواب دیا۔ ''میں کوئی عالم فاضل تھوڑی ہوں کہ بنا تیاری کئے پڑھ لوں۔ مجھ سے پڑھنے کے لئے نہیں کہا گیا صرف دعوت دی گئی تھی''۔ بیگم مہدی یار جنگ نے کہا کہ مجھے معلوم ہے تم کتنے پانی میں ہو چلو اٹھو مجلس ٹھنڈی ہو رہی ہے''

بیگم مہدی یار جنگ کے اصرار پر انہوں نے مجلس پڑھی۔ اپنی مجلسوں کی مقبولیت کے سلسلے میں انہوں نے ایک معجزہ بیان کیا ہے۔

''ایک رات میں خوب دعا کی کے مولا مجھے کیسے پتہ چلے کہ میری مجلس قبول ہوئی یا نہیں۔ ذاکری مقبول ہوئی کہ نہیں۔ اس عالم میں میری نیند لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ مرثیہ خوان پڑھ کر جانے کے بعد کسی نے چلمن کے پاس آکر کہا کہ آیئے مجلس ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ منبر منتظر ہے۔ میں نے کہا میں نامحرموں میں بھلا کیسے پڑھوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کے لئے نامحرم نہیں ہے' آیئے۔ میں جاکر منبر پر بیٹھ گئی۔ بائیں جانب منبر کے میں نے دیکھا کہ سفید کپڑوں میں پانچ لوگ بیٹھے ہیں۔ میں نے مجلس شروع کی۔ ابھی آیہ تطہیر کی تلاوت کی تھی کہ میری آنکھ کھل گئی اور میں جاگ پڑی''۔

اختر کے چار لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے

اختر کا کہنا ہے کہ ابھی ''یادگار حسینی'' کی تعمیر بھی نہیں ہوئی تھی اور لطیف النساء نے بھی ذاکری شروع نہیں کی تھی۔ ان سے پہلے سے یہ ذاکری شروع کر چکی تھیں .... [1]

---

[1] یہ سلسلۂ معلومات خود اختر صاحبہ سے حاصل ہوئیں۔

درشہوار بادامی

درشہوار نام حسین علی بادامی کی بیٹی ہیں۔ فاطمہ بادامی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ ۲۸ رڈسمبر ۱۹۸۵ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کی والدہ عشرت فاطمہ ایک مشہور و معروف ذاکرہ ہیں۔ درشہوار کو بھی ابتداء سے دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا۔

انہوں نے سب سے پہلی مجلس (۸) سال کی عمر میں بیت القائم میں پڑھی۔ حدیث کی تیاری کے لئے یہ زیادہ تر اپنی ماں سے مدد لیتی ہیں۔ اس وقت انٹرمیڈیٹ میں ہیں اس لئے کالج کی معروفیت کے بعد جو وقت ملتا ہے وہ مذہبی مطالعہ کرتی ہیں۔

درشہوار کافی ذہین ہیں یہی سبب ہے کہ اکثر اوقات جب ایک ہی وقت میں ان کی ماں کو بلایا جاتا ہے تو کبھی عشرت کی جگہ یہ پڑھنے چلی جاتی ہیں۔ عشرت نے ایک ملاقات میں بتایا کہ ابھی انہیں کالج کی پڑھائی سے زیادہ فرصت نہیں ملتی اسلئے وہ مجلسوں کی تیاری میں ان کی رہنمائی اور مدد کرتی ہیں

....

ذکیہ سلطانہ

ذکیہ سلطانہ نام۔ والد کا نام میر تقی علی۔ شوہر کا نام میر تقی علی خاں۔ جامعہ عثمانیہ سے ایم اے۔ پی ایچ ڈی (جغرافیہ) ڈگری حاصل کی۔ اور حال ہی پروفیسر کے عہدہ سے وظیفہ پر علحدہ ہوئی ہیں۔

علامہ رشید ترابی ذکیہ سلطانہ کے حقیقی خالو تھے۔ ان کی ہمت افزائی کی وجہ سے وہ ذاکری کی طرف مائل ہوئیں۔ بچپن ہی سے مجلس پڑھنے لگی تھیں۔ گھر میں بچوں کی مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ان کی بڑی بہن مرثیہ و نوحہ پڑھتی تھیں ذکیہ سلطانہ کی آواز موزوں نہیں تھی۔ اس لئے انہیں نوحہ و مرثیہ پڑھانا تو دور کی بات جواب تک دینے نہیں دیتی تھیں کہ وہ طرز بگاڑ دیتی ہیں۔ اس بات سے ان میں احساس کمتری پیدا ہونے لگا۔ ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر ان کی والدہ اور خالہ نے انہیں ذاکری کی طرف مائل کیا۔ اور ہمت

افزائی کی کہ ان میں تقریر کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ سب سے پہلے علامہ رشید ترابی نے انہیں مختصر سا خطبہ اور چھوٹی سی مجلس لکھ کر دی تھی۔ وہ زبانی یاد کروا کر سنتے اور انداز تخاطب بھی سکھاتے تھے یہ سلسلہ صرف بچوں کی مجلس کی حد تک محدود رہا۔

۱۹۵۳ء سے باقاعدہ ذاکری شروع کی جب یہ انٹرمیڈیٹ کی طالبہ تھیں۔ اس زمانے میں لطیف النساء بیگم، مہدی بیگم اور وہاب صاحب کی بیوی اور بیٹی زنانی مجالس پڑھا کرتی تھیں۔ ابتداء میں انہوں نے صرف خاندان کی مجلسیں پڑھیں جن میں خواتین کی قابل لحاظ تعداد شریک ہوتی تھی۔ انہوں نے پہلی بڑی اور قدیم مجلس جو خاندان کی مجلسوں سے ہٹ کر پڑھی، وہ یکم صفر کی تھی جو صادق علی صاحب کے گھر میں ان کی بیگم صاحبہ کی طرف سے منعقد ہوئی تھی۔ اس کے بعد مجلسیں پڑھنے کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

۱۹۶۱ء کے بعد پہلی بار ۱۹۷۱ء میں انہیں ممبئی سے خوجہ کیمونٹی کی طرف سے محرم کے پہلے عشرے میں مجلسیں پڑھنے کے لئے مدعو کیا گیا۔ یہ سلسلہ پانچ، چھ سال تک جاری رہا۔ اس کے بعد انہیں ممبئی جانا بند کرنا پڑا۔ کیونکہ ان کی ملازمت کی مصروفیت حائل ہونے لگی. ممبئی کے علاوہ انہیں بنگلور، مدراس، دہلی اور لکھنو میں بھی مجلس پڑھنے مدعو کیا گیا۔ ان کی مجلسوں کی ان تمام شہروں میں خوب شہرت ہوئی اور بہت پسند کیا گیا۔ کلکتہ میں بھی انہیں مجلسیں پڑھنے کا موقع ملا۔ ان کا ایک بیٹا کلکتہ میں بیٹے سے تھا۔ بیٹے سے ملنے یہ وہاں گئیں اور جب لوگوں کو ان کی آمد کا پتہ چلا تو ان سے وہاں تین مجلسیں ہوئی تھیں۔ ہندوستان سے باہر بھی انہوں نے کئی مجلسیں پڑھیں۔ ایک سال لندن میں انہوں نے ''اصغر فاؤنڈیشن'' کی دعوت پر مجلس پڑھی۔ اور دوسرے سال لندن ہی میں ''آل ورلڈ شیعہ اسوسی ایشن'' نے انہیں مجلسیں پڑھنے کے لئے مدعو کیا۔ اس کے علاوہ ایک طویل سال یہ اپنی ذاتی مصروفیت کی وجہ سے امریکہ میں مقیم تھیں۔ اور محرم بھی وہیں کیا۔ ہوسٹن میں مقیم مسز بشیر جعفری نے وہاں کے عزا خانے میں ''مختار نامہ'' کی مجالس کا اہتمام کیا۔ ذکیہ سلطانہ نے امریکہ میں مختار نامہ کی مجالس پہلی بار پڑھیں اس سے پہلے مختار نامہ کسی نے نہیں پڑھا تھا۔ لوگوں نے ان مجلسوں کو بہت پسند کیا۔ اس کے علاوہ ہوسٹن کے دوران قیام میں بے شمار مجلسیں پڑھیں۔ جن میں خواتین کی کثیر تعداد شریک ہوتی تھی۔

شادی سے پہلے والدہ انہیں مجلسیں لکھ کر دیتی تھیں۔ شادی کے بعد مجالس کی تیاری میں شوہر کی مدد

زیادہ رہی کیونکہ ان کے شوہر کی مذہبی معلومات اور مطالعہ بہت وسیع تھا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد خود انہوں نے بھی اپنا مطالعہ وسیع کیا اور تاریخ اسلام اور شیعیت پر زور دینے لگیں۔ ملازمت کے دوران عربی کے پروفیسرز سے ان کی دوستی ہوگئی تھی وہاں انہوں نے اتنی عربی زبان سیکھ لی تھی کہ قرآن مجید کی تلاوت کے دوران کسی بھی آیت کا مطلب ومفہوم سمجھ میں آنے لگا تھا (پھر بھی عبور حاصل نہ ہوسکا تھا) اور اگر کوئی ایسی آیت آجاتی تو اس کے مطالب کو وسیع کرکے اپنے اسلامی کتابوں کے مطالعہ سے ملاکر مجلس پڑھنے کا سواد جمع کرلیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے گھر میں اکثر مذہبی مباحثہ ہوتے رہتے ہیں۔ کہیں کوئی نکتہ ذہن میں رہ جاتا ہے تو وہ بھی مجلس کی تیاری میں معاون ہوتا ہے۔

ایک خاص بات ذکیہ سلطانہ کی یہ ہے کہ وہ اپنے موضوع سے بھٹکتی کبھی نہیں ہیں۔ خواہ ایک گھنٹہ طویل مجلس ہی پڑھیں۔ مرکزی موضوع کو دلائل اور مثالوں کے ذریعہ پیش کرنے کے سلسلے میں بھلے ہی انہیں دوسرے نکتے بھی زیر بحث لانے پڑیں' لیکن مرکزی موضوع سے برابر جڑی رہتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مجلس میں آخر تک دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ انداز بیان کا یہ تسلسل ان کے پیشے کا تقاضہ رہا ہے۔ ذکیہ سلطانہ کے دولڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ ماشاءاللہ تینوں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور امریکہ میں سکونت پذیر ہیں۔ ان کا چھوٹا بیٹا علی رضا امریکہ میں انگریزی میں مجلیس بھی پڑھتا ہے۔ وہ نوجوان طبقہ میں بہت قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس کی تقریریں سننے کے لئے دوسرے شہروں سے بھی لوگ آتے ہیں اور اس کی خطابت کو پسند کرتے ہیں۔

ذکیہ سلطانہ سے ہمیں طویل گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ یہاں اسے پیش کیا جاتا ہے

''کسی بھی کام پر تعلیم کا اثر لازمی طور پر پڑتا ہے۔ لطیف النساء بیگم اعلیٰ تعلیم یافتہ ذاکرہ تھیں۔ اردو میں ایم اے کیا تھا۔ اسکول میں ٹیچر تھیں۔ ظاہر ہے کہ زبان وبیان پر انہیں قدرت حاصل تھی اور بولنے کا ان کا اپنا ایک منفرد انداز بھی تھا۔ مہدی بیگم ذاکرہ بھی اسکول ٹیچر تھیں۔ ان کا اپنا بھی ایک خاص انداز تھا۔ دونوں ذاکرات بہت پسند کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ وہاب صاحب کی فیملی کی ذاکرائیں تھیں جو نسبتاً کم پڑھی لکھی تھیں یہ بھی اپنے مخصوص انداز میں مجالس پڑھتی تھیں۔ ان سے زیادہ مواد کی امید بھی نہیں کی جاتی تھی۔ اور چونکہ مدراس سے ان کا تعلق تھا اس لئے زبان وبیان ان کا اپنا منفرد تھا۔ لیکن آج زنانی

مجالس کا رجحان بدل گیا ہے۔ آج کی زنانی مجلسیں پہلے کے مقابلے میں زیادہ معلوماتی ہوتی ہیں۔ اور معیار بھی بڑھ گیا ہے۔ پہلے کی مجالس میں اکثر ذاکرات مصائب پر زور دیتی تھیں۔ کسی مجلس کی ابتدا حدیث کسا کی آیت تطہیر کو عنوان بنا کر کی جاتی تو اس کا انداز محض بیانیہ ہوتا۔ آیت کا تجزیہ کر کے فضائل کے نکتے نہیں نکالے جاتے تھے۔ بلکہ صرف معنی بیان کر دیئے جاتے اس طرح معجزہ بھی بیانیہ ہوتا' اس سے فضائل کے کوئی پہلو پیش نہیں کیئے جاتے تھے۔ مجھے اپنے ہم عصروں کی مجلسیں سننے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ لیکن جتنی بھی مجلسیں میں نے سنی ہیں' تو مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے کہ نئی نسل کی ذاکرات سخت محنت تلاش وجستجو کر کے مجلسیں پڑھ رہی ہیں۔ ان کی عمر میں تو میں نے ایسی مجلسیں نہیں پڑھیں۔ پہلے کی ذاکرائیں اتنی محنت وجستجو نہیں کرتی تھیں۔ آج ذاکرات سننے والوں کو اچھے سے اچھا مواد دینے کی کوشش کر رہی ہیں۔ کیونکہ کینوس وسیع ہو گیا ہے۔ مجلسیں ریکارڈ کی جا رہی ہیں۔ مطالعہ کے علاوہ یہ تمام چیزیں آج کی ذاکرہ کو زیادہ سے زیادہ محنت کرنے پر مائل کر رہی ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ ذاکری کی طرف رجوع ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ آج ذاکری کو کیریر بنانے کا رجحان بھی عام ہو رہا ہے۔ اور شاید خواتین میں یہ رجحان پاکستان سے آیا ہے جہاں ذاکری کی تعلیم کے لئے باقاعدہ مدرسے قائم ہیں۔ بہر حال کیریر بنانا قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ کیونکہ جہاں اتنے اور ڈھیر سارے کیریرز خواتین کے لئے ہیں تو ذاکری کیوں نہیں؟ اور جب بات پیشہ یا کیریر کی ہو جاتی ہے تو معیار بلند کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ محنت کرنا ہوگا۔

جہاں تک میرا تعلق ہے میں تاریخ پر زیادہ توجہ دیتی ہوں۔ تاریخ اسلام' آئمہ اطہار کی تاریخ اور شیعیت پر زیادہ پڑھتی ہوں۔ امریکہ میں مجھ سے تبلیغی مجالس پڑھنے کی خواہش کی گئی تھی کہ بچوں میں اپنے مذہب اور عقاید کے بارے میں ایسی باتیں بتلاؤں جو ان کی بنیاد کو مضبوط کر سکیں۔ اس طرح میری مجلسوں میں غیر شعوری طور پر توازن پیدا ہو گیا۔ اب میں دانستہ طور پر یہ کرنے لگی ہوں کہ تھوڑی دیر تبلیغی بات بیان کرتے ہوئے اس کو آئمہ اطہار کی زندگی سے مربوط کر کے ان کے فضائل بیان کرتی ہوں اور پھر مصائب کے بیان پر مجلس تمام کرتی ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی بھی صرف مصائب پر مبنی مجلس نہیں پڑھی۔ مختصر سے مختصر مجلس بھی پڑھنا پڑے تو فضائل ضرور پڑھتی ہوں۔ آج کل حیدر آباد میں فضائل پر زیادہ Stress کیا جاتا ہے خصوصاً مولاؑ کے فضائل پر زیادہ واہ واہ ہوتی ہے۔ لیکن باہر کے ممالک خصوصاً امریکہ

میں تبلیغی مجالس پڑھنے کی خواہش کی جاتی ہے۔ جیسے نماز پر احکام شریعت پر نہی عن المنکر یا امر بالمعروف پر اپنے طور پر میں یہ سمجھتی ہوں کہ پہلے ہم اپنے بچوں کو اپنے فرقے کی اپنی شریعت اور شیعیت کی جو باتیں ہیں وہ بتائیں۔ ہم شیعہ کیوں ہیں اور ہم دوسروں سے کیسے الگ ہیں اس بات کو ان کے ذہن نشین کرانا ہوگا ۔ نماز پڑھو روزہ رکھو جھوٹ مت بولو کسی کا حق مت کھاؤ غیبت مت کرو یہ تمام چیزیں تو عام (General) ہیں۔ یعنی یہ صرف اسلام ہی نہیں بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی ہیں۔ تو پھر ہماری شناخت کیا ہے؟ ہماری شناخت دو چیزوں سے ہے۔ ایک فضائل اہلبیت اور دوسرے تاریخ شیعیت یہ دو چیزیں اگر ذاکر Project کر کے اس کے ساتھ تبلیغی باتوں کو مربوط کریں تو میں سمجھتی ہوں ایک بہترین متوازن مجلس ہم اپنے بچوں کو دے سکتے ہیں۔

۱۹۸۷ء میں میں نے عمرہ وزیارات مقامات مقدسہ کا سفر کیا تھا۔ اس زمانے میں شیعیت کا اظہار کرنا ممکن تھا۔ اور مجلس کرنا تو بہت مشکل تھا۔ مدینہ میں ایک شام ہم تمام زائرین جنت البقیع میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ ہم نے سوچا کہ کوئی نہیں دیکھ رہا ہے کیوں نہ آہستہ آہستہ مرثیہ پڑھ لیں۔ چنانچہ دبی آواز میں مرثیہ شروع کیا۔ اطراف سے ادھر ادھر سے لوگ آنے لگے۔ وہاں کے ''مطوعے'' آواز سن کر منع کرنے آگئے ایک دم میرے دل میں خیال آیا کہ میں ذاکرہ اس وقت شہزادی کے مزار پر ہوں۔ میں نے شہزادی سے دعا کی کہ بی بی آپ سند دید یجئے آج اگر آپ کے مزار پر میں مجلس پڑھ لوں تو سمجھوں گی کہ واقعی آپ میری مجلسیں قبول کر رہی ہیں۔ ادھر مرثیہ ختم ہوا اور میں نے کھڑے ہو کر مجلس پڑھنا شروع کر دی۔ بے حد رقت ہوئی اور وہ لوگ جو منع کرنے آئے تھے کھڑے کے کھڑے ہی رہ گئے۔ اس واقعہ سے مجھ پر کھل گیا کہ شہزادی کی طرف سے میری مجلسوں کو قبولیت کی سند مل گئی۔

میں نے جب ذاکری شروع کی تو کسی سے بھی نذر نہیں لیتی تھی ۔ کیونکہ خاندان میں ہی زیادہ تر مجلسیں پڑھتی تھی ۔ نذر لینے کا سوال ہی نہیں تھا۔ جب ممبئی اور دوسرے مقامات پر جانے لگی تو نذر لینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ خاندان میں سب سے پہلے میری ممانی ساس نے نذر دی تو میں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ رکھ لو اسے انکار مت کرو اس سے اپنا کفن خرید لینا۔ کفن کی بات اس وقت بری لگی ۔ مگر بعد میں میں نے نذر جمع کر کے زیارتوں میں استعمال کرنے کا ارادہ کر لیا چنانچہ اس کے بعد جو بھی نذر ملتی ایک لفافے میں جمع کر لیتی ۔ کہیں میں نے پڑھا بھی تھا کہ ''نذر حسین سے انکار نہیں کرنا اور نذر حسین طلب بھی نہیں کرنا

۔''چنانچہ جب میں نے پہلی بار زیارتیں کیں تو نذر کا سارا پیسہ میں نے استعمال کیا۔ جب امریکہ گئی تو وہاں سے جتنی بھی رقم بہ شکل ڈالرز ملی اس سے میں نے حج کیا۔

باہر کے مرد ذاکرین جو یہاں حیدرآباد میں مجلسیں پڑھتے تھے ان کی مجلسیں ضرور سنتی رہی۔ بچپن میں والدہ کے ساتھ مولانا ابن حسن نونہروی کی مجلسوں میں پابندی سے شرکت کرتی۔ میں اور والدہ ہر سال ان کی مجلسیں زنانے حصہ میں بیٹھ لکھتے جاتے اور گھر آ کر دونوں کا لکھا ہوا مواد ملا کر اپنے لئے مجلسیں تیار کرتے۔ رشید ترابی صاحب کی بے شمار مجلسیں تو گھر میں ہوتی ہی تھیں۔ زنانی مجلسوں میں وہ پردے کے پیچھے بیٹھ کر مجلس پڑھتے تھے ان سے بھی میں بے حد متاثر ہوئی۔ اس کے بعد مولانا طاہر صاحب اور مولوی اطہر صاحب کی مجلسیں پسند آنے لگیں۔ اس کے علاوہ پاکستان کے ذاکر مولوی عبدالحکیم صاحب کی مجلسیں بھی پسند آتی ہیں''۔

رضیہ بیگم۔ عرف سیّدہ

نام رضیہ بیگم۔ عرف سیّدہ۔ والد کا نام میر عباس علی۔ شوہر کا نام مرزا سعادت علی بیگ عرف سردار بھائی ۶/ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ میٹرک کامیاب کرنے کے بعد اردو منشی اور ادیبہ ہندی پنڈت، تلگو پنڈت (مماثل گریجویشن) کامیاب کیا۔ محکمہ تعلیمات میں ٹیچر کی حیثیت سے ملازمت کی۔ صدر معلمہ کی حیثیت سے حال ہی میں وظیفہ پر سبکدوش ہوئی ہیں۔ رضیہ سلطانہ سیدہ نے نو برس کی عمر سے ذاکری شروع کی۔ ذاکری کی ابتدائی تعلیم انہوں نے حضرت آقائی مولانا سید محمد محسن صاحب قبلہ سے حاصل کی۔ علامہ رشید ترابی اور لطیف النساء بیگم سے بہت متاثر ہیں۔ انہوں نے پہلی مجلس ''فضیلت منزل'' میں نواب بیگن بلی کے یہاں پڑھی۔ حیدرآباد کے علاوہ انہوں نے ممبئی، بنگلور، جاورہ، مکہ، مدینہ، عراق اور امریکہ میں بھی مجالس پڑھیں۔

رضیہ بیگم سیدہ اپنی ذاکری کی شروعات اور دیگر تفصیلات اس طرح بیان کرتی ہیں :

''ہمارے گھر میں بچوں کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ ان مجلسوں میں میں مرثیہ کے بعد منبر پر بیٹھ کر حدیث

پڑھنا شروع کر دیتی تھی۔ شروع ہی سے مجلس میں ذاکر و ذاکرہ کو پوری توجہ سے سنتی تھی اور کوشش کرتی کہ پوری مجلس یاد کر لوں۔ خصوصیت کے ساتھ مصائب یاد کر لیتی تھی۔ خاندان کی بزرگ مومنات والدہ اور خالہ میری ذاکری کا بیان اور ذوق دیکھ کر میری ہمت افزائی کرتے تھے۔ چنانچہ سال ڈیڑھ سال تک مجھے مولانا مولوی سید محسن صاحب کے یہاں جب بھی وقت ملتا' ساتھ لے جاتے۔ مولانا جو بھی مجھے سناتے' سکھاتے' وہ میں دوسرے دن لفظ بہ لفظ بلا جھجک انہیں سنا دیتی۔ میری ذہانت سے وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ اسکول کی نصابی کتابوں کے علاوہ اسی زمانے سے مذہبی اور مجلسوں کی چھوٹی چھوٹی کتابیں پڑھنے لگی تھی۔''

آگے اپنی ایک مجلس کا ذکر جس کو وہ معجزہ مانتی ہیں' اس طرح کرتی ہیں :

''ایک مرتبہ میں ایام عزا میں اپنی والدہ اور خالہ کے ساتھ ایک مخصوص مجلس میں گئی۔ اس مجلس سے مہدی بیگم ذاکرہ خطاب کرنے والی تھیں۔ کسی وجہ سے وہ نہیں آسکیں۔ بانی مجلس بے حد ملول اور رنجیدہ ہو گئیں۔ میری خالہ کے بانی مجلس سے قریبی تعلقات تھے' انہوں نے نہ جانے ان سے کیا بات کی۔ اور پھر مجھے منبر پر بٹھا دیا کہ تم مجلس پڑھو۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا پڑھا۔ لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ چار پانچ سو خواتین کے مجمع میں زار و قطار رونے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ مجلس ختم ہوئی لوگوں نے بہت دیر تک میری پیشانی چوم کر دعائیں دیں میں سمجھتی ہوں کہ بی بی کا معجزہ ہی تھا' شہزادی کونین کی ذرہ نوازی ہوئی۔ اس کے بعد میری ہمت بڑھ گئی اور پھر لوگ باقاعدہ رقعے بھجوا کر مجلس پڑھنے مدعو کرنے لگے۔ میں شروع ہی سے اپنی مجلسیں خود تیار کر لیتی ہوں میں پچاس اکاون سال سے متواتر مجالس پڑھ رہی ہوں۔ ایام عزا (دو ماہ آٹھ دن) میں تقریباً تین سو مجالس پڑھتی ہوں۔ مخصوص شہادتوں کے علاوہ باقی دنوں میں مرحوم مومنات و مومنین کی زیارات' چہلم' برسی اور ایصال ثواب کے مجالس پڑھنے کے مواقع بھی ملتے ہیں۔ میرا ایک نہایت مختصر کتب خانہ ہے جس میں تقریباً ۳۵۰ مذہبی کتابیں اور ۵۰۔۶۰ رسائل ہیں۔''

رضیہ بیگم سیدہ کے ایک لڑکا اور چار لڑکیاں ہیں ان کی سب سے چھوٹی بیٹی ضمیر فاطمہ تقریباً بارہ سال سے ذاکری کر رہی ہیں۔ ان کی نواسی مریم فاطمہ بھی دس بارہ سال کی عمر سے ذاکری کر رہی ہیں۔

سیّدہ روحی باقری

سیّدہ روحی باقری نام' سید علی آقا باقری کی صاحبزادی ہیں' ۲۲/اکتوبر ۱۹۶۸ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں ۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی تاہم ایک خانہ دار خاتون ہیں ۔ روحی باقری نے دس سال کی عمر سے اپنی ذاکری کا آغاز کیا اور پہلی مجلس اپنی نانی ممتاز بیگم کے گھر میں پڑھی ۔ سید اصغر حسین عابدی ان کے شوہر ہیں ۔ روحی باقری کی خوشدامن اصغری بیگم بھی ایک معروف ذاکرہ ہیں ۔

روحی کے دادا میر آقا قبلہ بھی ذاکر تھے اور سید آقا قبلہ مجتہد کے بھائی تھے ۔ روحی کے خاندان میں عصر حاضر میں مولانا سید رضا آقا صاحب قبلہ اور باقر آقا صاحب مرحوم اس وقت بہت مشہور ذاکرین میں شامل ہیں ۔ ان کے علاوہ روحی اپنی پھوپھی اور ساس اصغری بیگم صاحبہ کے پڑھنے کے انداز سے بھی متاثر ہیں ۔ ابتداء میں روحی خاندان کے مخصوص گھرانوں ہی میں مجلس پڑھتی رہیں ۔ اک مرتبہ کثیر مجمع میں عین وقت پر ذاکرہ کے نہ آنے کی وجہ سے روحی کو پڑھنے کیلئے کہا گیا انہوں نے اس مجلس کو بغیر کسی تیاری کے مخاطب کیا اور مجلس بہت کامیاب ہوئی ۔ خوب گریہ و بکا ہوا اس کے بعد ان کی ہمت بڑھی اور وہ خاندان کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی بلا جھجک مجلس پڑھتی ہیں ۔

ڈاکٹر سیّدہ زہرا بیگم

سیّدہ زہرا بیگم نام' شوہر کا نام مرزا اسد علی بیگ ۔ زہرا بیگم ۱۹۶۰ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں ۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ممتاز کالج میں بہ حیثیت اردو لکچرر ملازم ہیں ۔ زہرا بیگم نے چودہ یا پندرہ سال کی عمر سے ذاکری کا آغاز کیا ۔ زہرا بیگم کی ذاکری کی ابتداء کچھ اس طرح ہوئی کہ ان کے یہاں ہر سال ۲۰/محرم کی مجلس میں سلیمہ بیگم ذاکری کرتی تھیں ۔ ایک سال وہ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے نہیں آسکیں ۔ اور مجلس متاثر ہوگئی ۔ زہرا کے والدین نے ان سے ذاکری شروع کرنے کی خواہش کی ۔ زہرا بیگم کی پھوپھی کے یہاں ایام عزا میں تین زنانی مجالس

۱۴محرم '۱۹محرم اور اربعین کو برپا ہوتی ہیں ۔زہرا بیگم کے والد نے سب سے پہلی مجلس اربعین حسینؑ پر انہیں لکھ کر دی۔ اور ان کی ہمت افزائی کی ۔ زہرا نے اس مجلس کو زبانی یاد کرلیا۔ اس طرح اربعین حسینؑ کی مجلس کے ذکر سے ذاکری کی ابتدا ہوئی ۔ دوسرے سال سے زہرا اپنی پھوپھی کے گھر کی تینوں مجلسیں اور اپنے گھر کی ۲۰ محرم کی مجلس میں باقاعدہ ذاکری کرنے لگیں ۔ان چاروں مجلسوں کی تیاری اس طرح سے ہونے لگی کہ ان کے والدان مجالس کو خود لکھتے یا پھر دوسروں مثلاً سید ظہور حیدر مرحوم سے لکھواتے ۔ جنہیں یہ از بر کرتیں اور منبر سے پڑھتیں ۔ ۱۹۷۹ء شادی کے بعد شوہر نے بھی ان کی خوب ہمت افزائی کی ۔ ذاکری کے متعلق مختلف چھوٹی چھوٹی کتابیں وہ خرید کر لاتے ۔ زہرا زیادہ تر مجالس شہزادی سکینہ سے متعلق پڑھتی ہیں ۔ مختلف کتابوں کی مدد سے اپنے انداز میں مواد اکٹھا کر کے یاد کر لیتی ہیں ۔ اس سلسلے میں وہ کہتی ہیں:

'' کیونکہ میری عادت ابتدا سے یہی تھی کہ جس مجلس کو ایک مرتبہ پڑھتی اسے دوبارہ پڑھنا نہیں چاہتی ۔ لہٰذا ہر بار نئے واقعات پڑھنا چاہتی ۔ ذوسری مجالس میں جب شرکت کرتی تب بھی میرا مقصد یہی ہوتا کہ فضائل سے متعلق آیتوں کو ذہن نشین کرلوں اور مصائب سے متعلق مستند روایتوں کو ذہن میں محفوظ رکھوں ۔''

زہرا بیگم ڈاکٹر ذکیہ سلطانہ کی مجالس سے بہت متاثر ہیں ۔ان کا انداز مخاطبت انہیں پسند ہے ۔اس کے علاوہ مولانا عبدالحکیم صاحب کی مجالس کی وہ دلدادہ ہیں ۔ کہتی ہیں ۔'' ان کی دس مجالس میں نے سنی اور باقاعدہ رجسٹر میں نوٹ کیا اور ان مجالس میں پڑھی ہوئی آیتوں پر میں نے اپنے انداز میں مجالس تیار کیں اور حتی الامکان اس سے استفادہ کیا۔''

آخر میں کہتی ہیں

''بس مجالس میں پڑھنے کا شرف ملا ۔ لیکن بڑی دلچسپی اور محنت سے پڑھیں ۔ اور مجالس تیار کیں ۔ لہٰذا خاندان میں کوئی نئی مجلس ہوتی اور اسی وقت مجھ سے پڑھنے کی فرمائش کی جاتی تو میں معذرت چاہتی ۔ یہی سبب ہے کہ میں نے کبھی اپنے آپ کو ذاکرہ نہ سمجھا ۔ لیکن یہ کہ محدود پیمانے پر ذکر حسینؑ کرنے کا شرف تو مجھے حاصل رہا ۔''

سلیمہ بیگم

سلیمہ بیگم نام' والد کا نام سید علی محمد زیدی المعروف بہ جانی میاں صاحب قبلہ۔ شوہر کا نام سید محمد عباس رضوی تھا۔ سلیمہ بیگم ۱۹۲۱ء میں حیدرآباد کے ایک مولوی گھرانے میں پیدا ہوئیں ان کے بھائی مولوی اقبال علی زیدی بھی ذاکر حسین تھے۔ گھر کے ماحول نے انہیں بھی ذاکری کی طرف مائل کیا۔ چنانچہ ایک عرصہ تک زنانی مجالس میں ذاکری کرتی تھیں۔ مرثیہ خوانی البتہ خاندان کے گھروں تک محدود تھی۔ سلیمہ بیگم کی اصل خدمات انجمن برکات عزا سے متعلق ہیں۔

انجمن برکات عزا ابتدا میں صرف مردانی تھی۔ مولانا اختر زیدی صاحب کے بڑے ماموں سید مہدی حسین رضوی نے ۱۳۴۰ھ میں قائم کی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد انجمن بند ہوگئی تھی۔ ۱۳۵۱ھ میں مولوی اقبال علی زیدی نے دوبارہ قائم کی اس کے اراکین معصوم علی حیدر علی صفا' محمد تقی' رضا حسین نقشی اور چراغ علی صاحب تھے۔ اقبال علی زیدی نے اس انجمن کا ایک شعبہ خواتین کا قائم کیا جو بالکلیہ خواتین کے لئے تھا۔ اس کی انچارج سلیمہ بیگم کو بنایا گیا۔ اور اراکین میں کاظم النساء بیگم' وزیر النساء بیگم' خدیجہ بیگم' رقیہ بیگم' کنیز حسن بیگم' طیبہ بیگم اور زہرا بیگم شامل تھیں۔ اور ایک مرد رکن کی حیثیت سے چراغ علی صاحب تھے۔ ۱۳۶۱ھ سے کچھ پہلے اقبال علی زیدی نے لطیف النساء بیگم کو بانیان میں شامل کر کے انہیں صدر انجمن بنایا۔ اور اس طرح یہ انجمن Independent ہوگئی۔ اور یادگار کے طور پر ''مرکزی انجمن نسواں برکات عزا'' نام رکھا گیا۔ انجمن کے اغراض و مقاصد میں زنانی مجالس میں نظم و ضبط قائم رکھنا' یعنی شرکائے مجلس کو دوران مجلس خاموش رہنے کی تاکید کرنا' آپس میں بات چیت کرنے سے منع کرنا اور آداب مجلس کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کرنا شامل تھے۔ اس کے علاوہ شرکائے مجلس کے نعلین کی حفاظت کرنا' تبرک کی تقسیم میں بانی' مجلس کی مدد کرنا' بھیڑ بھاڑ پر قابو رکھنا اور سیاہ لباس پہننے کی تاکید کرنا بھی شامل ہے۔

ابتداء میں مردانی انجمن سے مالی امداد لے کر اور کچھ خواتین سے چندہ جمع کر کے مجلسوں کے انتظامات کرنے کے لئے جاتے تھے۔ خواتین کا بیاج Badge ہوتا تھا۔ سیاہ کپڑے پر سفید دھاگے سے ''انجمن برکات عزا'' کاڑھا ہوا ہوتا تھا۔ انجمن کے تمام اراکین بیاج لگاتے تھے۔ خواتین کی ایک انتظامی کمیٹی تھی جس کا ذکر اوپر آ گیا ہے۔ مگر خازن ابتدا میں مہدی حسین صاحب کے بڑے بھائی حیدر حسین صاحب

تھے۔ بعد میں لطیف النساء بیگم کے زمانے میں مولانا اختر زیدی صاحب۔ بھی اس کمیٹی کے رکن رہ چکے ہیں ۔۱۳۶۱ھ میں زنانی انجمن کی ایک عمارت عاشور خانہ تعمیر کرنے کا خیال ہوا۔ اس دور سے لطیف النساء بیگم کا زیادہ حصہ رہا۔ ابتداء سے لے کر سلیمہ بیگم ۳۵ سال تک اس انجمن کی معتمد رہیں۔ عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں لطیف النساء بیگم اور دیگر خواتین کے ساتھ چندہ جمع کرنے میں بھی انہوں نے بہت زیادہ حصہ لیا۔ اس کے بعد یادگار کی عمارت بن گئی تو انہیں وہاں کا منتظم بنادیا گیا اور وہ وہیں رہنے بھی لگیں۔ انتقال سے دو سال پہلے ۱۹۸۹ء میں شدید علیل ہوگئیں۔ اور مولانا اختر زیدی کے گھر میں آگئیں۔ اور یہیں انتقال کیا۔ سلیمہ بیگم لاولد تھیں۔ اپنے بھائی کے بڑے فرزند مولانا سید اختر زیدی کی اپنی اولاد کی طرح پرورش کی تھی۔ [1]

سراج فاطمہ

سراج فاطمہ نام۔ والد کا نام مولوی سجاد نواز خاں۔ ۱۹۷۹ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کی سراج فاطمہ کے والد اور والدہ نے اپنی پوری زندگی عبادت الٰہی اور خدمت آل محمد میں گزاری۔ ان کے خاندان میں علماء و ذاکرین کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ علامہ رشید ترابی سراج فاطمہ کے والد کے چچازاد بھائی تھے۔ چھ سال کی عمر سے سراج فاطمہ غور سے مجلس سنتیں اور اسی زمانے سے انہیں خود مجلس پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ کچھ خاندان کی بزرگ ہستیوں کا اثر اور کچھ گھر کے ماحول سے ان کا شوق ذاکری دن بہ دن بڑھتا ہی گیا۔ آخر کار ایک دن انہوں نے طے ہی کرلیا کہ آج مجلس ضرور پڑھوں گی صبح نو بجے کا وقت تھا۔ گیارہ بجے کی مجلس میں خطاب کی کوشش کررہی تھیں تو ان کے بڑے بھائی علی جواد خان نے ان کے بے پناہ شوق کو دیکھتے ہوئے ایک مختصر سی مجلس لکھ کر ان کے حوالے کی۔ سراج فاطمہ نے بہت کم وقت میں اس مجلس کو یاد کیا اور ۱۲ رصفر گیارہ بجے دن ''یادگار حسینی'' کی مجلس میں اپنی پہلی مجلس بڑے ہی اعتماد کے ساتھ پڑھی۔ علی جواد خاں نے علامہ رشید ترابی کی پاکستان ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی مجلسیں جمع کیں اسکے علاوہ علامہ کی مطبوعہ مجالس بھی حاصل کیں۔ سراج فاطمہ کے لئے علی جواد خاں موضوعات کا انتخاب کر کے مجلسیں تیار کرتے ہیں اور ان کی بڑی بہن ملکہ فاطمہ خوش خطی میں انہیں لکھتی ہیں

---

[1] یہ ساری معلومات مولانا سید اختر زیدی صاحب قبلہ سے حاصل ہوئیں۔

اس طرح سراج فاطمہ کی ذاکری کے سلسلہ میں ان بھائی اور بہن کا انہیں تعاون حاصل ہے۔ سراج فاطمہ نے اب تک تقریباً پانچ ہزار مجلسیں پڑھی ہیں۔

سراج فاطمہ سے ہماری گفتگو کا کچھ حصہ ہے

''میری پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ مختصر سے وقت میں تفسیر اسلام کا ایک ایک اہم پیغام قوم کو دیا جاتا رہے تاکہ ایسے نفوس محفوظ ہوتے جائیں جو آنے والی نسلوں کے لئے معیار ہدایت ثابت ہوں۔ نور اول رسول اکرمؐ حدیث میں فرماتے ہیں کہ ہماری حدیثوں کو قرآن سے مشابہ کرواور اسے لے لو میں مصدقہ روایتوں کا قرآن کی روشنی میں جائزہ لیتے ہوئے کبھی نماز پر' کبھی طہارت' کبھی حج و زکوٰۃ و تقویٰ پر کبھی محمد و آل محمد کے فضائل پڑھتی ہوں۔ کبھی سورۂ حمد پر گفتگو کرتی ہوں۔ کبھی سورۂ انا انزلنا' کبھی سورۂ کوثر' کبھی سورۂ ہل اتیٰ پر کبھی سورۂ جمعہ کبھی صراط مستقیم یا کبھی خلق عظیم' کبھی دعا' کبھی احترام رسالتؐ کبھی وفائے عباسؑ' کبھی باغ فدک' کبھی تسکین کائنات محمدؐ' کبھی ایمان حضرت ابو طالب اور شیعیت کیا ہے' ایسے ہی انگنت عنوانات کے تحت میں نے خطاب کیا ہے۔ ان مجالس میں ہم اللہ کی وحدانیت' محمد و آل محمد کی عظمتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ قرآن کی روشنی میں اہلبیت کی عظمتیں بیان کرتی ہوں۔ ان مجلسوں کے ذریعہ میں دین اسلام کا پیغام عالم انسانیت کو پہنچانے کی کوشش کرتی ہوں ہماری یہ مجلسیں درس گاہیں ہیں۔

ایک بار محرم کے زمانے میں میں نے ایک خواب دیکھا۔ میں ایک خط تحریر کر رہی ہوں۔ خط کی عبارت یہ ہے۔ کہ یہ خط بنام قاسم ابن حسن مدینہ منورہ محلہ بنی ہاشم اسلام علیکم ہم سب یہاں پر خیریت سے رہ کر آپ کی نیک خیریت چاہتے ہیں۔ بہت دنوں کی مصروفیت کی وجہ سے خط تحریر نہ کر سکی۔ اب لکھ رہی ہوں۔ خط کا مضمون یہ تھا ارے یہ خط تو مدینہ منورہ جارہا ہے۔ قاسم ابن حسن تو کربلا میں ہیں۔ مگر میرے چوتھے امام زین العابدین اس خط کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔ خواب آگے چلا۔ امام زین العابدین میں آپ کی خدمت میں چند نام تحریر کر رہی ہوں۔ آپ فرمایئے یہ نام آپ کے دوستوں کے ہیں یا دشمنوں کے ہیں (جو میں نے تحریر کئے ہیں وہ نام یہ ہیں) کمیل ابن زیاد نقوی' عبداللہ ابن وائل اور شداد ابن ارخم لکھ کر یہ خط میں نے اپنی روح کے حوالے کیا۔ روح اس خط کو لے کر مدینہ منورہ چلی اور محلہ بنی ہاشم میں پہنچی۔ جب روح نے دروازے پر دخل الباب کرنا چاہا تو دیکھا کہ سامنے سے چوتھے امام سید سجاد امام زین العابدین

تشریف لا رہے ہیں۔ میری روح نے خط امام کے حوالے کیا۔ امام نے مسکرا کر خط لیا اور فرمایا کہ جواب دیتا ہوں۔ پھر امام بیت الشرف میں تشریف لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ صحن خانہ میں کسی حجرے سے ایک بی بی کی آواز آئی کہ یہ خط کس کا ہے۔ جواب میں امام زین العابدینؑ نے فرمایا یہ خط سراج کا ہے۔ اس طرح گفتگو کر رہے تھے کہ کسی اپنے نے خط تحریر کیا۔ پھر امام نے خط کا جواب مرحمت فرمایا۔ اور کہا کہ یہ خط سراج کے حوالے کیا جائے۔ پھر میری ہی روح اس خط کو لے کر مدینہ منورہ سے واپس آئی اس وقت میں (سراج) یہاں خواب غفلت میں تھی۔ میری ہی روح نے خط میرے حوالے کیا خط کا مضمون یہ تھا۔ یہ خط بنام سراج فاطمہ۔ ہم یہاں خیریت سے ہیں جو نام تم نے تحریر کئے وہ ہمارے دوستوں کے نام ہیں۔ جو مختار کے ساتھ شریک جنگ رہے ہیں۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے مختار نامہ کھول کر پڑھا تو اس میں یہ نام موجود ہیں۔ اس طرح امام تصدیق فرمائی''۔

سراج فاطمہ

نام سراج فاطمہ۔ سید ولایت حسین کی بیٹی ہیں۔ سراج فاطمہ ۱۴ر جولائی ۱۹۵۰ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ پی۔ یو۔ سی (انٹر میڈیٹ) تک تعلیم حاصل کی اور ٹیچرس ٹریننگ بھی کی پیشہ تدریس سے وابستہ ہیں۔ ان کے شوہر میر حرمت علی ہیں۔ سراج فاطمہ کی والدہ امتہ الزہرا بیگم اور ان کی نانی اہلیہ وہاب صاحب بھی ذاکرہ تھیں۔ سراج فاطمہ نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد ۱۹۷۳ء میں محرم میں اپنے ہی گھر کی مجلس سے اپنی ذاکری کی ابتداء کی اپنی والدہ ہی کی طرح مختصراً پڑھتی ہیں لیکن منبر اور کرسی پر بیٹھ کر پڑھتی ہیں۔

نذرانہ مقرر تو نہیں تاہم اگر کوئی نہ دے تو اصرار بھی نہیں کرتیں۔

سکینہ خانم

سکینہ خانم نام' محمد عون آفندی (مرحوم) کی صاحبزادی اور میر احمد علی (صدر انجمن پروانہ شبیر) کی اہلیہ ہیں۔

سکینہ خانم ۴ ر جون ۱۹۳۵ء کو حیدر آباد میں پیدا ہوئیں ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی ۔ اسکول میں دسویں جماعت تک (میٹرک) تعلیم حاصل کی ۔ ان کے دادا محمد جعفر آفندی نے ایک ماتمی گروہ ''گروہ ابوالفضل العباس'' قائم کی گھر میں مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی کی صداؤں کے بیچ ان کے مذہبی شوق نے انہیں ذاکری کی طرف مائل کیا اور دس سال کی عمر میں محرم ۱۹۴۵ء اپنے مکان میں پہلی مجلس پڑھی ۔ حیدر آباد کے علاوہ ممبئی 'مدراس' میں بھی انہیں ذاکری کرنے کا موقع ملا ہے ۔ سکینہ خانم کی والدہ 'عابدہ بیگم نے ۱۹۴۰ء میں زنانی ماتمی گروہ ''گروہ زینب'' قائم کی اس گروہ میں یہ بھی شامل تھیں اور اکثر مقامات پر گروہ کے ساتھ ہی ذاکری کا بھی موقع ملا ہے ۔ والدہ کی علالت کے زمانے میں ۱۹۶۰ء سے دو سال تک گروہ کی صدارت بھی کی ۔ تاہم اب ان کی بہن آمنہ خانم اس گروہ کی صدر ہیں ۔

سکینہ خانم اپنی ذاکری کے لئے مصائب سید الشہدا اور واقعات کربلا ہی کو موضوع بناتی ہیں ۔ تاکہ آل مجلس حاصل ہو جائے اور خوشنودی جناب سیّدہ حاصل ہو جائے ۔ ذاکری کے علاوہ سکینہ خانم نوحہ خوانی بھی کرتی ہیں ۔

آج کے دور میں ذاکری کرنے والی خواتین میں عشرت فاطمہ کے انداز بیان کو بہت پسند کرتی ہیں ۔

شمیم فاطمہ

شمیم فاطمہ نام ۔ والد کا نام سید علی احمد موسوی ۔ شوہر کا نام آغا اظہر علی ۔ شمیم فاطمہ ستمبر ۱۹۴۷ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں ۔ شمیم کی والدہ ذکیہ سلطانہ سید آغا صاحب قبلہ کی اہلیہ شہزادی بیگم کی سگی بھانجی ہیں ۔ اس طرح شمیم کا تعلق اس عالم گھرانے سے بھی رہا ۔ ان کے بھائی عباس موسوی بھی اچھے ذاکر ہیں ۔

شمیم نے ذاکری کا آغاز پانچ سال کی عمر میں اپنے گھر کی مجلس سے کیا ۔ ان کے بھائی عباس موسوی نے ان کی پہلی مجلس کا خطبہ لکھ کر دیا اور والدہ نے مجلس پڑھنا سکھایا ۔ یوں بچپن سے اپنے گھر کے علاوہ دادی اور پھوپی کے یہاں بھی مجلسیں پڑھنے لگیں ۔ شمیم نے دس برس کی عمر میں کوہ مولا علی پر بھی مجلس پڑھی تھی ۔

شادی کے بعد کچھ عرصہ تک ذاکری کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ لیکن مرثیہ اور نوحہ خوانی جاری رہی شمیم نے ۱۹۷۸ء میں دوبارہ اپنے گھر کی شام غریباں کی مجلس پڑھی۔ اور پھر سے یہ سلسلۂ ذاکری شروع ہو گیا۔ لطیف النساء بیگم کے انتقال کے بعد اپنے گھر کی ۱۴ر صفر کی مجلس بھی پڑھنے لگیں۔ اس مجلس کی تیاری کے لئے انہوں نے اپنے ماموں باقر آغا صاحب سے مشورہ کیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ خود کتابیں پڑھ کر مجلسیں تیار کرنے لگیں۔

گھر اور خاندان کی مجلسوں کے علاوہ دوسروں کے یہاں مجلس پڑھنے کا سلسلہ اس طرح شروع ہوا کنگ کوٹھی میں زاہدہ بیگم کے یہاں ۱۸ر صفر کو زنانی مجلس ہوتی ہے۔ بانی مجلس ذاکرہ کے انتظار میں مسلسل یکے بعد دیگرے مرثیے پڑھوانے لگیں۔ شمیم فاطمہ سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے بانی مجلس سے کہہ کر خود حدیث پڑھی۔ اس طرح ان کی حدیث خوانی کے بعد نوحہ پڑھے گئے اور مجلس تمام ہوئی۔ شمیم کہتی ہیں کہ خاندان سے باہر یہ پہلی مجلس انہوں نے پورے اعتماد کے ساتھ پڑھی اور بہت پسند کی گئی۔ جب ان کے شوہر کو اس بات کا علم ہوا تو انہیں تعجب کے ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ اور پھر انہوں نے شمیم کی ہمت افزائی کی۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء تک ذاکری کا سلسلہ جاری رہا۔ شمیم نے حیدرآباد کے علاوہ بنگلور میں ارشد علی خاں کی بیٹی کے یہاں پانچ مجلسیں پڑھیں۔ اور کیلی فورنیا میں بھی انہیں ذاکری کا موقع ملا۔

۱۹۹۵ء سے ناسازی مزاج کے باعث مجلسوں کی کثرت نہیں رہی۔ اب روزآنہ صرف چار مجلسیں پڑھ لیتی ہیں۔ شمیم کی والدہ کی خواہش کی تھی کہ وہ لطیف النساء بیگم کے انداز میں ذاکری کریں۔ لیکن یہ ممکن نہ ہو سکا۔ شمیم ابتداء میں نذرانہ نہیں لیتی تھیں۔ لیکن بانی مجلس کے بے حد اصرار پر نذرانہ قبول کر لیتی ہیں۔ کسی جگہ وہ نذرانہ نہیں لیں تو کرایہ آمد و رفت کے نام پر اتنا زیادہ دیتے ہیں کہ انہیں شرمندگی محسوس ہوتی ہے۔ کنگ کوٹھی اور حیدرگوڑہ وغیرہ سے انہیں سواری بھیج کر مجلس پڑھنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔
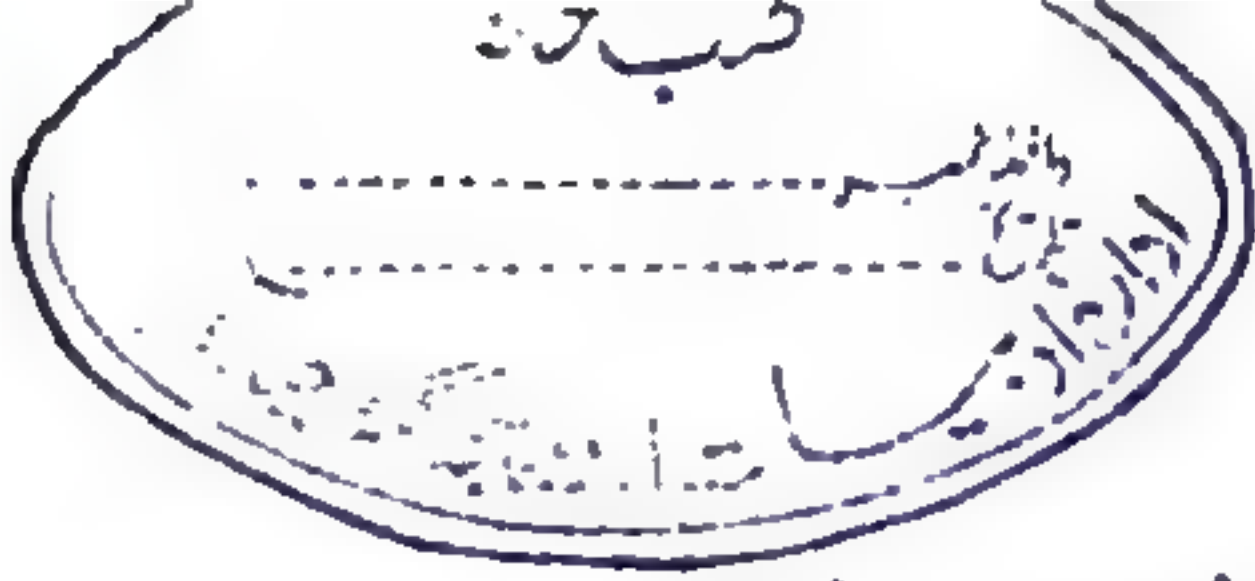
صغرا صادق

سیدہ صغرا بیگم نام' والد کا نام آغا سید عزیز اللہ شوستری خطاب اختر جنگ بہادر۔ شوہر کا نام سید صادق۔ صغرا بیگم کی والدہ آمنہ بیگم کم عمری میں اپنے والدین کے ساتھ ایران سے حیدرآباد آ گئی تھیں۔ صغرا بیگم ۱۹۱۷ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ گرلز ہائی اسکول نامپلی سے میٹرک کامیاب کیا اور انٹرمیڈیٹ کے بعد پہلے نرسنگ کی ٹریننگ لیں۔ انہیں یونانی علم طب سے دلچسپی تھی۔ چنانچہ ان ہی کی کوششوں سے یونانی دواخانے کے شعبہ تدریس میں خواتین کو بھی داخلہ دیا جانے لگا۔ خواتین کے پہلے بیاچ میں داخلہ لے کر انہوں نے B.U.M.S. ڈگری کا امتحان درجہ اول میں کامیاب کیا۔ بچپن سے انہیں ذاکری کا شوق تھا۔ اس سلسلہ میں ان کے والد نے ان کی ہمت افزائی کی وہ احادیث کی مختلف کتابیں بھی فراہم کرتے تھے۔ صغرا بیگم نے شادی سے پہلے سولہ یا سترہ سال کی عمر سے ذاکری کی ابتداء خاندان کے مجلسوں سے کی۔ رفتہ رفتہ شوق بڑھتا گیا مطالعہ بھی وسیع ہو گیا۔ ہر مجلس خود ہی کتابیں پڑھ کر تیار کرتیں۔ کہ کہیں کوئی غلط بیان نہ ہو جائے۔ صحیح روایت منتخب کر کے بیان کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ شادی کے بعد بھی ذاکری کا سلسلہ جاری رہا۔ سسر اور شوہر دونوں ذاکر تھے۔ اس لئے دونوں کا تعاون اور ہمت افزائی بھی حاصل تھی۔ صغرا بیگم کی مجالس سبق آموز ہوتی تھیں۔ ان کی مجلسوں میں نوجوان نسل کے لئے کوئی نہ کوئی پیغام ضرور ہوتا تھا۔ عام طور پر وہ سخت مصائب بیان کرنے سے گریز کرتی تھیں۔ احترام مجلس ملحوظ رکھتی تھیں۔ حیدرآباد کی بے شمار مجلسوں کو انہوں نے مخاطب کیا۔ امیر غریب چھوٹے بڑے' ہر ایک کے یہاں یہ مجلس پڑھنے چلی جاتی تھیں۔ طبیبہ کی حیثیت سے ملازم سرکار تھیں۔ لیکن ذاکری پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ جتنا فارغ وقت ملتا تھا وہ مجلیس پڑھنے میں معروف ہو جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ گھر میں محرم کا خاص اہتمام کرتی تھیں۔ مراسم عزاداری کی خود پابند تھیں اور اپنی اولاد کو بھی عمل پیرا ہونے کی سختی سے تاکید کرتی تھیں۔ صغرا بیگم شہزادی سکینہ کی مجلسیں زیادہ پڑھتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں" میں جب منبر پر بیٹھتی ہوں تو خیالات خود بخود آنے لگتے ہیں۔ شہزادی کی تائید میرے ساتھ ہوتی ہے۔" وہ نہایت خوش عقیدہ تھیں۔ پیشہ طب سے وابستہ ہونے کے باوجود طہارت و پاکیزگی کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ الاوہ سرطوق میں بعد مغرب اربعین کی مجلس ہوتی ہے۔ اس مجلس کو وہی مخاطب کرتی تھیں۔ اور ایسا بیان کرتیں لگتا کہ در و دیوار سے رونے کی آواز یں

بلند ہونے لگی ہیں۔ صغرا بیگم حدیث خوانی کا کوئی نذرانہ نہیں لیتی تھیں۔ ایک دن میں بعض وقت دو تا چار مجالس بھی پڑھ لیتی تھیں ایک مجلس بنجارہ ہلز میں اور دوسری پرانے شہر میں بھی ہو تو یہ پڑھنے سے انکار نہیں کرتی تھیں۔

ایرانی النسل ہونے کی وجہ سے انہیں فارسی زبان پر عبور حاصل تھا۔ گھر میں والدین فارسی میں بھی گفتگو کرتے تھے۔ اس لئے فارسی زبان ان کے لئے اجنبی نہیں تھی۔ ذاکری کے علاوہ یہ فارسی میں نوحے بھی پڑھتی تھیں۔ ان کی بڑی بہن شرف النساء المعروف بڑی بی جانی منور النساء بیگم المعروف منجھلی بی جانی، خدیجہ بیگم المعروف سنجلی بی جانی تھیں اپنی ان تمام بہنوں کے ساتھ یہ فارسی میں نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ ان کے سات لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ لیکن کسی کو بھی ذاکری یا مرثیہ و نوحہ خوانی سے دلچسپی نہیں ہے۔ صغرا صادق کا ۱۹۸۵ء میں ایر انڈیا جہاز کے حادثہ میں انتقال ہوا۔ جس میں (۳۸۰) چار سو اسی مسافرین اور جہاز کا عملہ بھی ختم ہو گیا تھا۔ انتقال کے بعد دوسرے دن ایک صاحبہ نے خواب دیکھا کہ حادثہ کے بعد دو ملائکہ صغرا صادق جسم کو اٹھائے ہوئے آسمان کی طرف اڑ رہے ہیں۔ ہمارے عقیدے کے مطابق ان کی روح آسمان کی طرف پرواز کر کے شہزادی کونین کی خدمت میں پہنچ گئی۔ ان کی میت بسیار تلاش کے بعد ملی۔ اور انہیں دفن کیا گیا۔ [1]

صغرا جہاں

صغرا جہاں نام ہے میر فیاض علی خاں کی بیٹی ہیں۔ ۲ر نومبر ۱۹۶۰ء کو دامن کوہ مولا علی حیدرآباد میں پیدا ہوئیں میٹرک تک تعلیم حاصل کی ہے۔ اور پیشہ تجارت سے وابستہ ہیں۔ صغرا جہاں نے ۵ سال کی عمر سے ذاکری کی ابتدا کی سب سے پہلی مجلس بارگاہ حضرت عباسؑ نیم باؤزہ کوہ مولا علی میں پڑھی۔

ان کے خاندان میں مولوی یاور علی خاں (مرحوم) ذاکر گذرے ہیں۔ صغرا جہاں ؔخاکپائے ثانی زہرا نفیس النساء ذاکرہ کے انداز بیان سے بہت متاثر ہیں۔ حیدرآباد کے علاوہ کرنول اور بیگن پلی میں بھی انہیں مجلسیں پڑھنے کا موقع ملا ہے۔

---

[1] یہ ساری معلومات مرحومہ کے فرزند کلاں سید اصغر ہادی صادق سے حاصل ہوئیں۔

صغرا فاطمہ

صغرا فاطمہ نام' والد کا نام آغا سید عزیز اللہ۔ ۱۹۸۴ میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ اور B.Com کے پہلے سال میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ انہوں نے گیارہ سال کی عمر سے ذاکری شروع کی۔ سب سے پہلی سالانہ مجلس جناب سکینہ کے حال میں اپنے گھر میں پڑھی۔ صغرا فاطمہ کے خاندان میں آغا سید ابراہیم الجزائیری اور ماموں زاد بھائی میر مرتضیٰ علی خاں ذاکر اہلبیت ہیں۔ انہوں نے سید کرار حسین صاحب قبلہ (امام جماعت مسجد الغدیر) سے ذاکری کی تعلیم حاصل کی۔ صغرا فاطمہ ذاکرہ انیس فاطمہ سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ حیدر آباد سے باہر انہیں مجلس پڑھنے کا موقع نہیں ملا۔ عام طور پر وہ قلعہ گولکنڈہ' بنجارہ ہلز' بیگم پیٹ' راجندر نگر اور لنگر حوض' میں مجالس پڑھتی ہیں۔ صغرا فاطمہ روایتی انداز سے ہٹ کر مجلس پڑھتی ہیں۔ ان کی ذاکری کا مقصد اصلاحی ہے۔ وہ نماز کی اہمیت اور پابندی کا ذکر برابر اپنی مجلسوں میں کرتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ غیبت اور اسی طرح کے موضوعات بھی مجلس میں بیان کرتی ہیں۔ وہ آج کی ماحول کی مناسبت سے موضوع کا انتخاب کرتی ہیں۔ تاکہ اصلاح کے ساتھ مجلس کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔

سیدہ طاہرہ رضوی

نام سیدہ طاہرہ رضوی۔ تخلص رضوی۔ والد کا نام سید اقبال مہدی اور شوہر کا نام محمد مظہر علی ۱۹۵۱ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کی۔ سولہ سال کی عمر سے ذاکری کر رہی ہیں اور پہلی مجلس انہوں نے اپنے گھر ہی میں پڑھی تھی۔ اسی سال سے وہ ''یادگار حسینی'' میں بھی مجلس پڑھنے لگیں۔ علامہ عرفان عابدی کی مجلس انہیں بے حد پسند ہیں۔

ذاکری کی ابتداء کا ذکر کرتے ہوئے وہ اپنا ایک خواب بیان کرتی ہیں کہ وہ پنجہ شاہ ولایت میں اس باہری حصہ میں جہاں تختیاں زنجیر میں لگیں (وہاں پہلے دالیز تھی) کھڑی حاجت طلب کر رہی ہیں۔ شہ نشین سے متصل دالان میں مولائے کائنات امیر المومنین اور خاتون جنت تشریف فرما ہیں۔ بی بی نے آگے چلی

رکھی ہے۔ سوپ میں اناج ہے۔ ان کے مانگنے پر بی بی نے اپنے مبارک ہاتھوں سے چکی پر اناج پیس کر بہت سا آٹا عنایت فرمایا۔ خواب ہی میں یہ خوشی خوشی گھر آئیں اور اس آٹے کو سنبھال کر اونچے مقام پر رکھ دیا کہ ضرورت کے وقت نکال کر استعمال کریں گے۔ اتنے میں صبح کی اذاں ہوئی اور یہ جاگ پڑیں۔ انہوں نے والدہ سے اپنا خواب بیان کیا۔ والدہ نے کہا کہ تمہیں بشارہ ہوا ہے تم مجلسیں پڑھنا شروع کرو۔ یہ رزق علم ہے اور تمہاری اپنی روزی بھی۔ چنانچہ اسی سال حضرت سکینہ کی مجلس سے ذاکری کی ابتدا کی۔

حیدرآباد کے علاوہ بارہ سال تک مسلسل انہوں نے ممبئی میں خوجہ کیونٹی میں مجلسیں پڑھیں ان میں سالانہ مجلسوں کے علاوہ عشرے بھی شامل تھے۔ ہندوستان سے باہر مسقط، افریقہ، دوبئی اور لندن میں بھی مجالس پڑھیں۔ اکیس سال تک حیدرآباد سے باہر مجلسیں پڑھتی رہیں۔ اب حیدرآباد واپس آگئی ہیں اور یہاں پھر سے مجلسیں پڑھنا شروع کردیا ہے۔ اکیس سال تک باہر رہنے سے مومنات کے ذہنوں سے شاید محو ہوگئی تھیں۔ گزشتہ سال سے پھر پہلے کی طرح مجلسوں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

مجالس کی تیاری اور مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں یہ علامہ مجلسی کی تصانیف سے زیادہ استفادہ کرتی ہیں۔ عرصہ تک یہ خوجہ کیونٹی کی دعوت پر ممبئی اور مہاراشٹرا کے دوسرے مقامات پر عشرے پڑھتی رہی ہیں۔ اس لئے فصیح و بلیغ زبان کے بجائے سادہ اور عام فہم زبان میں مجلسیں پڑھتی ہیں۔

ڈاکٹر طلعت جہاں

طلعت جہاں نام۔ والد کا نام آغا اکبر حسین افسر۔ شوہر کا نام سید علی محمد حسین عابدی صفدر طلعت ۱۹۶۵ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عثمانیہ یونیورسٹی سے اردو میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اس کے علاوہ تاریخ سے بھی انہوں نے ایم اے پاس کیا ان دنوں ڈگری کالج میں بہ حیثیت لکچرار ملازم ہیں۔ طلعت نے پندرہ سال کی عمر سے ذاکری شروع کی۔ ان کے چچا ڈاکٹر صادق نقوی ذاکر اہلبیت اور پھوپھی زاد بہن طاہرہ رضوی ذاکرہ ہیں۔ طلعت جہاں ذاکر صادق نقوی اور ڈاکٹر ذکیہ سلطانہ سے بہت متاثر ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلی مجلس اپنے چچا آغا مصطفیٰ حسن کے گھر

میں پڑھی۔ طلعت جہاں نے ممبئی میں ''خاتون جنت محفل'' میں محرم کا پہلا عشرہ پڑھا۔ حیدرآباد میں درگاہ ''پنجہ شاہ ولایت'' اور ''یادگار حسینی'' میں بے شمار مجلسیں پڑھیں۔ اپنی مجالس کی مقبولیت کے بارے میں وہ اس طرح کہتی ہیں۔

''ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ بارگاہ چہاردہ معصومین میں ہماری مجالس مقبول ہوتی ہیں۔ جس کا ثبوت اولاد کی شکل میں ہماری خواہش کو پورا کیا جاتا ہے۔ ہمارا ایک خواب ۱۹۹۲ء میں جو دیکھا گیا کچھ اس طرح ہے۔ ہم نے دیکھا کہ بارگاہ پنجہ شاہ ولایت میں مجلس کا اہتمام ہوا ہے۔ چند خواتین جمع ہیں۔ ہم داخل بارگاہ ہوئے۔ دیکھا کہ ایک قبلہ انتہائی خوب صورت ہیں جن کی خوبصورتی کا اظہار نا ممکن ہے۔ تشریف فرما ہیں' جو کالا عمامہ' کالی عبا زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ بڑی بڑی آنکھیں' خوبصورت ابرو' ستواں ناک' چہرہ سے جاہ وجلال ٹپک رہا ہے۔ جب ہم محفل میں داخل ہوئے تو انہیں دیکھتے ہی رہ گئے کہ ناگاہ کسی موصوف نے ہم کو اشارہ کیا اور کہا پڑھو۔ ہم تجسس میں تھے کہ انہوں نے ایک کتاب ہاتھ میں تھما دی۔ اور ہم نے وہ مرثیہ یا سلام جو کچھ تھا پڑھنا شروع کیا۔ مجمع پر رقت طاری ہوگئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کافی لوگ جمع ہیں۔ جب کہ چند لوگ نظر آرہے تھے۔ اچانک آنکھ کھلی اور ہم نے اس مرثیہ یا سلام کا مطلع جو یاد تھا فوراً ہی نوٹ کرلیا۔

مطلع ہے۔ فاطمہ کہتی تھی بیٹا میرے حسین حسین۔ ملا نہ پانی کا قطرہ میرے حسین حسین

اس خواب کو دیکھنے کے بعد ہم کو یقین ہوگیا کہ مولا نے ہم کو دوسرا بیٹا عطا کیا ہے۔''

عشرت فاطمہ

نام عشرت فاطمہ بادامی شوہر کا نام حسین علی بادامی ۱۹۶۶ء میں حیدرآباد (پاکستان) میں پیدا ہوئیں۔ وہیں سے انٹرمیڈیٹ کامیاب کیا اٹھارہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی۔ اور اپنے شوہر کے ساتھ حیدرآباد (ہندوستان) منتقل ہوگئیں۔ شادی سے پہلے پاکستان میں کوئی مجلس نہیں پڑھی۔ حیدرآباد میں انہوں نے مہدی حسین جعفری کے گھر میں پہلی مجلس پڑھی اس کے بعد سے آج تک ذاکری کا سلسلہ قائم ہے۔ خاندان

میں کوئی ذاکر یا ذاکرہ تو نہیں تھے مگر بچپن ہی سے علامہ رشید ترابی کی مجلسوں کو شوق سے سنتی تھیں۔ اور ان سے بے حد متاثر ہوئیں۔ حیدرآباد کے علاوہ ممبئی، بنگلور، بھاؤنگر (گجرات) اور افریقہ میں متعدد مجلسیں پڑھیں اپنے والدین سے ملنے پاکستان جانا ہوتا ہے تو وہاں بھی مجلسیں ضرور پڑھتی ہیں۔

عشرت فاطمہ کے دولڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ بڑی بیٹی ذاکری کرتی ہے۔ (اس کا تفصیلی ذکر علحدہ ہے) دوسری لڑکی نے بھی اس سال سے گھر کی مجلسوں کے علاوہ دوسری مجلسوں میں ذاکری شروع کی۔ بیت القائم کے حوضہ (مدرسہ ذاکر) میں درس لینے با قاعدگی سے جاتی ہے۔ جہاں اور بھی تیس (۳۰) چالیس (۴۰) لڑکیاں ذاکری کی با قاعدہ تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔

عشرت فاطمہ سے ہماری گفتگو کچھ اس طرح ہوئی

''ہمارے پاس قرآن مجید ایک ایسا ذریعہ ہے جس کی آیات کے حوالے سے ہم نوجوان نسل کو ایسی دلیلیں فراہم کر سکتے ہیں کہ وہ اپنی شیعیت کے عقیدہ کو وقت ضرورت ثابت کر سکیں۔ بغیر دلیل کے ہمارے پاس کوئی اقیدہ نہیں۔ اس لئے قرآنی آیات کے حوالے ضروری ہیں۔

آج کے دور میں تبلیغی مجلسیں ضروری ہیں۔ ہم کو بچوں اور نوجوانوں کے ذہنوں کی آلودگی دور کر کے نفس کو پاک کرنا اور ذہنوں کی تربیت آئمہ اطہار کی زندگی کے حوالوں سے کچھ اس انداز میں کرنا ہوگا کہ وہ آئمہ طاہرین کی محبت کو محسوس کریں۔ ان کی زندگی کو نمونہ بنا کر خود اس کی پابندی کرنے لگیں۔

مجلسوں کا بنیادی مقصد جسے جان مجلس بھی کہتے ہیں گریہ ہے اور اس کی بڑی اہمیت ہے مجالس علمی درس گاہیں اور نجات کا ذریعہ ہیں۔ احادیث میں گریہ کی بہت اہمیت بتائی گئی ہے۔ کوشش ہوتی ہے کہ فضائل سن کر محظوظ ہوں تو مصائب پر گریہ بھی کریں۔ ہمارے اعمال تو ہماری بخشائش کے قابل نہیں ہیں۔ ہمارا ایک آنسو بھی ہماری شفاعت کا باعث ہوتا ہے آج کی نوجوان نسل بہت باشعور ہے۔ مجلس پڑھتے وقت ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ آج کی نوجوان نسل ہر بات غور سے سنتی ہے کم سن بچے بھی سنتے ہیں سمجھتے ہیں اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو مجلس ختم ہونے کے بعد آ کر پوچھتے ہیں تو ان کی دلچسپی کا لحاظ کرتے ہوئے آسان لفظوں اور عام فہم انداز میں مجلس پڑھنے سے ہر عمر کے لوگ مجلس سے مستفید ہوں گے۔

مطالعہ کی عادت مجھے شروع ہی سے ہے۔ چنانچہ میں مجلسوں کی تیاری کے لئے زیادہ سے زیادہ

کتابوں کا مطالعہ کرتی ہوں۔اکثر کتابیں تو میں کراچی سے لاتی ہوں۔بعض کتابیں میرے سسر بھی میرے
لئے لے آتے ہیں۔بنگلور میں میرے ایک ماموں رہتے ہیں ان کے پاس کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔
جب بھی حیدرآباد آتے ہیں وہ اپنے ساتھ کتابیں ضرور لاتے ہیں۔بعض نئی کتابوں کے حوالے بھی دیتے
ہیں۔اور مجالس کی تیاری کے سلسلے میں بنیادی چیزیں ضرور بتاتے ہیں۔اکثر قرآنی آیات سے بھی مجلس کی
تیاری کرتی ہوں۔یعنی کتابوں کے مطالعہ سے اکھٹا کیا ہوا مواد قرآنی آیات سے Tally کرتی ہوں۔کبھی
ایک مجلس کے لئے کئی کتابوں سے حوالے لیتی ہوں۔بعض وقت ذہن میں یہ بھی نہیں رہتا کہ کیا پڑھنا ہے
۔لیکن اس کے باوجود مجلس کامیاب ہو جاتی ہے اس وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی پڑھوانے والا' کہلوانے
والا ہے جس کا اس مجلس سے تعلق ہے۔میں ایک گھریلو عورت ہوں گھر اور بچوں کی ذمہ داریوں کے ساتھ
ساتھ ایک دن میں بعض وقت ۷'۸ بلکہ دس مجلسیں بھی پڑھ لیتی ہوں تو اس وقت ایسا لگتا ہے کہ کوئی ہماری
مدد کر رہا ہے اور واقعی کوئی غیبی طاقت ہی ساتھ ہوتی ہے۔

نذر کے تعلق سے میرا کبھی بانی مجلس سے کوئی مطالبہ نہیں رہا۔مجالس کے معاملہ میں میں عقیدہ سے چلتی
ہوں۔البتہ بانی مجلس سے یہ ضرور کہہ دیتی ہوں کہ واپسی کے وقت فلاں جگہ کے لئے میری سواری منگوا کر
تیار رکھوا دیں۔کیونکہ مجھے دوسرے مقام پر مجلس پڑھنے جانا ہوتا ہے۔

عزاداری سید الشہدا برقرار رکھنے میں حیدرآباد کی خواتین کا اہم کردار ہے۔ایام عزا میں یہاں جس
کثرت کے ساتھ زنانی مجالس ہوتی ہیں اس کا شمار ممکن نہیں۔بڑے خلوص اور عقیدت کے ساتھ خواتین
مجلسوں کا اہتمام کرتی ہیں۔ عزاداری ہی وہ ذریعہ ہے جس کی برکت سے لوگ اپنے حقوق' احکام دین
اور عقاید سے آشنا ہوتے ہیں۔مجالس عزا کے انعقاد سے دین کو بقائے دوام حاصل ہے۔حیدرآباد میں جس
کثرت سے مجلسیں ہوتی ہیں شاید دنیا کے کسی حصہ میں نہیں ہوتیں۔یہ مجالس درس گاہ آل محمد ہیں۔یہ ہمارا
تشخص ہے۔یہ ہماری پہچان ہے۔یہ ہماری نجات و شفاعت کا ذریعہ ہیں۔اس کا احترام برقرار رکھنا ہمارا
فرض ہے ذمہ داری ہے۔

عذرا جعفری

عذرا جعفری، سید امیر حسن جعفری (مرحوم) کی بیٹی ہیں ان کی والدہ سیدہ جعفری کا تعلق عالم گھرانے سے ہے۔ مولانا سید آقا صاحب کا خاندان ذاکری کیلئے بہت مشہور ہے۔ عذرا جعفری ان کی نواسی ہیں۔

عذرا جعفری ۱۰ر فروری ۱۹۵۹ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ عذرا کو ذکر غم حسین کی دولت ورثہ میں ملی ہے اپنی ذاکری کی ابتداء ۱۰ سال کی عمر سے کی سب سے پہلی مجلس اپنے نانا سید آقا صاحب قبلہ کے گھر شریعت کدہ میں پڑھی۔ ابتدا میں خاندان ہی میں پڑھتی رہیں رفتہ رفتہ خاندان کے علاوہ دیگر خواہش مند گھروں میں بھی انہیں پڑھنے کا موقع ملا۔ عابد علی خوئی سے شادی کے بعد عذرا سعودی عرب چلی گئیں۔ وہ ایک خانہ دار خاتون ہیں۔ گھریلو مصروفیت کے بعد جو فاضل وقت رہتا ہے اس میں ان کا مشغلہ مذہبی کتب کا مطالعہ، سیرت آئمہ معصومین علیہم السلام کے بارے میں کتابیں پڑھنا اور دوسرے علماء و ذاکرین کی بیان کردہ مجلسوں کے کیسٹ سننا رہتا ہے۔

عذرا اپنے ماموں سید غلام حسین رضا آقا اور سید باقر آقا کے علاوہ مولانا مرزا محمد اشفاق صاحب لکھنوی، پروفیسر شعبۂ ڈگری کالج کے انداز بیان سے بہت متاثر ہیں۔

عذرا نے حیدرآباد کے علاوہ اپنے قیام کے دوران سعودی عرب میں دہران، دمام، جدہ میں حیدرآبادی گھرانوں میں مجلیس پڑھی ہیں۔ جب زیارت مقامات مقدسہ کیلئے گئیں تو وہاں عراق اور شام میں بھی مجالیس پڑھی ہیں۔

ویسے تو عذرا ہر امام کے فضائل و مصائب پڑھتی ہیں تاہم حضرت علیؑ کے فضائل اور حضرت عباسؑ کے مصائب ان کے بیان میں خصوصیت کے حامل ہوتے ہیں۔

کنیز زہرا

نام کنیز زہرا۔ والد کا نام سید ناصر حسین رضوی شوہر کا نام سید شمس الحسن رضوی ۱۰ر اکتوبر ۱۹۴۲ء میں

حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ بی ایس سی ایم ایڈ کامیاب ہیں۔ صدر معلمہ محکمہ تعلیمات سے وظیفہ یاب ہیں۔ کنیز زہرا کے خاندان میں کوئی ذاکر یا ذاکرہ نہیں تھیں۔ اس کے باوجود انہیں ذاکری کا شوق کم عمری سے تھا۔ وہ کہتی ہیں کہ علامہ رشید ترابی اور علامہ ذیشان حیدر جوادی سے وہ بہت متاثر تھیں۔ سب سے پہلی مجلس انہوں نے خود اپنے گھر میں پڑھی لیکن یہ نہیں بتلایا کہ کس عمر میں انہوں نے یہ مجلس پڑھی تھی۔ مجلیس پڑھنے کا یہ سلسلہ اتنا بڑھا کہ حیدرآباد کے علاوہ اورنگ آباد شکاگو اور ٹورنٹو میں بھی مجلسیں پڑھنے گئی ہیں۔

کنیز زہرا کی پھوپھی کنیز حیدر علیا ان کے بارے میں کہتی ہیں۔ ''میرے بڑے بھائی سید ناصر حسین رضوی مرحوم مذہب کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ گھر کی مجلسیں گھر کی عورتوں کو ہی پڑھنے کی تاکید کرتے تھے پیسے دے کے باہر کی کسی خاتون سے مرثیہ یا نوحے یا حدیث پڑھوانے کو بہت برا سمجھتے تھے۔ کہتے تھے کرائے کے ذاکرین کیا پڑھیں گے جتنی محنت سے تم پڑھوگی۔ یہ ان ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ ان کی بیٹی کنیز زہرا لعل کا آج حیدرآباد کی بڑی ذاکرات میں شمار ہوتا ہے'' آگے وہ کہتی ہیں'' ہمارے معاشرے کو سدھارنے کی بہت سخت ضرورت ہے۔ مولا کے فضائل اور آئمہ معصومین کے ارشادات کے ذیل میں لعل اصلاحی بیان کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں لعل کہتی ہیں میری مجلس میں کوئی ایک نکتہ بھی کسی کو سدھارنے کے کام آگیا تو سمجھئے میری بخشائش کا سامان ہوگیا۔ مولا کے فضائل میں صرف جنگ خندق اور جنگ بدر ہی نہیں ہیں۔ مولا نے ہمیں سدھارنے کے لئے کیا کام کیئے۔ کس طرح انہوں نے ہماری مشکل کشائی کی یہ بیان کرنے کی ضرورت ہے''۔

لطیف النساء بیگم

لطیف النساء بیگم نام' شوہر کا نام سید یوسف علی۔ ۱۹۰۳ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے غیر معمولی ذہین تھیں۔ حصول علم کا شوق دیکھ کر ان کے والد نے انہیں محبوبیہ گرلز اسکول میں داخل کروادیا۔ سینئر کیمبرج بھی پاس نہ کرنے پائیں کہ ان کی شادی سید یوسف علی سے کردی گئی جنھوں نے فلسفہ میں ایم اے کیا تھا اور سٹی کالج میں پڑھاتے تھے۔ سید یوسف علی نے بیوی کی ذہانت اور ذوق کو دیکھتے ہوئے

ان کو تعلیم جاری رکھنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ حوصلہ افزائی بھی کی۔ چنانچہ لطیف النساء بیگم نے شادی کے بعد اردو ادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ وہ ایک بہترین استاد تھیں۔ طالبات کے میگزین میں کئی ایک نظمیں اسکول کا ترانہ اور ڈرامے وغیرہ لکھتی رہتی تھیں۔ ان کی ایک تصنیف ''من کی بپتا'' ہے۔
اس کا موضوع عورت کی نفسیات اور امور خانہ داری کی انجام دہی ہے۔ یہ کتاب کافی مقبول ہوئی۔

لطیف النساء بیگم نے اپنی ذاکری کی ابتدا ۱۹۳۰ء میں کی یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ یہاں ایک یا دو ذاکرائیں ہوا کرتی تھیں۔ اور ان کے پاس وقت کم ہوتا تھا۔ چنانچہ ان کی بڑی بہن یاور النساء بیگم کی بنا کردہ مجلس کے لئے جو اٹھائیس محرم کو منعقد ہوتی آئی ہے' انہوں نے ایک ذاکرہ سے مجلس پڑھنے کی استدعا کی تو ذاکرہ صاحبہ نے وقت نہ ہونے کی وجہ سے معذرت کر لی۔ لطیف النساء بیگم نے بہن کے اصرار پر ۲۷ ستائیس سال کی عمر میں ذاکری کی ابتدا کر ڈالی۔ یہ مجلس شہزادہ علی اکبر کے مصائب پر مبنی ہوتی۔ یہ مجلس کئی برس ''اعجاز منزل'' دارالشفاء میں ہوتی رہی۔ اور آج بھی اسی تاریخ کو یہ مجلس ''یادگار حسینی'' میں منعقد ہوتی ہے۔

ذکر حسین کے لئے ان کو اندرون ملک اور دوسرے شہروں سے دعوت نامے آنے لگے۔ وہ ہر سال کلکتہ جاتی تھیں اور ممبئی بھی کئی بار گئیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) مغربی پاکستان اور رنگون (برما) میں بھی کئی سال ذکر حسینؑ کیا۔

اپنی زندگی میں انہوں نے اپنی بیٹی مریم بانو کو ذکر حسینؑ کی تربیت دی۔ آج وہ ایک کامیاب ذاکرہ ہیں۔ مرحومہ کی ایک اور بیٹی نرجس بانو جو پونے میں رہتی ہیں' وہ وہاں مجالس پڑھتی ہیں لطیف النساء بیگم کی چھوٹی بہن افتخار النساء بیگم پاکستان کی ایک مقبول ذاکرہ رہی ہیں۔ ان کی ایک پوتی اشرف النساء بیگم امریکہ کے شہر Dallas کی ایک مقبول ذاکرہ ہیں۔ جو ہوسٹن اور کینیڈا میں گاہے ماہے مجالس پڑھتی ہیں۔

لطیف النساء بیگم کا ایک عمل جو یقیناً ان کے لئے قرب جناب سیدہ کونین کا باعث ہوگا وہ ہے حیدرآباد کی مومنات کو مجالس عزا کے لئے سیاہ پوش ہونے کی تلقین کرنا اور ان کو اس پر مائل کرنا ہے۔ آصف جاہی دور میں شرفا و امرا کے گھر کی خواتین محرم کی آمد سے پہلے اپنے کپڑوں کی تیاری اس طرح کرتی تھیں جیسے کسی عید سے پہلے ہوتی ہے۔ ان کے کپڑے Sober رنگوں میں رنگوائے جاتے اور ان پر بارڈر ٹانکے جاتے۔ لطیف النساء بیگم نے مسلسل منبر سے سمجھانا شروع کیا کہ عزائے حسینؑ میں سیاہ رنگ زیب تن کرنا چاہیے۔

کچھ مومنات پر اس کا اثر ہونے لگا۔

لطیف النساء بیگم کا انتقال ۲۸ رصفر ۱۴۱۰ھ بروز جمعرات مطابق ۱۷ رجنوری ۱۹۸۰ء (۷۷) سال کی عمر میں ہوا۔ لطیف النساء بیگم کے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ [۱]

لطیف النساء بیگم کی ذاکری کے سلسلے میں قابل ذکر دو واقعات کا تذکرہ ضروری ہے۔ مرزا محمد علی بیگ ایڈوکیٹ کی اولاد اصغری بیگم، رونق علی بیگ اور لیاقت النساء بیگم کا بیان یہ ہے۔

''لطیف النساء کی ذاکری کی ابتداء عاشور خانہ امام رضا علیہ السلام کے منبر سے ہوئی۔ اپنی بڑی بہن یاور النساء بیگم کے ساتھ لطیف النساء بیگم جب اس عاشور خانے میں آتیں مرزا محمد علی بیگ حدیث خوانی کے سلسلے میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔ جب وہ منبر پر بیٹھتیں تو خود سامنے بیٹھ کر کہتے ''پڑھو منجھلی بی بی میں سن رہا ہوں'' ساتھ ہی انہیں حدیث خوانی کا انداز بھی بتاتے کہ کس طرح پڑھنا چاہئے۔''

اسی طرح ضامن بیگم بنت مرزا علی جواد کا بیان ہے :

''ان کی والدہ کاظم النساء بیگم نے لطیف النساء بیگم کو پہلی مرتبہ کثیر مجمع میں مجلس پڑھنے کی ترغیب دی۔ نہ صرف یہ بلکہ ابتدا میں جب وہ منبر پر بیٹھنے میں جھجک محسوس کرتیں تو یہ منبر کے بازو موجود رہتی اور کہتیں کہ گھبراؤ نہیں میں یہاں موجود ہوں۔ اگر کسی مقام پر رک جاتیں تو یہ انہیں یاد دلاتیں کہ کیا پڑھنا ہے۔''

اس طرح ان بزرگوں کے تعاون، توجہ اور حوصلہ افزائی نے بہت جلد لطیف النساء بیگم کو کامیاب ذاکرہ بنا دیا۔ [۲]

سیّدہ مریم بانو

سیّدہ مریم بانو نام۔ والد کا نام سید یوسف علی، شوہر کا نام سید حیدر رضا، مریم بانو ۴ ر اگست ۱۹۳۲ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ محبوبیہ اسکول سے میٹرک کامیاب کیا اور انٹرمیڈیٹ کے بعد 1953 میں خالہ زاد بھائی حیدر رضا سے شادی ہوئی۔ دو اولادیں سید علی رضا اور عذرا بانو ہیوسٹن میں مقیم ہیں۔

---

[۱] یہ ساری معلومات لطیف النساء بیگم کی بہو زاہدہ سعید سے حاصل ہوئیں۔ [۲] یہ معلومات ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئیں۔

مریم بانو کی والدہ ذاکرہ تھیں بچپن سے انہیں بھی ذاکری کا شوق تھا۔ ابتدا میں کتاب میں دیکھ کر پڑھا کرتیں۔ رفتہ رفتہ یاد کر کے بنا کتاب دیکھے پڑھنے لگیں۔ جب بنا دیکھے اچھی طرح پڑھنے لگیں تو والدہ نے اپنی کچھ مجلسیں انہیں پڑھنے دیں اس طرح جب لطیف النساء محرم کی مجلسوں کے سلسلے میں کلکتہ جایا کرتیں تب بھی ان کی مجلسیں مریم بانو پڑھتیں۔

ایک مرتبہ جب لطیف النساء کا آپریشن ہوا اور ڈاکٹر نے انہیں سال بھر مکمل آرام کا مشورہ دیا تو اس وقت سے مریم بانو کی باضابطہ ذاکری کا آغاز ہوا۔ آواز بلند بھی ہے اور پردرد بھی پڑھنے کے دوران خوب رقت طاری ہوتی جس سے سامعین بھی بہت متاثر ہوتے۔ اسی طرح یہ کافی مقبول ذاکرہ بن گئیں۔

ان کے شوہر حیدر رضا جب ملازمت کے سلسلہ میں اضلاع پر رہتے تو انہیں بھی اپنے شوہر کے ساتھ رہنا پڑتا ایسی صورت میں اکثر محرم و صفر کی مجلسیں نہیں پڑھ پاتیں۔ تاہم جب بچوں کی تعلیم کی خاطر مستقل حیدرآباد میں قیام کیا تو پھر یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔

عمر کے آخری ایام میں لطیف النساء مسلسل علیل رہنے لگیں تو سب مجلسیں انہیں ہی پڑھنا پڑا اور ساتھ ہی انجمن نسوان برکات عزا کی کارگذار صدر بھی مقرر ہوئیں۔ لطیف النساء کے انتقال کے بعد سے اب تک یہی یادگار حسینی کی صدر بھی ہیں۔ اور مخصوص مجلسیں جو انجمن کی جانب سے منعقد ہوتی ہیں انہیں مریم بانو ہی مخاطب کرتی ہیں۔

حیدرآباد کے علاوہ ممبئی کلکتہ اور مشہد مقدس میں بھی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ جب بیٹی سے ملاقات کے لئے امریکہ گئیں تو وہاں بھی مجلسیں پڑھیں اور فی الحال بیٹی کے ساتھ ہیوسٹن میں مقیم ہیں۔

سیّدہ مریم نقوی

نام سیّدہ مریم نقوی۔ والد کا نام سید حیدر ضامن نقوی۔ حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ .L.L.B کے تیسرے سال میں زیر تعلیم ہیں۔ اس کے علاوہ .I.A.S کا امتحان دے دیا ہے۔ اور نتیجہ کی منتظر ہیں مریم

کے خاندان میں دادا' پردادا' اور والد ذاکر ہیں۔ بہنیں بھی مجلسیں پڑھتی ہیں۔ پھوپی اور ان کا لڑکا بھی ذاکر ہے۔ خاندان کے مذہبی ماحول نے انہیں متاثر کیا اور وہ ذاکری کی طرف مائل ہو گئیں۔ مریم نے پہلی مجلس اپنے گھر میں سولہ سال کی عمر میں پڑھی جو ۱۹ رمحرم کو منعقد ہوتی ہے۔ شروع میں مریم بہت نروس اور گھبرائی ہوئی تھیں کہ اتنے بڑے مجمع کے سامنے کس طرح پڑھ سکیں گی۔ لیکن ان کی دادی نے ان کی ہمت افزائی کی حوصلہ بڑھایا ''ذاکری کرنا بہت شرف وعزت کی بات ہے۔ جناب سیدہ خوش ہوں گی کہ تم ان کے فرزند کے مصائب بیان کر رہی ہو۔ تمہاری ذاکری کی وجہ سے ہماری بخشش کا ساماں بھی ہوگا۔ تم اپنی شناخت بنا سکو گی۔''

اس طرح دادی کی حوصلہ افزائی نے ان کے دل سے جھجک اور گھبراہٹ ختم کر دی اور انہوں نے پورے اعتماد کے ساتھ ذاکری شروع کر دی۔ مریم کی دادی نے انہیں تاکید کی تھی کہ ذاکری کا کوئی معاوضہ نہیں لینا۔ چنانچہ دادی کی اس تاکید پر عمل پیرا ہیں۔

حدیث کی تیاری میں مریم کے والدین ان کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں۔ کتابوں کے انتخاب سے لے کر فضائل ومصائب کے مواد کی فراہمی تک اور اسکے علاوہ سامعین کی توجہ اور دلچسپی کو برقرار رکھنے کے لئے الفاظ کے انتخاب میں بھی انہیں والد کی رہنمائی حاصل ہے۔ مریم نقوی اپنی مجلسوں میں عام طور پر قرآن مجید کی آیت کو سرنامہ کلام بنا کر اس کے ترجمے کے بعد اپنے موضوع کو مدلل بنانے کے لئے مختلف کتابوں کے حوالے دیتی ہیں۔ مریم نقوی کی مجلسیں تبلیغی انداز کی ہوتی ہیں۔ اپنی مجلسوں کے ذریعہ وہ نو جوان نسل کو احکام شریعت اور شیعیت سے واقف کرواتی ہیں۔ اکثر وبیشتر ایسے موضوعات کا انتخاب کرتی ہیں' جن کے ذریعہ اصلاح کرنا مقصد ہوتا ہے امر بالمعروف نہی عن المنکر' نماز' روزہ' زکوۃ ان کی تقاریر کا موضوع ہوتے ہیں اس کے علاوہ والدین کے حقوق واطاعت' بزرگوں کا ادب واحترام' چھوٹوں پر شفقت' حقوق ہمسایہ کو بھی اپنی تقریروں کا موضوع بناتی ہیں۔ مجموعی حیثیت سے ان کی مجلسیں تبلیغی اور اصلاحی پہلو لئے ہوئے ہوتی ہیں۔

معصومہ فاطمہ

نام معصومہ فاطمہ مولانا سید علی حسین قبلہ کی بیٹی ہیں۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۸۸ء کو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔

معصومہ ابھی زیر تعلیم ہیں۔ پانچ سال کی عمر سے ذاکری کی ابتدا ہوئی سب سے پہلی مجلس الاوہ بی بی دبیر پورہ میں پڑھی۔ ان کے والد سید علی حسین ذاکر تھے۔ اس کے علاوہ معصومہ کی دو بہنیں بھی مجلسیں پڑھتی ہیں۔ ان کے بھائی بھی ذاکر ہیں۔ ابھی اسکول میں پڑھتی ہیں اسلئے حیدرآباد سے باہر جانے کا موقع نہیں ملا۔ انہیں سید ابوالقاسم عابدی کا انداز بیان پسند ہے۔

نفیس النساء بیگم

نفیس النساء بیگم نام' والد کا نام دوست علی خاں شوہر کا نام آغا محمد حسین۔ ۱۹۳۹ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ جامعہ عثمانیہ سے ایم اے بی ایڈ کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد پیشہ تدریس سے وابستہ ہو کر سرکاری ملازم ہوگئیں۔ حال ہی میں ہیڈ مسٹرس کے عہدہ سے وظیفہ پر سبکدوش ہوئی ہیں۔ نفیس کے نانا سید اعجاز حسین صاحب مرحوم اپنے زمانے کے نامی گرامی ذاکر اہلبیت گزرے ہیں۔ دوسری شخصیت جوان کے خاندان میں ذاکری سے وابستہ تھیں' ان کی حقیقی سومانی صغرا صادق مرحومہ تھیں۔ نفیس اپنی سومانی سے بہت متاثر تھیں۔ ستائیس سال کی عمر سے ذاکری شروع کی۔ اس کی شروعات ان کی بہن کی مجلس سے ہوئی۔ ۱۹۶۷ء ان کی بہن رئیس نے اپنے والد دوست علی خاں کے گھر میں مجلس منعقد کی تھی جس میں بصد اصرار انہوں نے نفیس صاحبہ سے حدیث پڑھوائی اور پھر اس کے بعد ذاکری کا سلسلہ چل پڑا۔ حیدرآباد کے علاوہ نفیس نے عراق' ایران' شام' مکہ' مدینہ اور امریکہ میں بھی مجلسیں پڑھی ہیں۔ ابتدا میں مجلس کی تیاری میں زیادہ تر اردو کی مذہبی کتابوں' احادیث کے ترجموں سے مدد لیتی تھیں بعد میں وہ ایران کی مطبوعات پر زیادہ توجہ دینے لگیں۔ خاص طور پر "توحید" رسالہ کا زیادہ مطالعہ کرتی ہیں۔ نفیس النساء مولانا مجاہد کی والدہ ہیں۔ محرم میں ہر سال ایام عزا میں سو کے قریب مجلسیں پڑھتی ہیں۔

نفیس سے ہم نے مجالس کے بارے میں گفتگو کی جو یہاں پیش کی جارہی ہے :

''جہاں تک مجالس کا تعلق ہے میرے نزدیک اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے کیونکہ یہیں پر ہمیں ایسے مواقع مل جاتے ہیں کہ ہم لوگوں کو صحیح طریقۂ زندگی بتا سکتے ہیں۔ اسلام انسانوں کو صحیح طریقۂ زندگی بتاتا ہے۔ اور کس انداز میں زندگی گزاری جائے یہ ہم مجلسوں ہی میں بتلا سکتے ہیں۔ مجالس کے ذریعہ ہم سمجھا سکتے ہیں کہ صحیح طریقۂ زندگی کیا ہے یہی اسلام ہے دین ہے۔ اور اس کو بچانے کے لئے امام حسین علیہ السلام نے قربانی دی تو امام کے ذکر کے ساتھ ان چیزوں کا شامل ہونا بے انتہا ضروری ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے جو قربانی دی تھی وہ صرف طریقۂ زندگی پر تھی۔ کہ کونسا طریقۂ زندگی ہونا چاہئے۔ یزید نے طریقۂ زندگی کو بدلا تھا امام حسین علیہ السلام نے اسلام کے بتائے ہوئے طرز زندگی کو باقی رکھنے کے لئے قربانی دی تھی۔ جہاں تک ذاکری کا سوال ہے ذاکر پر بڑی بھاری ذمہ داری ہوتی ہے۔ مرثیہ اور نوحہ میں جو مجالس میں پڑھے جاتے ہیں شاعر کے خیالات بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن ذاکر پر صرف اور صرف اپنے خیالات ظاہر کرنے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ذاکر جب منبر پر بیٹھتا ہے تو اللہ کی طرف سے اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسے وہ سب کچھ کہنا چاہئے جو دین کے مطابق صحیح راستہ ہے۔ اور منبر کا اصلی مقصد یہی ہے۔

مجلسیں اس لئے ہیں کہ اس کے ذریعہ اسلام کا پیغام پہنچایا جائے۔ ہمارے پاس قرآن کے ساتھ ساتھ نہج البلاغہ اور صحیفہ کاملہ بھی ہے ہم منبر کے ذریعہ ان کی تعلیمات کو عام کر سکتے ہیں۔ ہمارے ائمہ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ ان کے طرز زندگی کو بیان کیا جائے اور اس سے اگر سننے والے میں تبدیلی آجائے تو ذاکر کی یہ بڑی کامیابی ہے۔ چوتھے امام کا قول ہے کہ ''جو امام کو امام مانتے ہیں اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلے تو وہ ہم سے نہیں ہے۔'' اگر یہ بات منبر سے سمجھادی جائے کہ کہاں تک ہم ان کے عمل پر عمل کرتے ہیں۔ ان کے راستے پر چلتے ہیں۔ تو یہ ایک اہم کام ہوگا۔

آج کل مجلسیں کثرت سے ہو رہی ہیں وقت کی کمی اور ایک ہی وقت میں کئی کئی مجلسیں ہوتی ہیں اس لئے مجلس میں شریک ہونے والے بھی ایک جگہ مرثیہ دوسری جگہ حدیث اور تیسرے مقام پر ماتم میں شریک ہوتے ہیں۔ سننے والا خلوص و عقیدت سے عاری ہوتا ہے۔ مجلسوں کی کثرت کی وجہ سے طویل مجالس بھی

بے مقصد ہونے لگی ہیں۔ پڑھی لکھی خواتین کو اس انداز میں تبدیلی لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ذہنوں کی تربیت کی ضرورت ہے۔ صرف مجمع جمع ہو جانے سے مجلس قبول نہیں ہوتی۔ کم لوگوں میں بھی مجلس ہو سکتی ہے۔ مجلسوں کو Systemetic بنانے کی ضرورت ہے۔ پوری مجلس میں شروع سے آخر تک شریک رہنا چاہئے۔ سکون اور اطمینان سے اگر مجلس سنیں گے تو فائدہ بھی حاصل ہو سکے گا۔ اسی طرح تبرک میں بھی آج کل مسابقت کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔ ایک دوسرے سے زیادہ مہنگا تبرک تقسیم کرنے' مقابلہ کرنے کا خیال زور پکڑتا جا رہا ہے اس کی طرف بھی خصوصیت کے ساتھ توجہ کی ضرورت ہے۔

---

(۱) حاضری مبارک :عرب میں رواج تھا کہ جب کوئی جنگ پر جاتا تو سپاہی پر سے بکرا اتارا جاتا تھا۔ جب حضرت اُم البنینؑ کو معلوم ہوا کہ حضرت عباس الم دار فوج حسینی تھے تو انہوں نے سوچا کہ میں کربلا میں ہوتی تو اپنے بیٹے عباس پر سے بکرا اتارتی۔ اسی تصور کے ساتھ ان کی خواہش کی احترام میں گوشت پر حضرت عباسؑ کی فاتحہ دیتے ہیں۔ چنانچہ عراق میں آج بھی حضرت عباسؑ کی حاضری میں گوشت پر فاتحہ دیتے ہیں۔ (یہ کوئی تاریخی سند نہیں ہے خیالی یا عقیدتاً کہہ سکتے ہیں) [۱]

(۲) چوتھے امام کی ضمانت میں جو دیا جاتا ہے اس کے پیچھے یہ خیال ہے کہ روز عاشورہ وقت عصر تک جب امام حسین علیہ السلام میدان جنگ میں تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے چوتھے امام زین العابدین علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ ''میرا حرم تمہاری ضمانت میں ہے''۔ اسی کی اتباع میں ہم بھی کہتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] [۲] خدیجہ بیگم بنت ڈاکٹر کلثوم سے معلوم ہوا۔

دوسرا باب

مرثیہ خوان

ام سلمیٰ

ام سلمیٰ نام، منی عرف۔ والد کا نام سید محمد حسین جعفری۔ شوہر کا نام عسکری پنجتن۔ سلمیٰ ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ والد محکمہ تعلیمات میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ ان کے گھر کا ماحول علمی، ادبی اور مذہبی تھا۔ جہاں نماز روزے کی پابندی کے ساتھ مجلسوں کا بھی بہت چرچا تھا۔ سلمیٰ کی والدہ کی آواز اچھی تھی۔ اور وہ بہت اچھے انداز میں مرثیے پڑھتی تھیں۔ بچپن سے انہیں مرثیے پڑھنے کا شوق تھا چنانچہ انہوں نے اپنی والدہ سے متاثر ہو کر ان سے مرثیہ پڑھنا سیکھا سلمیٰ خوش گلو تھیں۔ شادی سے پہلے ہی وہ خاندان کے علاوہ اپنے محلہ بنجارہ ہلز کے تقریباً ہر گھر میں محرم میں مرثیے پڑھتی تھیں۔ شادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اگر انہیں ایک دن میں دو تین مقامات پر مرثیے پڑھنے کے لئے مدعو کیا جاتا تو یہ انکار نہیں کرتی تھیں۔ سلمیٰ کے قریبی عزیز پرانے شہر میں بھی سکونت پذیر تھے۔ جن کے یہاں انہیں مرثیہ پڑھنے بلایا جاتا تھا۔ ایسے میں ان کے شوہر ان سے تعاون کرتے اور بنجارہ ہلز میں مرثیہ پڑھنے کے فوراً بعد پرانے شہر اپنے ساتھ لے جاتے اور لے آتے تھے۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ اگر خاندان میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو سلمیٰ میت پر مرثیہ پڑھنے کے بعد ہی میت اٹھائی جاتی تھی۔ سلمیٰ کی آواز میں درد اور سوز و گداز تھا۔ جب یہ مرثیہ پڑھتیں تو ان پر شروع سے آخر تک رقت طاری رہتی تھی۔ اگست ۱۹۹۷ء میں سلمیٰ کا انتقال ہوا۔ [1]

بشیر جعفری

بشیر النساء نام، والد کا نام سید محمد علی موسوی۔ شوہر کا نام سید سراج الحسن جعفری بشیر جعفری جولائی ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ انہیں بچپن سے مرثیہ خوانی کا شوق تھا۔ چنانچہ ان کے والد مرحوم نے ان کے اس شوق کی تکمیل کے لے انہیں مرثیہ خوانی کی باقاعدہ تعلیم دلائی اور اس دور کے مشہور بزرگ مرثیہ خواں وزیر علی صاحب مرحوم کو اس کام کے لئے مقرر کیا۔ بشیر جعفری کی خوبصورت آواز اور طرز خواندگی کی شہرت بہت کم عمری ہی سے پھیلنے لگی تھی۔ چنانچہ خاندان کے علاوہ باہر کی مجلسوں میں بھی یہ مرثیہ خوانی کے

---

[1] یہ معلومات مرحومہ کے شوہر عسکری صاحب سے حاصل ہوئیں۔

لئے مدعو کی جانے لگیں۔ خود وزیر علی صاحب مرحوم ان کی آواز سے بہت متاثر تھے اور فخریہ اپنی اس شاگرد کی تعریف کیا کرتے تھے۔

شادی کے بعد انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی سے پہلے اردو میں ایم اے کیا پھر بی ایل ایس سی کی ڈگری حاصل کی اور مختلف گورنمنٹ ڈگری کالجوں میں بہ حیثیت لائبریرین ملازمت کی۔ گورنمنٹ ڈگری کالج بیگم پیٹ میں وہ دو سال بہ حیثیت اردو لکچرار کام کرتی رہیں ملازمت کے علاوہ محفل خواتین 'بزم خواتین' کی رکن عاملہ اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کی معتمد تھیں۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۹۱ء تک آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے محرم کے مہینے میں عاشورہ اور شام غریباں کے پروگراموں میں مرثیہ پڑھتی تھیں۔ مرثیہ پڑھنا ان کا پیشہ نہیں ہے۔ ان کی درد بھری آواز اور طرز خواندگی سے متاثر ہو کر لوگ ان سے مجلس پڑھنے کی خواہش کرتے۔ چنانچہ عزاداری کے دو مہینے آٹھ دنوں میں صبح سے شام تک کم از کم چار مرثیے اور زیادہ سے زیادہ نو مرثیے پڑھتی تھیں۔ امیر' غریب' چھوٹا بڑا' جو بھی ان سے مرثیہ پڑھنے کی خواہش کرتا کبھی انکار نہیں کرتی تھیں۔ بشیر جعفری نے کبھی کسی بانی مجلس سے نہ تو کرایہ سواری اور نہ کوئی نذرانہ قبول کیا۔ اکثر تو بانی مجلس خود آمد و رفت کا انتظام کر دیتے تھے۔ سواری بھجواتے تھے۔ لیکن جہاں انتظام نہیں کیا جاتا یہ خود اپنے طور پر چلی جاتی تھیں۔ اگر کوئی بانی مجلس بہ اصرار کرایہ سواری دے تو یہ انکار بھی نہیں کرتی تھیں۔ لیکن مطالبہ کبھی کسی سے نہیں کیا۔ بڑے غلام علی خاں کی بیگم ان کی آواز کی شیدا تھیں۔ خاص طور پر مجلس میں شریک ہوتی تھیں۔ اپنے شوہر سے بھی تذکرہ کرتی تھیں۔ بڑے غلام علی خاں کو بشیر جعفری کی مرثیہ خوانی سننے کی خواہش تھی مگر انہیں اس کا موقع نہیں ملا اور وہ انتقال کر گئے۔

ان کی بیگم نے اپنے شوہر کی زیارت کی مجلس میں بشیر جعفری سے ہی مرثیہ پڑھوایا تھا۔ بشیر جعفری مرثیہ خوانی کے دوران جو معجزے ہوئے خود بیان کرتی ہیں۔

''میرے والد مرحوم ہر سال رجب میں کوہ مولا علی پر دسترخوان کیا کرتے تھے خاندان کے تمام افراد اس دسترخوان میں حاضر رہتے تھے۔ میں چھ یا سات سال کی تھی۔ میری والدہ مرحومہ نے مجھ سے کہا کہ تم جا کر سو جاؤ۔ جب دسترخوان بچھائیں گے تمہیں جگادوں گی اور تم کو مرثیہ پڑھنا ہوگا۔ یہ اس ماہ کی پہلی شب جمعہ تھی۔ رات بھر تمام مردانے کے لوگ اعمال کر کے سو رہے تھے صبح کے چار بجے کے قریب میری والدہ نے مجھ کو جگایا اور مرثیہ پڑھنے کے لئے کہا۔ اس وقت میرے مرثیہ کو جواب دینے کیلئے میری بڑی

ممانی صاحبہ اور میری والدہ کی چچی صاحبہ تھیں۔ میں نے مرثیہ ''ابن علی جو باغ رسالت لٹا چکا'' پڑھنا شروع کیا۔''ایک عجیب سی کیفیت میں نے محسوس کی۔ میرا تمام جسم کانپنے لگا در و دیوار سے رونے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ جب کہ ہم صرف والدہ سمیت چار عورتیں تھیں۔ تمام لوگ اس وقت سو رہے تھے بڑی مشکل سے میں مرثیہ کے پانچ بند پڑھ سکی رونے کی صدائیں اس قدر بلند تھیں کہ تمام مردانے کے لوگ جو سو رہے تھے بیدار ہو گئے اور صلواۃ پڑھتے جاتے تھے۔ ان کے رونے کی صدائیں بھی بلند ہونے لگیں ایک کہرام بپا تھا۔''

''ایک اور معجزہ بھی قابل ذکر ہے میری ماموں زاد بہن اختر آرا کے لڑکے رضا مرحوم نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں بی بی کے الاوہ میں اکیلی مرثیہ پڑھ رہی ہوں۔ اور ہر طرف سے رونے کی آوازیں آرہی ہیں صبح اس نے اپنی نانی سے خواب بیان کیا۔ تعبیر انہوں نے کہا کہ مجھ سے وہاں مرثیہ پڑھوایا جائے۔ رضا مرحوم نے مجھ سے اپنی خواہش ظاہر کی میں اپنے شوہر کے ساتھ مرثیہ پڑھنے بی بی کے الاوہ گئی وہاں وہ میرا انتظار کر رہے تھے۔ ہم تین ہی تھے میں مرثیہ شروع کی۔ ہر طرف سے رونے کی آوازیں آنے لگیں۔ لگتا تھا کہ سارا الاوہ خواتین سے بھرا ہوا ہے اور آہ و بکا کر رہا ہے۔ ایسا ہی ایک خواب ایک ہفتہ بعد ڈاکٹر کلثوم کی صاحبزادی زہرا نے بھی دیکھا تھا انہوں نے بھی مجھ سے بی بی کے الاوہ میں مرثیہ پڑھوایا: وہ بہو پہلے جیسے کیفیت تھی مارچ ۱۹۹۱ء میں میں امریکہ آگئی۔ آٹھ سال بعد جب میں حیدرآباد گئی تو زہرا نے پھر الاوہ بی بی میں مجھ سے مرثیہ پڑھوایا اور سب نے دیکھا کہ وہی کیفیت تھی۔''

بشیر جعفری کی دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔ سب ہی شادی شدہ خوش حال زندگی گزار رہے ہیں ان میں سے کسی کو بھی مرثیہ خوانی کا شوق نہیں ہے۔ البتہ ان کی حقیقی بہنیں شمس رضوی (مقیم امریکہ) بلقیس تقی مرحومہ اور منیر موسوی بھی مرثیہ خوانی کے فن سے بخوبی واقف ہیں۔ اپنے گھر میں مرثیہ خود پڑھتی ہیں۔ اس کے علاوہ خاندان کے رشتہ داروں اور دوسروں کے یہاں خاص طور پر مرثیہ پڑھنے مدعو کی جاتی ہیں

بشیر جعفری دس گیارہ سال سے امریکہ کے شہر ہوسٹن میں مقیم ہیں۔ وہاں بھی وہ مجلسوں میں اپنی مرثیہ خوانی کی وجہ سے بہت مقبول ہیں انہیں وہاں کی مجلسوں میں دور دراز کے مقامات پر مرثیہ خوانی کیلئے خاص طور پر مدعو کیا جاتا ہے۔

وزیرالنساء بلقیس بیگم

وزیرالنساء بلقیس بیگم نام' والد کا نام سید مہدی علی اور شوہر کا نام میر تہور علی عابدی۔ بلقیس بیگم ۱۹۳۱ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ والدین کی اکلوتی اولاد تھیں۔ اس لئے بچپن لاڈ پیار میں گزرا تعلیم کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ جیسے تیسے کر کے چوتھی جماعت تک پہنچ گئیں۔ اس کے بعد چودہ سال کی عمر میں شادی ہوگئی۔ بلقیس بیگم کے خاندان میں ان کی دونوں پھوپیوں کی آواز بہت خوب تھی اور وہ مرثیہ خوانی بھی کرتی تھیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ بھی خوش گلو ہیں انہیں بچپن سے نوحے مرثیے پڑھنے کا شوق تھا چنانچہ آٹھ سال کی عمر میں انہوں نے پہلا نوحہ اپنے گھر کی مجلس میں پڑھا۔ اس بارے میں وہ کہتی ہیں

''میں نے ایک نوحہ ''میت سکینہ پیاری کی زنداں سے جاتی ہے'' اس مجلس کے لئے زبانی یاد کرلیا۔ اور جب مجھ سے مجلس میں نوحہ پڑھنے کے لئے کہا تو میں نے یہ شرط رکھی کہ اگر مجھے کھڑا دوپٹہ پہنائیں تو میں نوحہ پڑھوں گی کیونکہ دوسرے پڑھنے والے سب کھڑا دوپٹہ پہن کر پڑھتے تھے اس وقت باہر دالان میں مجلس ہو رہی تھی۔ اور کمرے میں میری والدہ اپنی ساڑی سے بارڈر نکال ڈوپٹہ پہنا کر باہر لائیں۔ تب میں نے نوحہ پڑھا۔''

دوسرے سال جب یہ نو سال کی تھیں' مرثیہ بانو کے شیر خوار کو غم سے پیاس ہے'' پڑھا اس کے بعد تو ہر سال مجلسوں میں یہ مرثیہ پڑھنے لگیں اور پھر مرثیہ خوانی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

نواب مکرم الدولہ کی ڈیوڑھی میں نواب لائق علی خاں کے پاس ان کی پروردہ عورتوں کو سوز اور سلام سکھانے کیلئے لکھنو سے ماہرفن اساتذہ کو بلاتے تھے۔ نواب محبوب یار جنگ کی صاحبزادی گوری بیگم اور منجلی بیگم دونوں بہنوں کو سوز خوانی اور مرثیہ خوانی کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ مکرم الدولہ کے گھر کی خواتین کے کہنے پر انہوں نے ان اساتذہ سے پڑھنا سیکھا گوری بیگم بلقیس بیگم کی ساس تھیں۔ انہوں نے اپنی بہو کو بھی سکھایا۔ بلقیس بیگم کا خیال ہے کہ مرثیہ خوانی کے کچھ اصول ہیں ان کی پابندی ضروری ہے۔ مرثیے میں جواب دلانے کیلئے مرثیہ خوان کو اختیار ہوتا ہے کہ موضوع کی مناسبت سے بازو دار سے جواب دلوائے۔ اگر بازو دار مرثیہ خوان کی ایما کے بغیر پہلے ہی جواب دے اور مصرعوں کو دہرائے تو یہ قطعی مناسب نہیں۔ جواب دار کو مرثیہ خوان کی مرضی کا تابع ہونا چاہئے۔ نہ کہ اپنی مرضی سے جہاں اور جب چاہے جواب دے۔

بلقیس بیگم کی ساس انیس و دبیر کے طویل مرثیوں میں سے بند منتخب کر کے ہاتھ سے بیاض میں لکھ لیتی تھیں۔ ان ہی بیاضوں میں سے بلقیس بیگم مرثیہ پڑھتی تھیں۔ لیکن جب سے ''ہلال محرم'' مجموعہ مراثی کی جلدیں شائع ہوئیں' ان ہی میں سے وہ پڑھنے لگیں۔

ابتدا میں بلقیس بیگم صرف خاندان کی مجلسوں میں پڑھتی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ قریبی رشتہ داروں اور محلے والوں کے پاس مرثیہ خوانی کا سلسلہ شروع ہوا جب زیادہ لوگ اپنے گھر مدعو کرنے لگے تو وہ یہ کہہ کر کہ انہیں شوہر کی اجازت نہیں ہے' جانے سے گریز کرتیں۔ لیکن ''یادگار حسینی'' کی مجلسوں میں پڑھنے کی انہیں عام اجازت تھی۔ چنانچہ ''یادگار حسینی'' کی اکثر مجلسوں میں یہ مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔ جہاں تک نذرانے کا تعلق ہے' نہ انہوں نے اپنا کوئی نذرانہ مقرر کیا اور نہ ہی مطالبہ رکھا۔ کرایہ سواری اگر مل جائے تو ٹھیک ورنہ نہ سہی بلقیس بیگم مجلس پڑھنے کے بعد اکثر بانی مجلس سے ملے بغیر ہی نکل جاتی ہیں کیونکہ اگر بانی مجلس سے ملیں تو وہ شکریہ ادا کریں گی نذرانہ دیں گی۔ ان چیزوں کو وہ مناسب نہیں سمجھتیں ان کا خیال ہے کہ مجلس تو جناب سیدہ کی خوشنودی کے لئے پڑھی جاتی ہے تو اس کا اجر بھی وہی دیں گی ان کے نزدیک دنیا والوں سے اجر لینا مناسب نہیں۔

مشہور شاعر میر سعادت علی رضوی بلقیس بیگم کے حقیقی ماموں تھے ان کے خاندان میں ایک اور سربرآوردہ شاعر محمد حسین خان فاضل تھے۔ بلقیس بیگم زیادہ تر ان دونوں بزرگ شاعروں کے نوحے اور مرثیے ہی پڑھتی ہیں۔

بلقیس بیگم اپنی مرثیہ خوانی کے بارے میں ایک واقعہ بیان کرتی ہیں۔

''نواب محمود علی خاں اور ان کی بیگم نواب پاشاہ کی ایک لڑکی پر حاضری آتی ہے۔ وہ لڑکی حاضرات دیکھتی ہے۔ کہتے ہیں حضرت قنبر کے توسط سے وہ بات کرتی ہے۔ محمود علی خاں کی بیگم نے مجھ سے کہا تم بھی حاضرات دکھاؤ اور جو کچھ پوچھنا ہے' پوچھو' میں ان باتوں کی قائل تو نہیں ہوں۔ لیکن نواب پاشاہ کے اصرار پر چلی گئی۔ میں نے اس لڑکی سے کہا کہ آپ حضرت قنبر سے پوچھئے کہ میں اتنے سارے مرثیے پڑھتی ہوں۔ میرا کونسا مرثیہ پسند کیا جاتا ہے۔ تو اس لڑکی نے حضرت قنبر کے حوالہ سے جواب دیا کہ ان لوگوں کو میرا پڑھا ہوا مرثیہ ''چہلم جو کربلا میں بہتر کا ہو چکا'' پسند ہے اور سب سنتے ہیں۔''

بلقیس بیگم کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ لڑکیوں کو مرثیے نوحے پڑھنے کا کچھ شوق تو نہیں ہے۔ لیکن آوازیں اچھی ہیں۔ اس لئے مجلسوں میں مرثیہ نوحے پڑھ لیتی ہیں۔

بتول بیگم

بتول بیگم نام۔ والد کا نام مرزا عباس علی بیگ۔ شوہر کا نام سید شریف الحسن رضوی۔ بتول بیگم ۱۹۲۸ء کے لگ بھگ حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور مرثیہ خوانی کو بطور پیشہ اپنایا ان کے والد مرزا عباس علی بیگ شاہی سوز خوان تھے نواب محبوب علی خاں آصف جاہ ششم کے زمانے میں منصب عطا ہوئی تھی مکرم الدولہ کی دیوڑھی میں سوز خوانی کرتے اور مرثیے بھی پڑھتے تھے۔ انہی سے انہوں نے سوز خوانی اور مرثیہ خوانی کی تعلیم حاصل کی۔ وہ مرثیہ کے ساتھ ہمیشہ سوز ضرور پڑھتی تھیں۔ ان کے مرثیوں کی طرزیں ہندوستانی ہوتی تھیں۔ وہ تقریباً پینتالیس سال تک مرثیہ خوانی کرتی رہیں اور چوہتر برس کی عمر میں انتقال کیا۔ مجلسوں میں وہ مرثیہ کے علاوہ نوحہ خوانی بھی کرتی تھیں اور نوحے سادہ طرز میں پرانے انداز میں پڑھتی تھیں۔ بتول بیگم جن نوابین کے یہاں مجلسیں پڑھتی تھیں ان میں قابل ذکر نواب عنایت جنگ' نواب مشیر جنگ' نواب فطرت جنگ' نواب رئیس جنگ' نواب مہدی نواز جنگ' نواب زین یار جنگ' نواب خورشید علی خاں اور نواب کمال علی خاں ہیں۔ لیکن زیادہ تر وہ نواب عنایت جنگ کے یہاں پڑھتی تھیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ریڈیو اسٹیشن کے پروگراموں میں بھی مرثیہ خوانی کی ہے۔ ابتدا میں بتول بیگم کو بانی مجلس سواری بھیج کر بلاتے تھے۔ لیکن انقلاب زمانہ کے سبب وہ خود سواری لے کر (رکشہ یا آٹو) مجلس کے مقام پر پہنچ جاتی تھیں بانی مجلس کرایہ ضرور دیتے تھے۔ بتول بیگم نے نذرانہ کا کبھی خود سے مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی نذرانہ مقرر کیا کہ "اتنا ملے ہی تو پڑھوں گی۔" نذرانہ کا انحصار بانی مجلس کی گنجائش پر ہوتا تھا۔

بتول بیگم کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ چھوٹی لڑکی ممتاز فاطمہ مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔ وہ امریکہ کے شہر میری لینڈ میں رہتی ہیں۔ وہاں کے عاشور خانے میں تمام ہندوستانی ان ہی سے مرثیہ پڑھواتے ہیں۔

رقیہ بیگم

رقیہ بیگم نام' والد کا نام عباس علی۔ شوہر کا نام میر ولایت علی (مرثیہ خوان) رقیہ بیگم حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ انہیں بچپن سے ہی نوحے پڑھنے کا شوق تھا۔ وہ اپنے گھر کی مجلسوں میں نوحہ پڑھتی تھیں۔ بارہ سال کی عمر سے انہوں نے باقاعدہ نوحے پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

رقیہ بیگم کی شادی چودہ سال کی عمر میں میر حمایت علی مرثیہ خوان کے فرزند میر ولایت علی سے ہوئی۔ ڈاکٹر احمد علی زیدی کی اہلیہ نے کسی مجلس میں انہیں پڑھتے ہوئے سنا تو اپنے پاس بلا کر 'چھوٹا ذاکر' خطاب دیا اور تعریف بھی کی تھی۔ اس کے بعد وہ رقیہ بیگم کو اپنے گھر کی مجلس میں پڑھنے کے لئے بلانے لگیں۔ پھر تو خاندان اور محلے میں ہر جگہ مرثیہ خوانی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

رقیہ بیگم کی شادی مرثیہ خوان خاندان میں ہوئی تھی ان کی ساس اور پھوپی ساس دونوں مجلسوں میں مرثیہ خوانی کرتی تھیں' اس لئے یہ بھی ابتداء میں ان کے ساتھ بازوداروں میں شامل رہیں۔ جب خود پڑھنے میں ماہر ہو گئیں اور مجلسوں کی کثرت بھی ہو گئی تو انہوں نے علحدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ ساس کے انتقال کے بعد اب بھی پڑھتی ہیں اور ان کے ساتھ ان کی نندیں (حمایت علی مرثیہ خوان کی بیٹیاں بھی پڑھتی ہیں)

رقیہ بیگم محرم کے پہلے عشرے میں تقریباً پچیس مقامات پر دہے کی مجلسیں پڑھتی ہیں۔ سالانہ مجالس کے علاوہ سال بھر ہر جمعرات کو بھی مجلس پڑھنے کے بارہ گھر مقرر ہیں اس کے علاوہ جب مولا مشکل کشا کے دستر خوان کی نذر ہوتی ہے تو اکثر لوگ رات بھر مرثیہ خوانی کے لئے انہیں بلاتے ہیں۔ ''یادگار حسینی'' کی اکثر مجلسوں میں انہیں پڑھنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔

نوحے اور مرثیہ کا انتخاب بانی مجلس کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ کوئی مخصوص مرثیہ اور نوحہ پڑھوانا پسند کرتے ہیں۔ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بانی مجلس انہیں صرف کس کے حال کی مجلس پڑھنا کہہ دیتے ہیں تو یہ اپنی مرضی کے مطابق پڑھ لیتی ہیں۔

مجلسوں میں آمد و رفت کا طریقہ یہ ہے کہ یہ اپنے طور پر چلی جاتی ہیں اور کرایہ آمد و رفت لیتی ہیں۔ اگر مجلس کا مقام دور ہو تو بانی مجلس سواری کا انتظام کروا کر بلاتے ہیں۔ مجلس پڑھنے کا نذرانہ مقرر تو نہیں ہے

بانی مجلس کی مرضی اور استطاعت پر منحصر ہوتا ہے۔ جس پر انہیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا۔

رقیہ بیگم مرثیوں اور نوحوں کا انتخاب اکثر و بیشتر پرانی کتابوں سے کرتی ہیں۔ منتخب بند تسلسل کے ساتھ ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ نوحہ خوانی کے لئے زیادہ تر حمایت علی صاحب کے نوحوں کا انتخاب کرتی ہیں۔ ابتداء میں سلام سے پہلے یہ سوز بھی پڑھتی تھیں۔ لیکن اب مجلسوں میں سوز خوانی کو پسند نہیں کیا جانے لگا اس لئے انہوں نے سوز خوانی ترک کر دی۔ رقیہ بیگم عموماً پرانے طرز میں نوحہ پڑھتی ہیں۔ گھران کی بہو بیٹیاں نئے طرزوں میں نوحہ پڑھتی ہیں رقیہ بیگم بانی مجلس کی ایما پر فارسی نوحہ خوانی بھی کرتی ہیں۔ ایک ہی وقت میں اگر دو تین مجلسیں ایک ساتھ ہوں تو ایسی صورت میں یہ لوگ تقسیم ہو جاتے ہیں۔ رقیہ بیگم کچھ ساتھیوں کے ساتھ کسی مجلس چلی جاتی ہیں اور بہو اور بیٹی کچھ ساتھیوں کو لے کر دوسری مجلس پڑھنے جاتی ہیں۔ رقیہ بیگم بانی مجلس کی خواہش پر کبھی پہلا یا کبھی دوسرا مرثیہ بھی پڑھتی ہیں انہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور نہ ہی وہ اس بات کو اہمیت دیتی ہیں۔ کسی سے پیشہ وارانہ رقابت بھی نہیں ہے۔ اپنی مرثیہ خوانی کے تعلق سے ایک واقعہ بیان کرتی ہیں۔

''۱۵؍صفر کو سلطان بھائی کے گھر میں سالانہ مجلس ہوتی ہے اس مجلس میں ہر سال میں مخصوص سلام ''کہتی تھی یہی زینب دُکھیا'' اور مرثیہ ''جب زائران شاہ غریب الوطن پھرے'' پڑھتی ہوں۔ گزشتہ ذیقعدہ کی ایک رات میں خواب دیکھی کہ میں مجلس کے مقام پر سوزنی پر بیٹھی ہوئی ہوں۔ سامنے تکیہ رکھا ہے۔ اور سوچ رہی ہوں کہ کونسا سلام پڑھوں۔ اتنے میں ایک بزرگوار نے سیاہ شال اوڑھے دوش پر زلفیں بکھری ہوئیں ایک چھوٹی کھلی ہوئی بیاض لا کر میرے سامنے رکھ دی جس میں وہی سلام تھا اور سلام ختم کرنے کے بعد مرثیہ بھی وہی کھلا ہوا ملا مجھے۔ جو میں پڑھتی تھی۔ جب میں مرثیہ پڑھنے لگی تو عاشور خانے کی دہلیز کے پاس کوئی بیٹھے ہوئے ہیں اور اونچی آواز سے سسکیوں کی آواز آئی اس آواز پر میری آنکھ کھل گئی۔''

زرینہ سلطانہ

زرینہ سلطانہ نام' والد کا نام سید کاظم حسین' شوہر کا نام سید محمد عابد' زرینہ کے دادا سید صادق حسین غبار مہاراجہ کشن پرشاد کی محفلوں میں شاعر کی حیثیت سے شریک ہوتے تھے۔ وہ اپنے دور کے نمائندہ شاعروں

میں شمار کیے جاتے تھے۔ زرینہ نے ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ شادی کے بعد بھی اتفاق سے انہیں شعر و سخن کا ماحول ملا ان کے سسر سید سخاوت علی مجید، خالو سسر میر مہدی علی شہید (شہید یار جنگ) نندوی میر عابد علی سعید شہیدی اور ان کے فرزند میر جعفر علی رشید شہیدی ہیں۔ اس کے علاوہ خود ان کے اپنے بھانجے شاہنواز کا بھی اچھے شاعروں میں شمار ہوتا ہے۔ زرینہ کے میکہ کی طرح سسرال میں بھی عزاداری اور مرثیہ خوانی کا چرچا رہا۔ چنانچہ انہیں اپنے شوق کی تکمیل میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

زرینہ کو بہت ہی کم عمری سے مرثیہ اور نوحہ پڑھنے کا شوق تھا۔ ان کے گھر میں محرم کے مہینے میں چاندرات سے ہی دس ہے کی مجلس شروع ہو جاتی تھی۔ زرینہ اور ان کی ایک سہیلی ان مجلسوں میں بہت غور سے نوحے سنتیں۔ اور رات میں جاگ کر انہیں زبانی یاد کر لیتیں۔ دوسری صبح دونوں پرانے رقعوں کو نوحہ کی بیاض کی طرح ہاتھ میں لئے (پکڑے) رات کا سنا ہوا نوحہ پڑھتیں۔ گھر کے بڑے بزرگ ان کے شوق، محنت اور طرز خواندگی سے بہت متاثر ہوتے تھے۔ زرینہ کی والدہ سکینہ خانم بہت خوش گلو خاتون تھیں۔ وہ فارسی نوحے خاص طور پر بہت خوب پڑھتی تھیں۔ ان کی بڑی بہن عالیہ سلطانہ بھی مرثیے پڑھتی ہیں۔ اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ زرینہ کو مرثیہ خوانی اور خوش گلوئی ورثہ میں ملی ہے۔

زرینہ محرم کے دو مہینے آٹھ دن بہت مصروف رہتی ہیں۔ جہاں تک نذرانے کا سوال ہے یہ بانی مجلس سے کوئی مطالبہ نہیں کرتیں۔ جو بھی دیتے ہیں لے لیتی ہیں۔ اس تعلق سے وہ کہتی ہیں

''بہت پہلے کی بات ہے یادگار حسینی میں ایک مجلس میں مرثیہ پڑھ رہی تھی، محترمہ سلیمہ بیگم مرحومہ نے ایک لفافہ چپکے سے میری پرس میں ڈال دیا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ کسی مجلس کا رقعہ ہے۔ جو انہوں نے جلدی میں میرے پرس میں رکھ دیا۔ چلتے وقت میں انہیں لفافہ واپس کرنے لگی کہ شاید یہ آپ کا کوئی رقعہ ہے، لے لیں۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ رقعہ نہیں ہے بانی مجلس نے تمہیں نذرانہ دیا ہے۔ میں نے کہا میں کبھی نذرانہ نہیں لیتی۔ انہوں نے فوراً کہا کہ تم بدنصیب ہو۔ یہ نذرانہ تمہیں خوشی سے دیا گیا ہے۔ تمہیں حاجت مند سمجھ کر نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد سے میں نے نذرانہ لینا شروع کیا۔ نذرانہ کی جمع شدہ رقم میں سے کچھ تو مجلسوں میں آمد و رفت کے کرائے میں خرچ ہو جاتے ہیں اور کچھ میں بچا کر رکھ لیتی ہوں اور ۷ ربیع الاول کی عزاخانہ زہرا کی مجلس کے تبرک میں شریک کرتی ہوں۔ اس طرح ان تمام لوگوں کو بھی ثواب مل جاتا ہے

جنہوں نے اپنی مجلسوں میں مجھے نذرانہ دیا تھا۔''

زرینہ نے حیدرآباد کے علاوہ جاورہ، اجمیر، لکھنؤ، آگرہ، کراچی اور سندھ میں بھی مرثیہ خوانی کی عراق ایران اور شام کی زیارتوں کے بارے میں جہاں انہوں نے جی کھول کر مجلسیں کہیں، بیان کرتی ہیں۔

''میرے والد زیارتوں کے لئے جارہے تھے۔انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ وہاں سے میں تمہارے لئے کیا لاؤں۔ میں نے کہا کہ میرے حالات تو ایسے نہیں ہیں کہ زیارتیں کرسکوں آپ میرے لئے وہاں سے کفن لائیے۔میرے والد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔انہوں نے کہا تم ذاکرۂ امام ہو، مجلسیں پڑھتی ہو۔ وہی امام تمہیں بلائیں گے ان کی دعا کا اثر تھا کہ ایک قریبی عزیز نے مجھے چودہ معصومین کی زیارتیں کروائیں۔اور ہر روضہ پر میں نے جی کھول کر مجلسیں کیں۔''

ایام عزا میں بے شمار مجلسیں پڑھنے والی زرینہ اپنی طرف سے بڑے پیمانے پر کوئی مجلس نہیں کرتی تھیں اس سلسلے میں ایک معجزہ بیان کرتی ہیں۔

''عزاخانہ زہرا میں، میں ۷ ربیع الاول کو جو زنانی مجلس کرتی ہوں وہ ایک معجزہ ہے۔تقریباً سولہ (١٦) سال پہلے میں ایک خواب دیکھی تھی کہ عزاخانہ زہرا میں کچھ سیاہ پوش، سیاہ نقاب اوڑھے بی بیاں مجلس کررہی ہیں۔میں ایک کونے میں بیٹھی ہوئی ہوں۔امام باڑے کے داخلہ کے دروازے پر ایک ٹوکرا رکھا ہوا ہے جس میں کچھ میوہ ہے میں دل میں سوچ رہی ہوں کہ اتنی اچھی مجلس ہورہی ہے اور اتنے کم لوگ ہیں اور شاید ٹوکرے میں تبرک رکھا ہے صبح جب میں اپنا خواب اپنے جاننے والوں اور رشتہ داروں کو سنائی تو سب نے کہا کہ تم ''عزاخانہ زہرا'' میں پرسے کی وداعی مجلس کرنا شروع کردو۔کیونکہ ''عزاخانہ زہرا'' میں صرف مردانی مجلسیں ہوتی ہیں زنانی مجلس کوئی نہیں ہوتی (اب تو بہت سی مجلسیں ہونے لگی ہیں) شاید تمہیں وہاں مجلس کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔تم اسی سال سے مجلس کی بنا کردو۔یہ خواب میں پانچ یا چھ ربیع الاول کو دیکھی تھی۔ وقت بہت کم تھا۔دوڑ دھوپ کرکے سلطانہ آپا کے بھائی نے نواب علی پاشاہ سے اجازت دلوائی۔اجازت تو مل گئی۔مگر شرط رکھی کہ مجلس مختصر ہو۔اور کہا گیا کہ چونکہ خواب والا معاملہ ہے اس لئے صرف اس سال کی حد تک اجازت دی گئی ہے۔میں خوش ہوگئی کہ مجھے اپنے خواب کی تعبیر مل گئی۔بھلے ہی ایک سال کے لئے چنانچہ تھوڑے سے حصہ میں فرش کروائی، ٹوکرے میں میوہ بطور تبرک دروازے پر

رکھوادی اور مجلس کی بنا کردی۔ پہلے ہی سال سے میں اور میری بھانجی شاہ نور مرثیے پڑھتے ہیں محترمہ نفیس النساء ذاکری کررہی ہیں اور نوحے خاندان کی لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ اور اب ہر سال ۷ ربیع الاول کو بڑے سے کی یہ مجلس پابندی وقت سے ہوتی ہے۔"

زرینہ ہمیشہ سعید شہیدی مرحوم' رشید شہیدی اور اپنے بھانجے شاہ نواز کے ہی سلام اور نوحے پڑھتی ہیں۔ خود ہی طرزیں بناتی ہیں۔ بہت کم دوسروں کی طرزیں اپناتی ہیں۔ مرثیہ البتہ انیس و دبیر کے پڑھتی ہیں۔

زرینہ کے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے۔ دونوں کو بھی مرثیہ و نوحہ خوانی سے دلچسپی نہیں ہے ان کی بہو جو ان کے خاندان ہی کی ہیں' زرینہ کے ساتھ مجلسیں پڑھتی ہیں۔

سیّدہ سکینہ حیدر

سیدہ سکینہ نام' والد کا نام سید احمد حسین رضوی شوہر کا نام صنوبر حیدر۔ سکینہ حیدر ۱۹۶۷ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں اور عثمانیہ یونیورسٹی سے گریجویشن کیا۔ سکینہ حیدر کے خاندان میں مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی کی روایت کا ایک طویل سلسلہ ملتا ہے۔ ان کی دادی اللہ رکھی بیگم اپنے زمانے میں مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی کے لئے بہت مشہور تھیں۔ ان کی والدہ کنیز فاطمہ بھی پر درد آواز میں مرثیہ و نوحہ خوانی کرتی ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی سید علی حسین رضوی علی جان بھی بہت مشہور و معروف نوحہ خوان ہیں۔ سکینہ حیدر نے اپنے گھر میں نو دس سال کے سن میں پہلی مرتبہ مرثیہ اور نوحہ پڑھا تھا دادی اور والدہ سے انہوں نے مرثیہ خوانی سیکھی سکینہ خاندان کے علاوہ باہر بھی بہت مجلسیں پڑھتی ہیں۔ نذرانہ کوئی مقرر نہیں ہے۔ یہ بانی مجلس کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ جس پر انہیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا ہے۔ سکینہ حیدر کہتی ہیں'' جس دم نگین خاتم پیغمبراں گرا'' یہ مرثیہ میں خاص طور پر پڑھتی ہوں۔ اس کے علاوہ شہزادی سکینہ کے مرثیہ زیادہ پڑھتی ہوں ۔ مجلس میں شہزادی کا ذکر نہ ہو تو ادھورا محسوس ہوتا ہے۔ اکثر لوگ فرمائش کر کے یہ مرثیہ ''بانو سے دم بہ دم یہ سکینہ کا تھا بیاں'' پڑھواتے ہیں۔"

سکینہ حیدر مرثیہ خوانی کے علاوہ نوحہ خوانی کے لئے بھی بہت مشہور ہیں۔ اکثر لوگ انہیں اپنی مجلس میں مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی کے لئے مدعو کرتے ہیں۔ سکینہ حیدر کی آواز پر درد ہے۔

سیّدہ انور

سیّدہ انور نام۔ والد کا نام حشمت علی۔ شوہر کا نام فدا حسین رضوی۔ دسویں جماعت کا امتحان دیا تھا مگر فیل ہوگئیں۔ سیدہ انور کی نانی زہرا بیگم مرثیہ پڑھتی تھیں۔ اس وقت یہ بہت کم عمر تھیں۔ نانی کے علاوہ والدہ حسینی بیگم بھی نوحے مرثیے پڑھتی تھیں۔ نانی اور والدہ نے ان کی تربیت کی اور باقاعدہ مرثیے خوانی سکھائی مولوی اقبال علی زیدی صاحب نے ان کی بہت ہمت افزائی کی وہ اپنے گھر میں بچوں کی مجلس کرتے تھے۔ محلے کے کم عمر بچوں کو رکشہ بھیج کر گھروں سے بلاتے تھے۔ سیدہ انور بھی ان مجلسوں میں بلائی جاتی تھیں جہاں یہ مرثیہ خوانی کرتی تھیں۔ کم سن مدعوئیں نوحے مرثیہ اور ذاکری کرتے تھے جن کو نذرانہ بھی دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اختر جنگ مرحوم کی صاحبزادیاں بڑی بی جانی اور منجھلی بی جانی نے بھی ان کی حوصلہ افزائی کی۔ سیدہ انور "یادگار حسینی" میں دینیات کے مدرسہ میں ایک عرصہ تک عربی پڑھاتی تھیں۔ وہاں کے سالانہ جلسوں میں یہ حمد نعت اور نظمیں بھی پڑھتی تھیں۔

سیّدہ انور عام طور پر نئے نوحوں کی طرزیں خود ہی بنالیتی ہیں۔ لیکن مردانی مجالس میں پڑھے گئے نوحے بھی اپنا لیتی ہیں اور اچھی طرح سے ان طرزوں کی مشق کرنے کے بعد ہی وہ مجلسوں میں پڑھتی ہیں۔ سیدہ انور بانی مجلس کی خواہش پر پہلا یا دوسرا مرثیہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتیں جب تک مجلس تمام نہیں ہو جاتی دوسری مجلس میں نہیں جاتیں۔ اگر کبھی کسی دوسری مجلس میں پڑھنے کا وقت ہونے لگتا ہے تو وہ اپنی لڑکی سیمرا کو بھجوا دیتی ہیں۔ مجلس پڑھنے کا ان کا کوئی نذرانہ مقرر نہیں ہے۔ بانی مجلس اپنی حیثیت اور مرضی سے جو بھی دیتے ہیں لے لیتی ہیں۔ بعض وقت تو بانی مجلس کرایہ سواری بھی نہیں دیتے۔ تب بھی انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ یہ مخصوص تاریخوں میں صبح سے شام تک آٹھ تا دس مجلسیں پڑھتی ہیں۔ لیکن اس بات کا خیال ضرور رکھتی ہیں کہ دو مجلسوں کے درمیان کم از کم ایک گھنٹہ کا وقفہ ہو۔ بعض وقت یہ ایک مجلس اپنی لڑکی سیمرا سے پڑھواتی ہیں اور خود دوسری مجلس میں چلی جاتی ہیں۔ سیدہ انور جب حضرت عباس اور شہزادی زینب کے مرثیے پڑھتی ہیں تو ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے لرزہ طاری

ہونے لگتا ہے۔ سیدہ اپنی مرثیہ خوانی کی تاثیر اور قبولیت کے سلسلے میں ایک معجزہ بیان کرتی ہیں۔

''یہ معجزہ کربلائے معلیٰ میں حضرت عباسؑ کے روضہ مبارک میں ہوا۔ شب اربعین میں حضرت عباسؑ کے روضے میں ضریح مبارک کے بالکل قریب اکیلی کھڑی نوحہ ''شیر جواں مرگیا'' پڑھ رہی تھی میرے اطراف بدو عورتیں آکر کھڑی ہوگئیں اور رو رو کر سینہ زنی کرنے لگیں۔ میں نوحہ پڑھ رہی تھی۔ رونے کی آواز سن کر خدام نے خانم ممنوع ممنوع کہہ کر نوحہ بند کرنے پر اصرار کر رہا تھا۔ میں فوراً نوحہ پڑھنا ختم کردی۔ سلام پڑھ کر پلٹ کر جو پیچھے دیکھی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں بالکل اکیلی کھڑی ہوئی تھی۔ خدام یااللہ اللہ کہہ کر ضریح تک پہنچ گیا۔ میں ضریح کی زیارت کر کے وہیں حرم میں آنکھیں بند کئے جانماز بازو رکھ کر لیٹ گئی۔ حیدرآباد میں محلہ لنگر حوض میں میری کچھ زمین ہے اس وقت میں اسی کے بارے میں سوچنے لگی کہ مولا اپنے دربار سے آپ کوئی ایسی چیز مجھے عطا کردیجئے جسے میں اپنے نئے گھر کے عاشور خانے میں بطور تبرک رکھوں اور وہاں معجزے ہونے لگیں۔ ضرورت مندوں کی منتیں اور مرادیں پوری ہوں یہی سوچتے ہوئے مجھے نیند سی آگئی۔ خدام نے قریب آکر کہا خانم زیارت' زیارت خانم میں چونک کر اٹھ گئی تو دیکھا کہ جانماز پر آئینوں کے ٹکڑے رکھے ہوئے ہیں بالکل ایسے ہی جیسے کہ حرم مبارک کی دیوار میں جڑے ہوئے تھے۔ آئینوں کی پشت پر کچھ بھی لگی ہوئی تھی۔ میں آئینوں کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگا کر دیوار کی طرف چلی گئی۔ دیوار کے خالی مقام پر میں ان آئینوں کو لگا کر دیکھی تو بالکل صحیح فٹ ہوگئے۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ چاہے تو آپ بھی ان آئینوں کو میرے گھر آکر دیکھ سکتے ہیں۔''

سیدہ انور کی چار لڑکیاں ہیں۔ کوثر اور سمیرا مرثیہ وخوانی کرتی ہیں ان کا بڑا لڑکا بھی نوحہ خوانی کرتا ہے مگر کسی گروہ سے وابستہ نہیں ہے۔ سیدہ انور کی کوئی گروہ نہیں ہے۔ یہ ماں بیٹیاں ہی مرثیہ ونوحہ خوانی کرتی ہیں۔ اور انہیں امید ہیکہ ان کی لڑکیاں ان کے خاندان کی اس روایت کو آئندہ برقرار رکھیں گی۔

شرف النساء بیگم

شرف النساء بیگم نام بڑی بی جانی عرف۔ والد کا نام آغا سید عزیز اللہ شوستری۔ خطاب اختر جنگ بہادر' شوہر کا نام شہزادہ حسن علی مرزا (پرنس آف کلکتہ) شرف النساء کی آواز بہت اچھی تھی بچپن ہی سے انہیں شعر

وشاعری سننے کا شوق تھا۔ اپنے والد سے شعر سن کر یاد کر لیتی تھیں۔ گھر میں نوحہ اور مرثیہ خوانی کا چرچا عام تھا۔ چنانچہ مرثیے پڑھنا شروع کر دیا۔ شرف النساء ایرانی النسل تھیں۔ اس لئے اردو نوحوں کے علاوہ فارسی میں بھی خوب نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ شادی کے بعد بھی ان کے شوق کی تکمیل برابر ہوتی رہی۔ ان کے شوہر گانے بجانے کے بیحد شوقین تھے مگر ساتھ میں ان کے مذہبی عقاید بھی راسخ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کے شوق مرثیہ و نوحہ خوانی کی خوب ہمت افزائی کی۔ انہیں نوحوں کی نئی نئی طرزیں سکھاتے اور جب یہ مجلس میں پڑھتیں تو بہت خوش ہوتے۔ ابتداء میں شرف النساء صرف خاندان کی مجلسوں میں مرثیہ و نوحے پڑھتی تھیں۔ بعد میں باہر کی خواتین انہیں خاص طور پر مرثیہ و نوحہ خوانی کے لئے مدعو کرتی تھیں۔ شرف النساء بیگم ''یادگار حسینی'' کے مدرسہ دینیات کے عرصہ تک صدر تھیں۔ ''یادگار حسینی'' کی اکثر مجلسوں میں یہی پڑھتی تھیں۔

شرف النساء کے صرف ایک لڑکا عابد علی مرزا ہیں جو مدراس میں مقیم ہیں۔ شرف النساء نے فقہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اور باضابطہ فقہی مسائل پر گفتگو کرتی تھیں۔[1]

شاہ نور

شاہ نور سلطانہ نام' والد کا نام احمد علی مرزا' شوہر کا نام مرزا سلطان علی بیگ' ۔۱۹۵۲ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ نویں جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ بچپن ہی سے انہیں نوحے' مرثیے' پڑھنے کا شوق تھا۔ اپنی والدہ اور خالہ سے نوحے سن کر زبانی یاد کر لیتی تھیں۔ شاہ نور کے خاندان کے بزرگ ان کی پردرد آواز کی بہت تعریف کرتے اور انہیں بڑھاوا دیتے تھے۔ خاص طور پر ان کی ممانی نفیس النساء بیگم ذاکرہ نے ان کی ہمت افزائی کی۔ شاہ نور نے پہلی مجلس ۲ر صفر کو اپنی نانی کے گھر میں پڑھی۔ اس میں انہوں نے پہلی بار نوحہ ''احساس رلاتا ہے زینب تیری غربت کا'' پڑھا تھا جو بہت پسند کیا گیا۔ اس کے بعد ان کی جھجک دور ہو گئی اور پڑھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شاہ نور کی والدہ اور خاندان کی دوسری بزرگ خواتین مرثیہ و نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ انہیں پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ مگر جب ان کی والدہ کی آواز ساتھ نہیں دینے لگی تو ان

---

[1] یہ تفصیلات شرف النساء بیگم کے بھانجے کیپٹن سید اصغر ہادی صادق صاحب سے حاصل ہوئیں۔

کے کہنے پر شاہ نور نے مرثیہ بھی پڑھنا شروع کیا ورنہ صرف وہ نوحہ خوانی کرتی تھیں۔

شاہ نور محرم کے دو مہینے آٹھ دن بے حد مصروف رہتی ہیں۔ وہ بلا تخصیص چھوٹے بڑے' امیر اور غریب ہر ایک کے یہاں مجلس پڑھتی ہیں۔ کس مجلس میں کونسا مرثیہ اور نوحہ پڑھنا ہوتا ہے' انہیں یاد رہتا ہے اور وہ پہلے ہی سے نکال کر رکھ لیتی ہیں۔ البتہ سلام جو بھی بالکل نئے ملتے ہیں تو ان کی طرز خود ہی بنا کر پڑھتی ہیں۔ ایک دن میں پانچ چھ مجلسیں بھی پڑھ لیتی ہیں بانی مجلس کی طرف سے ان کی آمد و رفت کا کوئی انتظام نہیں رہتا خود ہی اپنے آپ چلی جاتی ہیں کبھی کرایہ مل جاتا ہے' اور کبھی نہیں ملتا' البتہ دور کی مجلسوں کے لئے گاڑی کا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ شاہ نور ابتدا میں نذرانہ بالکل نہیں لیتی تھیں۔ ان کے شوہر بھی نذرانہ کے سخت مخالف تھے اس سلسلے میں وہ کہتی ہیں۔

''ایک بانی مجلس نے نذرانہ لینے کے لئے بے حد اصرار کیا یہاں تک کہ پاؤں چھو کر منت کرنے لگیں کہ اسے نذرانہ نہ سمجھیں۔ کرایہ سواری سمجھ کر لے لیں۔ میں نے کہا کہ اپنے شوہر سے پوچھ کر لوں گی۔ گھر آ کر میں نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں اپنے بڑے بھائی سے اس بارے میں دریافت کروں گا۔ بہر حال میرے جیٹھ نے مولوی اختر زیدی صاحب قبلہ سے اس بارے میں بات کی تو انہوں نے کہا کہ اگر کوئی اپنی خوشی سے' عاجزی منت کر کے کرایہ کا نام لے کر دے رہا ہے تو لینے سے انکار نہ کریں۔ کیوں کہ چوتھے امام نے بھی مجلس کے بعد نذرانہ دیا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد سے اگر کوئی اپنی خوشی سے کرایہ اور نذرانہ دیتے ہیں تو لے لیتی ہوں۔ کوئی نہ بھی دے تو مطالبہ نہیں کرتی۔ میرا نذرانہ مقرر بھی نہیں ہے۔ جو بھی ملتا ہے لے لیتی ہوں۔''

شاہ نور کا کہنا ہے کہ چہاردہ معصومین کی زیارتوں کا سفر ان کے لئے ایک معجزہ تھا۔ اس تعلق سے وہ کہتی ہیں

''۱۹۹۵ء میں ایک محترمہ کی مہربانی سے مجھے چودہ معصومین کی زیارتیں کرنے کا موقع بھی نصیب ہوا' جو ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔ سفر پر روانگی سے دو تین دن پہلے میرے پیٹ میں Apscess ہو گیا تھا۔ میں سخت بیمار ہو گئی تھی۔ لگتا تھا کہ سفر ممکن نہ ہوگا۔ مگر خدا کے فضل اور مولا کے تصدق سے سفر شروع ہو گیا۔ پہلے مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں میری طبیعت ایک دم بگڑ گئی میں رو رو کر کہنے لگی مالکی جب کوئی زائر گھر سے نکلتا

ہے تو اس کے ساتھ حضرت عباسؑ ہوتے ہیں۔ میرے ساتھ کوئی نہیں آیا۔ اور میں یہاں آ گئی مجھے روتا دیکھ کر میرے ساتھ والے بھی رونے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد دو لڑکے آئے اور کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے یہاں کسی آنٹی کی طبیعت خراب ہے۔ اور پھر وہ دونوں اپنے ساتھ مجھے دواخانہ لے گئے۔ ڈاکٹر نے بعد معائنہ کہا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ Abscess کے لئے آپ نے بہت ساری دوائیں ایک ساتھ کھالیں۔ اس لئے آپ کو شدید چکر آ رہے ہیں۔ ان لڑکوں نے مجھے خاک شفا کھلائی۔ اور مجھ سے کہا کہ آپ جب شام جایئے گا تو حضرت سکینہ کے مزار پر میری طرف سے نوحہ پڑھئے۔ میرا اخلوص اور عقیدت تھی کہ میں بالکل نارمل ہو گئی تھی۔ اور ساری زیارتیں بشمول عمرہ بخیر و خوب انجام پائے۔ شام میں جناب سکینہ کے روضہ پر دو بار نوحہ خوانی کا موقع ملا۔''

شاہ نور کی نوحہ و مرثیہ خوانی کی کوئی گروہ نہیں ہے۔ خاندان کی خواتین اور نوجوان لڑکیاں اور خود ان کی لڑکی' ان کے جوابدار ہوتی ہیں۔

ان کی دو لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ دونوں لڑکیاں گریجویٹ ہیں اور شادی شدہ ہیں۔ دونوں کی آوازیں بھی ان کی طرح پرسوز ہیں اور یہ بھی خوب پڑھتی ہیں۔

صغرا بیگم

چودہ سال کی عمر میں صغرا بیگم کی شادی سید حمایت علی مرثیہ خوان سے ہوئی۔ شادی کے چھ سال بعد یعنی بیس برس کی عمر سے اپنے شوہر کے مکان سے مرثیہ خوانی کی ابتداء کی۔ صغرا بیگم اپنے ساتھ خاندان کی چھ سات خواتین کو لے کر مرثیہ خوانی کرتی تھیں۔ ان خواتین میں صرف ان کی نند کنیز مہدی بقید حیات ہیں ۔ یہ تمام خواتین بہت ہی اہتمام کے ساتھ اس زمانے کی مشہور سواری شکرام میں مرثیہ خوانی کے لئے جاتی تھیں ۔ عشرہ اول کی جن مجلسوں میں یہ مرثیہ خوانی کے لئے جایا کرتی تھیں وہ دیوڑھی نواب فخر الملک' دیوڑھی نواب ثریا یار جنگ' دیوڑھی نواب صوبہ سعید الدولہ' دیوڑھی نواب کمال یار جنگ دیوڑھی نواب عنایت جنگ' دیوڑھی نواب محکم جنگ' دیوڑھی نواب باقر نواز جنگ' دیوڑھی نواب حکمت جنگ' دیوڑھی

نواب جہانگیر یار جنگ' ڈیوڑھی نواب آغا یار جنگ اور ڈیوڑھی نواب مہدی جنگ کے علاوہ عاشور خانہ موتی بیگم' عاشور خانہ قطبی گوڑہ' عاشور خانہ والا جاہی شامل تھیں۔ یہ خواتین شکرام میں گھر کی مجلس کے بعد دن کے ٹھیک تین بجے اپنے گھر سے نکلتی تھیں اور رات کے گیارہ بجے تک واپس ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں خواتین میں زیادہ مرثیہ خوان نہیں تھیں۔

صغرا بیگم نے اپنے شوہر حمایت علیؑ سے ہی مرثیہ خوانی سیکھی۔ ان کی آواز بہت اچھی تھی اور پردرد' سوز سلام اور مرثیہ خوب پڑھتی تھیں اس کے علاوہ اردو اور فارسی نوحے بھی پڑھتی تھیں صغرا بیگم کی والدہ مہدی بیگم بھی فارسی نوحے پڑھا کرتی تھیں۔ عشرہ اول سے آٹھ ربیع الاول تک مجلسوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور یہ خواتین برابر مرثیہ خوانی میں مصروف رہتی تھیں۔ اس کے علاوہ سال کی دیگر غم کی تاریخوں میں مجالس اور خوشی کی تاریخوں میں جشن بھی پڑھا کرتی تھیں۔ مرثیے خوانی کا یہ سلسلہ اس خاندان میں اب بھی جاری ہے ۔صغرا بیگم کی بہو رقیہ بیگم اہلیہ میر ولایت علی مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔ جن کا علحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ صغرا بیگم کی لڑکیوں میں طاہرہ بیگم چاند اور ذکیہ بیگم اصغری خوش گلو خواتین ہیں جو مرثیہ خوانی کے علاوہ اردو اور فارسی میں نوحہ خوانی بھی کرتی ہیں۔ [1]

کنیز حسنین زرینہ

کنیز حسنین نام' عرف زرینہ۔ والد کا نام میر اکبر علی خاں' شوہر کا نام میر عباس علی۔ زرینہ ۲۲ رجولائی ۱۹۵۴ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ انٹر میڈیٹ تک تعلیم حاصل کی۔ انہیں بہت کم عمری سے نوحہ مرثیہ پڑھنے کا شوق تھا۔ جو بھی طرزیں والفاظ سنتیں وہ ذہن نشین کر لیتیں اور زبانی پڑھا کرتی تھیں۔ صاحب بیاض ہونے کے بعد ان کا پہلا نوحہ حجاب بلگرامی کا تھا۔ زرینہ نے خود اپنے شوق سے مرثیہ خوانی سیکھی۔ اس سلسلے میں ان کا کوئی بھی استاد نہیں تھا۔ وہ کہتی ہیں۔

''میں نے ہر کسی سے سیکھا میرے بزرگ ذاکرین دوست ذاکرین' کم عمر ذاکرین ہی میرے استاد ہیں۔''

زرینہ ویسے تو خاندان' پاس پڑوس میں مرثیے پڑھتی ہی تھیں۔ لیکن مجمع سے جب وہ متعارف ہوئیں تو

---

[1] یہ تمام تفصیلات صغرا بیگم کے فرزند میر تقی علی افسر مرثیہ خوان سے حاصل ہوئیں۔

اس وقت وہ پانچویں جماعت کی طالبہ تھیں۔ ڈاکٹر اختر احمد مرحوم کے گھر مرثیہ خوانی کے لئے انہیں مدعو کیا گیا تھا اور یہیں سے وہ بڑی اور عام مجلسوں میں آہستہ آہستہ متعارف ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ان کی اپنی ایک الگ پہچان بن گئی۔

زرینہ نے حیدرآباد کے علاوہ کہیں اور مجلس نہیں پڑھی۔ ان کی کوئی گروہ بھی نہیں ہے۔ نہ یہ کسی گروہ سے وابستہ ہیں۔ البتہ اکبر آغا صاحب جو پروگرام آرگنائزر ہیں' انہوں نے ان کا اور شاہانہ جعفری کے نوحوں کا ایک کیسٹ بنایا تھا۔

زرینہ نے صرف دو تین سلاموں کی خود طرزیں بنائی ہیں ورنہ عام طور پر وہ دوسروں کی ہی بنائی ہوئی طرزیں پڑھتی ہیں۔ مجلس میں مدعو کرنے پر وہ خود ہی اپنے طور پر چلی جاتی ہیں۔ اگر مجلس کا مقام دور ہو اور پتہ سے واقف نہ ہوں تو بانی مجلس ان کی آمد و رفت کا خود انتظام کرتے ہیں۔ جہاں تک نذرانہ کی بات ہے' اس سلسلے میں ان کا کوئی مطالبہ نہیں ہوتا۔ جس نے جو بھی نذر دی لے لیتی ہیں۔ اپنی ذاکری کی مقبولیت کا ایک واقعہ بیان کرتی ہیں۔

''میرے ایک واقف کار کے ساتھ میری ذاکری کے تعلق سے ایک واقعہ ہوا تھا۔ یہ واقعہ میرے تعلیمی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ ہمارے ایک واقف کار امارات میں ملازمت کے دوران چہاردہ معصومین کی زیارت کو گئے۔ شہزادی زینب کے روضے میں انہوں نے مجھے روضے کی جالی پکڑے طواف کرتے ہوئے قریب سے دیکھا۔ یہ سمجھ کر کہ شاید حیدرآباد سے کوئی قافلہ آیا ہے' انہوں نے جہاں بھی حیدرآبادی قافلے قیام پذیر ہوتے تھے' میرے بارے میں دریافت کیا۔ انہیں نفی میں جواب ملا۔ حیدرآباد سے کوئی قافلہ ہی نہیں آیا تھا ان کے پاس میرا ریکارڈ کیا ہوا نوحہ ''گھبرائے گی زینب'' کا کیسٹ تھا۔ دوسرے دن انہوں نے روضے میں یا روضے کے باب الداخلہ پر بیٹھ کر کیسٹ اپنے ٹیپ ریکارڈر میں لگایا۔ اور گریہ کرنے لگے ان کے کہنے کے مطابق جب نوحہ ختم ہوا اور کوئی وہیں کی شہری خاتون سیاہ لباس میں جو خود بھی اشک بار تھیں ایک سکہ مقامی دیا اور اشاروں میں یہ کہا کہ یہ جس نے پڑھا ہے انہیں دے دینا۔ میرے محترم واقف کار نے یہ تمام واقعہ کیسٹ میں بھر کر اپنے والد محترم کو روانہ کیا۔ اور ان کے والد محترم مرحوم نے مجھے سنایا۔ میں سمجھتی ہوں شاید یہ میری ذاکری کی مقبولیت ہی کی بھیک تھی جو جناب زینب کے در سے میری آج تک

بھی آپ تمام میں پہچان بنائے ہوئے ہے۔ ''لوگ میرے نام زرینہ سے نہیں بلکہ گھرائے کی نسبت سے پہچاننے لگے۔''

زرینہ کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔

سیّدہ کاظم النساء بیگم

سیّدہ کاظم النساء بیگم نام' والد کا نام سید محمد حسین رضوی (مرثیہ خوان) شوہر کا نام سید مشرف علی رضوی کاظم النساء بیگم حیدرآباد میں پیدا ہوئیں اور آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی کاظم النساء نے آٹھ سال کی عمر سے اپنے والد کے ساتھ بازوداری شروع کی ان کے دونوں بھائی بہت چھوٹے تھے۔ اس لئے وہ اپنے والد کے ساتھ مجلسوں میں جاتی تھیں وہیں سے انکی مرثیہ خوانی کی ابتدا ہوئی۔ بعد میں لوگوں کے اصرار پر نوحہ خوانی بھی شروع کی۔ کاظم النساء بیگم کی تمام تر دلچسپی اور توجہ مرثیہ خوانی پر مرکوز تھی۔ اپنے والد کے ساتھ رہ کر انہوں نے مرثیہ خوانی میں مہارت حاصل کر لی۔ نوحہ خوانی ضرورت ہوئی تو کر لیتی تھیں۔ بسم اللہ بیگم ''گروہ فاطمہ'' کی صدر تھیں اور نوحہ خوانی کے رموز سے ہر طریقہ سے واقف تھیں۔ کاظم النساء بیگم نے ان کی سرپرستی میں فارسی و اردو نوحہ خوانی سیکھی۔ اور ان ہی کے ساتھ نوحہ خوانی بھی کرتی تھیں ۔ بسم اللہ بیگم کے بعد گروہ کے اراکین میں اختلافات پیدا ہو گئے اور ایک نئی گروہ ''گروہ ثانی زہرا'' قائم ہوئی۔ کاظم النساء بیگم آج تک اسی گروہ سے وابستہ ہیں۔ وہ کہتی ہیں۔

''اسی خدمت کا صدقہ ہے کہ بارگاہ ثانی زہرا سے ان کے شہزادوں کی خدمت کا موقع ملا۔ میری خدمت کو مدنظر رکھتے ہوئے عاشورخانہ شہزادگان عون و محمد کے کرتا دھرتا محترمہ امیر النساء بیگم نے وقت آخر مجھے گھر سے بلا کر عاشورخانہ میرے سپرد کیا اور مجھے جانشین بنایا۔''

کنیز فاطمہ

کنیز فاطمہ نام' والد کا نام مرزا عباس علی بیگ۔ شوہر کا نام سید محمد باقر۔ کنیز فاطمہ جولائی ۱۹۳۸ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ میٹرک کامیاب کرنے کے بعد میڈیکل لائن میں سرکاری ملازم ہو گئیں۔ کنیز فاطمہ کے والد مرزا عباس علی بیگ شاہی سوز خوان تھے۔ آصف جاہ ششم نے ان کی سوز خوانی اور مرثیہ خوانی سے متاثر ہو کر منصب عطا کی تھی۔ ان کی بڑی بہن بتول بیگم بھی مرثیہ خوان تھیں۔ گھر کے اس ماحول میں کنیز فاطمہ کی پرورش ہوئی۔ چنانچہ بہت کم عمری ہی سے انہیں بھی مرثیہ و سوز خوانی کا شوق پیدا ہوا۔ ابتدا میں اپنی بہن کی بازو دار رہیں۔ جب وہ علیل ہو گئیں تو ان کی جگہ کنیز فاطمہ نے لے لی۔ اور اس طرح ان کی مرثیہ خوانی کا آغاز ہوا جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ بتول بیگم صرف ہندوستانی طرز میں مرثیے پڑھتی تھیں لیکن کنیز فاطمہ زیادہ تر دکنی طرز میں پڑھتی ہیں۔ ابتدا میں یہ سوز خوانی بھی کرتی تھیں' لیکن اب مزاج ناساز رہنے لگا' اس لئے صرف مرثیہ خوانی کر لیتی ہیں۔ بتول بیگم جن نوابین کی دیوڑھیوں میں مجلسیں پڑھتی تھیں' وہ تمام مجلسیں کنیز فاطمہ نے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ مزید دو چار مقامات پر کنیز فاطمہ مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔ کنیز فاطمہ نے حیدر آباد سے باہر کہیں مرثیہ خوانی نہیں کی۔ البتہ ریڈیو اسٹیشن سے وہ محرم کے پروگراموں میں حصہ لیتی ہیں۔ مرثیہ خوانی کے علاوہ کنیز فاطمہ مجلسوں میں بانی مجلس کی خواہش پر نوحے بھی پڑھتی ہیں۔ ان کے نوحوں کی طرزیں سادہ اور قدیم ہوتی ہیں۔ ماتمی گروہوں کے انداز نوحہ خوانی سے ان کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ آج کل چھ آٹھ بند پر مشتمل مراثی کے مختلف انتخاب شایع ہونے لگے ہیں۔ کنیز فاطمہ کا خیال ہے کہ بانی مجلس جب اتنی خواہش اور اہتمام سے مجلس منعقد کرتے ہیں تو مرثیے کے صرف چھ یا آٹھ بند پڑھ دینا مناسب نہیں ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ مجموعہ مراثی "شمشیر ماتم" سے انیس و دبیر کے مرثیے ہی پڑھتی ہیں' جو سولہ تا اٹھارہ بند پر مشتمل ہوتے ہیں۔

کنیز فاطمہ کو بانی مجلس کرایہ آمد و رفت دیتے ہیں۔ مگر جہاں تک نذرانے کا تعلق ہے' ان کا کوئی مطالبہ نہیں نہ کوئی مقرر کردہ نذرانہ ہوتا ہے۔ جو جتنا دیتا ہے وہ قبول کر لیتی ہیں۔

۱۹۵۲ء میں کنیز فاطمہ کی شادی ہوئی۔ ان کے چھ لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ ان میں صرف چھوٹی لڑکی مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔

لاڈلی بیگم

لاڈلی بیگم نام ۔ والد کا نام سید منظر علی اشہر شوہر کا نام سید سردار علی سید منظر علی اشہر یوپی سکندرہ سے حیدرآباد آئے تھے اور محکمہ بندوبست میں ملازمت اختیار کی ۔ اشہر صاحب دیوان شاعر ہونے کے علاوہ ایک کتاب کے مصنف بھی تھے جس میں انہوں نے یوپی سے حیدرآباد آنے والوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔ لاڈلی بیگم کی والدہ بجن بیگم بھی سکندرہ سے آئی تھیں ۔ وہ نواب عقیل جنگ بہادر کی اہلیہ عالیہ بیگم کی رشتہ دار تھیں ۔ لاڈلی بیگم ۱۹۱۶ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں ۔ ان کے دو بھائی بھی تھے ۔ مگر یہ ان دونوں سے بڑی تھیں ۔ نامپلی گرلز ہائی اسکول سے میٹرک کامیاب کرنے کے بعد لاڈلی بیگم نے پڑھائی کا سلسلہ منقطع کر دیا اور کلیہ اناث جامعہ عثمانیہ میں کینٹین چلانے لگیں ۔ لاڈلی بیگم کی شادی سید سردار علی سے ہوئی جو شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی کے حقیقی نواسے تھے ۔ سردار علی محکمہ پولیس میں ملازم تھے ۔ سردار علی صاحب انتقال کے وقت ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس حیدرآباد رینج تھے ۔ مولانا حالی کی دوسری بیٹی کے لڑکے خواجہ احمد عباس صاحب ہیں ۔

لاڈلی بیگم نے بہت اچھی آواز پائی تھی ۔ لاڈلی بیگم نے بچپن سے پڑھنا شروع کیا ۔ قدرت کی ودیعت کردہ پرسوز آواز دلوں کو چھو لیتی تھی اور بے اختیار آنسو امنڈ آتے تھے ۔ حیدرآباد کے بیشتر گھرانوں میں انہیں خاص طور پر پڑھنے کے لئے مدعو کیا جاتا تھا ۔ نوحے مرثیہ اور سوز بہت اچھا پڑھتی تھیں ۔ حیدرآباد ریڈیو سے محرم کے پروگراموں میں مرثیہ خوانی کرتی تھیں نواب سراج یار جنگ نواب مہدی یار جنگ کے علاوہ دوسرے گھرانوں میں بھی یہ مرثیہ پڑھتی تھیں ۔ ۱۹۵۷ء میں لاڈلی بیگم نے انتقال کیا ۔ ان کے چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے ۔ واصف علی لندن میں ' نجف علی ' عابد علی ' کریکٹر کے علاوہ شبیر علی ہیں ۔ ایک لڑکی پروین نامی بھی ہیں ۔ [1]

منجھلی بیگم

رحیم النساء نام ' منجھلی بیگم عرف ۔ والد کا نام سید اصغر علی خاں ۔ شوہر کا نام میر عباس علی رضوی انہیں سالار جنگ اسٹیٹ سے پچیس روپے منصب مقرر تھی ۔ اور پانچ روپے کرایہ آمد و رفت دیئے جاتے تھے ۔ منجھلی بیگم نے بیس سال کی عمر میں مرثیہ خوانی شروع کی ۔ وہ نواب عنایت جنگ نواب سرتاج جنگ اور

---

[1] یہ ساری تفصیل عسکری پنجتن صاحب سے حاصل ہوئیں ۔

نواب شمشیر جنگ وغیرہ کے علاوہ کئی مجلسوں میں مرثیہ خوانی کے لئے مدعو کی جاتی تھیں ۔ منجھلی بیگم کی آواز اچھی تھی ۔ پڑھنے کا انداز بھی اثر انگیز تھا اس لئے بانی مجلس عام طور پر ان سے دوسرا مرثیہ پڑھواتے ۔ اس زمانے کی خواتین مرثیہ خوانوں میں ان کا ایک خاص مقام تھا ۔ تقریبا ہر عزا خانے میں ان کی مرثیہ خوانی ضروری سمجھی جاتی تھی ۔

منجھلی بیگم کی دو بیٹیاں زینب بیگم اور عسکری بیگم جوابدار تھیں ۔ بانی مجلس شکرام یا تانگہ بھیج کر انہیں بلاتے تھے ۔ منجھلی بیگم کوہ مولا ل علی پر امجد علی خاں کے مقبرہ میں سکونت پذیر تھیں ۔ وہاں آم اور املی کے درخت تھے ۔ اس کی آمدنی منصب بند ہو جانے کے بعد گزر بسر کا واحد ذریعہ تھی ۔ اس کے علاوہ اگر کوئی کچھ دیتے تو یہ لے بھی لیتے تھے ۔ محرم میں ایام عزا میں یہ کوہ مولا علی سے شہر آ جاتے اور محلہ جاماباغ میں تارا صاحب جاگیردار کے گھر کے بازو گلی میں کرایہ کے گھر میں رہتے تھے ۔ محرم کے بعد یہ پھر کوہ مولا علی واپس چلی جاتیں ۔

زینب بیگم کی شادی منجھلی بیگم کی زندگی میں گیارہ سال کی عمر میں ہوگئی تھی ان کی چار اولادیں ہوئیں دو بیٹیاں اور دو بیٹے بیٹیاں نجیب النساء اور شمس النساء بھی کوہ مولا علی پر رہتی تھیں ۔ عسکری بیگم کی شادی نہیں ہوئی تھی ۔ منجھلی بیگم کے انتقال کے وقت عسکری بیگم بارہ تیرہ سال کی تھیں ۔ اس وقت عسکری بیگم بقید حیات ہیں اور ان کی عمر پچھتر سال سے اوپر ہے ۔ یہ ساری تفصیلات عسکری بیگم سے معلوم ہوئیں ۔ عسکری بیگم کا کہنا ہے کہ اگر منجھلی بیگم مجلس میں دیر سے بھی جاتیں تو بانی مجلس ان کے انتظار میں رہتی تھیں ۔ ان کے آنے کے بعد ہی مجلس شروع کی جاتی تھی ۔ منجھلی بیگم نے مختصر سی علالت کے بعد ۱۹۴۰ء میں انتقال کیا ۔

منیر فاطمہ رضوی

سیدہ منیر فاطمہ رضوی نام' والد کا نام سید حیدر حسین رضوی ۔ شوہر کا نام سید ناظر حسین زیدی ۔ منیر فاطمہ ستمبر ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں ۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد گھڑیوں کی پرائیویٹ کمپنی میں دو سال تک ملازمت کی ۱۹۶۶ء میں شادی کے بعد ملازمت ترک کر دی ۔

منیر فاطمہ کو درد بھری آواز اور مرثیہ خوانی کی روایت ورثہ میں ملی ہے۔ ان کے خاندان میں نانی اور والدہ کے علاوہ دونوں پھوپھیاں بھی اپنے زمانے کی مشہور مرثیہ پڑھنے والی خواتین میں شمار کی جاتی تھیں ۔منیر فاطمہ کے گھر میں مرثیہ خوانی کی روائیت اور عزاداری کے مراسم کا بہت تذکرہ رہتا تھا۔ اس ماحول نے ان میں بھی مرثیہ خوانی کا شوق پیدا کر دیا۔ منیر فاطمہ محرم کے پہلے عشرے میں ''دورے'' کی مجلسوں میں اپنے بزرگوں کے ساتھ شریک رہتی تھیں ۔ اس طرح انہیں نوحے زبانی ہو جاتے تھے۔ وہ اپنے ہم عمر محلے کی لڑکیوں کو جمع کر کے مجلسیں کرتیں اور خود ان مجلسوں میں نوحے خوانی کرتی تھیں ۔ ان کی آواز طرز خواندگی اور بے انتہا شوق سے خاندان کے بزرگ متاثر ہو کر اپنی مجلس میں ان سے نوحے پڑھوانے لگے۔ اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی۔ اس کے بعد ان میں حوصلہ پیدا ہوا اور یہ مرثیہ خوانی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ منیر فاطمہ نے بارہ سال کی عمر میں پہلی سالانہ مجلس اپنے والد کے گھر میں پڑھی۔ وہ اس کی تفصیل اس طرح بیان کرتی ہیں۔

''بارہ صفر کو میرے والد سید صفدر حسین کے گھر میں زنانی مجلس ہوا کرتی تھی۔ جس میں میری پھوپی نظیر النساء اور طیبہ بیگم کی مرثیہ خوانی کے علاوہ سلیمہ بیگم ذاکری کرتی تھیں ۔ جب بزرگوں نے دیکھا کہ میں اچھا خاصہ مرثیہ پڑھ لیتی ہوں تو انہوں نے میرے والد سے کہا کہ گھر کی مجلس میں منیر اگر مرثیہ پڑھیں تو بہتر ہے۔ میرے والد نے طیبہ بیگم کے بجائے مجھ سے وہی مرثیہ جو وہ پڑھتی تھیں' پڑھوایا۔ ان کی مخصوص اور قدیم طرز میں میں پہلی مرثیہ ''ابن علی جو باغ رسالت لٹا چکا'' پڑھی۔ اور یوں میری مرثیہ خوانی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔''

منیر فاطمہ محرم میں روزآنہ پانچ تا آٹھ مجلیس پڑھتی ہیں۔ جب ایک ہی وقت میں دو تین مجلسیں ہوں تو وہ بانی مجلس سے وقت کی تبدیلی کی خواہش کرتی ہیں اور کوشش کرتی ہیں کہ دو مجلسوں کے درمیان کم از کم آدھا گھنٹے کا فرق ضرور ہو۔ منیر فاطمہ کا کہنا ہے کہ مرثیے خوان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مجلس تیار کر کے ذاکر کے حوالے کر دے اگر پہلے مرثیہ پر رقت زیادہ ہو جاتی ہے اور دوسرے مرثیہ خوان نے اگر مرثیے کو طول دیا اور مجلس ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو ذاکر کے لئے مجلس کو اٹھانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر پہلا مرثیہ اچھا ہو خوب رقت ہوئی ہو تو دوسرے مرثیہ خوان کو چاہئے کہ اپنا مرثیہ مختصر کر دے تا کہ ذاکر کو تیار مجلس ملے۔

جہاں تک مجلسوں میں آمد و رفت کا سوال ہے' اگر بانی مجلس سواری کا انتظام کر کے بلاتے ہیں تو ٹھیک ورنہ وہ خود چلی جاتی ہیں۔ لیکن فاصلہ زیادہ ہو تو ایسی صورت میں بانیان مجلس اپنی طرف سے سواری بھجوا کر بلاتے ہیں۔ یا پھر ان سے آٹو میں آنے کی خواہش کرتے ہیں۔ بعض وقت انہیں کرایہ آمد و رفت' ملتا ہے اور کبھی نہیں بھی ایسی صورت میں یہ مطالبہ نہیں کرتیں۔ منیر فاطمہ اپنی مرثیہ خوانی کے تعلق سے ان کے کسی عزیز کا خواب اس طرح بیان کرتی ہیں۔

''میرے ایک عزیز نے ایک خواب دیکھا کہ میں اپنے گھر میں مجلس کر رہی ہوں۔ اور وہ اس مجلس میں شریک ہونے جلدی جلدی آ رہی ہیں۔ ابھی وہ گھر میں داخل بھی نہیں ہوئیں کہ ایک بی بی میرے گھر سے باہر نکلتے ہوئے ان سے کہہ رہی ہیں' جاؤ جلدی اندر جاؤ منیر فاطمہ مرثیہ پڑھ رہی ہیں'' جب خاتمہ بخیر ہوا فوج شاہ کا'' جناب سیدہ تشریف لائی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان عزیز کی آنکھ کھل گئی اور وہ میرے گھر آ کر اپنا یہ خواب سنا گئیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ میری مرثیہ خوانی قبول ہو گئی۔''

منیر فاطمہ پر مرثیہ پڑھتے وقت ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے سارا جسم کپکپانے لگتا ہے اور تب ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ سننے والوں کی آنکھ سے دو آنسو ٹپک پڑیں۔ حیدرآباد کے علاوہ انہوں نے چہاردہ معصومین کی زیارتوں کے دوران ہر مقام پر مرثیہ خوانی کی۔

منیر فاطمہ کے تین لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں۔

منیر موسوی

منیر النساء نام' والد کا نام سید محمد علی موسوی' شوہر کا نام سید مظہر حسین۔ منیر نومبر ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ یہیں تعلیم حاصل کی۔ میٹرک کامیاب کرنے کے بعد ٹیلی فون آپریٹر کی ٹریننگ حاصل کی اور اب نیو انڈیا انشورنس کمپنی میں آندھرا پردیش کی پہلی خاتون ڈیولپمنٹ آفیسر ہیں۔ منیر کو بچپن ہی سے مرثیہ خوانی کا شوق تھا۔ گھر میں تینوں بڑی بہنیں بشیر جعفری' شمس رضوی اور بلقیس تقی مرحومہ بہترین مرثیہ خوانی کرتی تھیں۔ یہ اپنی بہنوں کے مرثیوں کو جواب دیتے دیتے' خود بھی مرثیہ پڑھنا سیکھ گئیں۔ اس کے

علاوہ ان کے بڑے بھائی بھی انہیں مرثیوں کی طرزیں سکھاتے تھے۔ اپنے اس شوق کی تکمیل کے لئے وہ خاندان کی ہم عمر لڑکیوں کو جمع کر کے محرم میں مجلس کرتی تھیں۔ ان مجلسوں میں وہ خود ہی مرثیے اور نوحے پڑھتیں۔ انہوں نے دس سال کی عمر سے نہ صرف نوحے پڑھنا شروع کر دیا تھا بلکہ مرثیے بھی پڑھنے لگی تھیں۔ شادی کے بعد کچھ عرصہ کے لئے وہ اپنے شوہر کے ساتھ بنگلور چلی گئی تھیں۔ وہاں بھی انہیں لوگ اپنے یہاں مرثیے پڑھنے مدعو کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو سے محرم کے پروگراموں میں برابر حصہ لیتی رہیں۔ ابتدا میں نوحے خوانی کرتی تھیں' پھر مرثیے پڑھنے لگیں۔ منیر کو خاندان کے علاوہ باہر کے لوگ بھی مرثیہ پڑھنے مدعو کرتے ہیں۔

منیر ایک مجلس کا واقعہ جوان کے نزدیک معجزہ تھا بیان کرتی ہیں۔

''میں اپنی بڑی پھوپی صاحبہ کے گھر مجلس میں ۱۹/محرم کے دن مرثیہ پڑھ رہی تھی دوران مرثیہ خوانی عاشورخانے کے اندر سے ایک بہت موٹی تازی بلی ڈراونی آنکھوں سے مجھے گھورتی ہوئی تیزی سے جھپٹ کر میری گود میں گر پڑی اور پھر اسی تیزی سے میری گود سے نکل کر بھاگ گئی۔ بلی کی اس حرکت سے مجلس میں بھگدڑ مچ گئی۔ ساری خواتین چیختی چلاتی کھڑی ہوگئیں۔ اور میں جو بلیوں سے بہت ڈرتی ہوں اسی طرح سکون سے بیٹھی مرثیہ پڑھتی رہی۔ میری نظریں علم مبارک پر جمی ہوئی تھیں۔ آج بھی اس بات کو یاد کرتی ہوں تو تعجب ہوتا ہے کہ میں نے کس طرح مرثیہ تمام کیا۔ میرے لئے یہ ایک معجزہ ہی ہے۔''

ایک اور واقعہ بیان کرتی ہیں

''ایک بار میں جاورے میں حضرت عباس کی درگاہ میں مرثیہ پڑھ رہی تھی۔ ایک نہایت خوبصورت نوجوان لڑکا جس پر کوئی سایہ یا آسیب تھا' اپنی ماں کے ساتھ درگاہ کے باہری دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا۔ اس کی ماں اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئی تھی۔ مرثیہ ختم کر کے میں نے حضرت عباس کی مناجات شروع کی۔ جیسے ہی میں نے مناجات شروع کی اس لڑکے ''پر حاضری'' آنے لگی۔ اس نے اپنے ہاتھ چھڑا لئے اور درگاہ میں داخل ہو کر جالی کو پکڑ کر جھومنے لگا۔ اس کی ماں بھی دوڑ کر اندر آگئی اور چیخنے لگی کہ بی بی پڑھتے رہیے۔ رکئے نہیں۔ ادھر جانے کہاں سے مجھ میں اتنی قوت آگئی تنہا مسلسل پڑھتی رہی۔ نجانے کتنا وقت گزر گیا۔ ادھر میں مناجات پڑھنے میں مصروف تھی ادھر لڑکا آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگا۔

اس کی ماں با آواز بلند صلواۃ پڑھنے لگی۔ اس عورت نے میرا شکریہ ادا کیا کہ آپ کی آواز کی تاثیر اور مناجات پڑھنے کی وجہ سے میرا بچہ ٹھیک ہو گیا۔

منیر کے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے۔ ان میں سے دو لڑکیاں شادی شدہ خوش حال زندگی گزار رہی ہیں۔ ان کی تینوں لڑکیاں بھی اپنی والدہ کی طرح مرثیے اور نوحے پڑھنے میں خاص شہرت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ لڑکے کو بھی نوحہ خوانی کا بہت شوق ہے۔

ممتاز بانو

ممتاز بانو نام۔ والد کا نام محمد ظہور علی (مرثیہ خوان) ممتاز کو بچپن سے مرثیہ خوانی کا شوق تھا۔ والد اور والدہ دونوں بھی اچھے مرثیہ خوان تھے۔ اس لئے اس ماحول میں انہیں بھی مرثیہ خوانی کا شوق پیدا ہوا۔ بچپن میں جب بڑے پڑھتے تو یہ جواب دیا کرتی تھیں۔ ایسے میں اگر کبھی کوئی روک دیتا کہ بڑوں کے بیچ میں نہیں بیٹھنا چاہئے تو انہیں یہ بات سخت ناگوار گزرتی تھی۔

ممتاز نے سوز سلام اور مرثیہ خوانی کی مخصوص طرزیں اپنے والد سے سیکھیں۔ بعض ایسی طرزیں ہیں جو ہر ایک کے بس کی نہیں جیسے مرثیہ "دو زرح سے جب آزاد کیا حر کو خدا نے" اور "جب مر گئے ہفتاد و دو تن راہ خدا میں" ان مرثیوں کو خاص طرز سے پڑھا جاتا ہے۔ جو ہر مرثیہ خوان نہیں پڑھ سکتا۔ ممتاز نے اپنے والد سے یہ طرزیں سیکھیں اور ان میں مہارت حاصل کی۔ ابتداء میں وہ اپنی والدہ کے ساتھ جوابدار تھیں۔ ایک مرتبہ حالات کی گردش کے سبب وہ الاوہ سرطوق مبارک میں بیٹھی گریہ وزاری کر رہی تھیں اس وقت مولوی تفضل حسین صاحب مرحوم نے انہیں اپنے ساتھ لا کر امام رضا علیہ السلام کے عاشور خانے پنجہ مبارک کے دروازے پر چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ الاوہ سرطوق اور یہاں ہر پنجشنبہ کو مرثیہ خوانی کیا کرو اس تاریخ سے آج تک یہ طریقہ مقرر ہے ممتاز ہر پنجشنبہ کو اس عاشور خانے میں پابندی سے مرثیہ پڑھتی ہیں۔ ایک عرصہ تک وہ اپنی والدہ کے ساتھ مقررہ گھروں میں مرثیہ خوانی کرتی تھیں۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے مگر اب یہ تنہا پڑھتی ہیں۔ اس کے علاوہ بارگاہ حضرت عباسؑ نعل مبارک بادشاہی عاشور خانے میں ہر پنجشنبہ کو پابندی سے مرثیہ پڑھتی ہیں۔ ممتاز

کے محرم کے مہینے میں دے متقرر ہیں۔اس کے علاوہ صفر کے مہینے میں بھی اکثر گھرانوں میں مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔

ممتاز بانو کی بہن نازنین بھی مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔اس کے علاوہ ان کے دو بھائی محمد ہاشم علی اور محمد مظہر علی بھی اچھے مرثیہ خوان و سوز خوان ہیں۔

مومن بیگم

مومن بیگم نام' والد کا نام نثار حسین (مرثیہ خوان) شوہر کا نام نواب میر نامن علی خاں سنہ پیدائش اور دوسری باتیں بہت کوشش کے باوجود معلوم نہ ہو سکیں۔صرف اتنا پتہ چلا کہ انہوں نے مرثیہ خوانی اپنی والدہ سے سیکھی۔تعلیم وغیرہ کا کچھ حال نہیں معلوم البتہ اتنا معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے چودہ سال کی عمر سے مرثیہ خوانی شروع کر دی تھی اور پہلا مرثیہ اپنے ماموں کے گھر کے مجلس میں پڑھا۔بقید حیات ہیں۔

نازنین بانو

نازنین بانو نام' والد کا نام محمد ظہور علی (مرثیہ خوان) شوہر کا نام داؤد علی۔نازنین بانو حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔یہیں پلی بڑھیں۔دارالشفا اسکول میں چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔والدین مرثیہ خوان تھے۔اس لئے بچپن ہی سے انہیں مرثیہ خوانی کا شوق تھا۔گھر کا ماحول ان کے اس شوق کو آگے بڑھانے میں سازگار ثابت ہوا چنانچہ دس برس کی عمر میں پہلا مرثیہ ''ابن علی جو باغ رسالت لٹا چکا'' نواب فطرت جنگ کے سامنے پڑھیں۔نازنین نواب فطرت جنگ کی ڈیوڑھی میں اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ دو مہینے آٹھ دن تک رہتی تھیں مرثیہ خوانی کے علاوہ نذر و نیاز اور مجلسوں کا سارا انتظام ان کی ماں کے سپرد رہتا تھا۔اس کے بعد یہ لوگ اپنے گھر آ جاتے اور باقی دس مہینے گھر پر اگربتی بناتے۔آمدنی کا یہ واحد ذریعہ تھا۔سن بلوغ کو پہنچتے ہی ان کی شادی ہوگئی اور پھر ڈاکٹر زہرا بلگرامی کے گھر آ گئیں۔ان کے شوہر داؤد علی سلطان بازار

ہاسپٹل میں ملازم تھے۔ ڈاکٹر بلگرامی نے انہیں اپنے گھر پر ایک کمرہ دے کر رکھا تھا نازنین بانو شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ ڈاکٹر زہرا بلگرامی کے پاس رہنے لگیں۔

نازنین بانو کے ایک لڑکا کاظم علی اور لڑکی سکینہ بانو ہے۔ کاظم علی اپنے ماموں محمد ہاشم علی مرثیہ خوان کے جوابدار ہیں۔ نازنین بانو کی بہوان کے ساتھ ہی پڑھتی ہیں۔ محرم کے مجلسوں کے لئے ان کا کوئی نذرانہ مقرر نہیں ہے۔ بانی مجلس جو بھی دیں لے لیتی ہیں۔ البتہ آمد و رفت کا کرایہ ضرور لیتی ہیں۔ محرم کی مجلسوں کے علاوہ سال بھر جمعراتوں اور شہادت کے دنوں میں مرثیہ خوانی کرتی ہیں ڈاکٹر زہرا بلگرامی جب تک زندہ تھیں' نازنین بانو وہیں رہتی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد اب یہ الگ کرایے کے گھر میں رہتی ہیں۔[1]

ہدایت بیگم

ہدایت بیگم نام' عرف راحت بی' والد کا نام میر کاظم علی خاں' شوہر کا نام سید محمد ظہور علی (مرثیہ خوان) ہدایت بیگم کو شادی سے پہلے ہی سے مرثیہ پڑھنے کا شوق تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں والدین کے ساتھ حج و زیارت سے مشرف ہوئیں۔ ابتدا میں یہ صرف نوحہ پڑھتی تھیں۔ شادی کے بعد مرثیہ خوانی شروع کی۔ سسرا براہیم علی مرثیے خوان اور ساس سکندر بیگم نصیب الدولہ کی پوتی تھیں۔ سکندر بیگم دیوڑھیوں میں نوابین کے یہاں مرثیہ خوانی کے لئے بلائی جاتی تھیں۔ یہ بھی اپنی ساس کے ساتھ جوابدار بن کر جاتیں۔ پہلا مرثیہ جو شادی کے بعد ''دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر'' اپنے ہی گھر میں پڑھا۔ ہدایت بیگم کو ان کی ساس سکندر بیگم مرثیہ خوانی سکھاتی تھیں۔ ان کے سسر ابراہیم علی مرثیہ خوان نوابین کے گھر کی پروردہ' خادماؤں کو باقاعدہ سوز خوانی اور مرثیہ خوانی کی تعلیم دیتے تھے۔ جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔ سردار بی' دولت بی' لعل بیگم صبار فتار' رحمت بوا اور حسین افروز بوا وغیرہ۔

نوابین کے یہاں سے شکرام' رتھ یا پالکی بھجوا کر ان کی ساس کو مجلس پڑھنے بلاتے تھے۔ بیگم جانی بی جانی اور یہ خود اپنی ساس کے ساتھ بازو دار کی حیثیت سے جاتی تھیں۔ ہدایت بیگم کہتی ہیں کہ نذرانہ کا پتہ نہیں کیا دیا جاتا تھا۔ البتہ بہت احترام سے کھانا کھلاتے آمد و رفت کا کرایہ دے کر رخصت کرتے تھے۔ نواب

---

[1] نازنین بانو سے ساری تفصیلات ملیں۔

شہاب جنگ کی دیوڑھی کے علاوہ نواب فخر الملک' نواب نظام یار جنگ' نواب عسکری جنگ کے یہاں کی مجلسوں میں اپنی ساس کے ساتھ جاتی تھیں۔ ان مجلسوں میں بانی مجلس مسند تکیے سے لگ کر بیٹھتے تھے۔ نہ تو وہ مرثیہ اور نوحہ کو جواب دیتے نہ ہی زور سے ماتم کرتے۔ لیکن جب ان کی ساس سکندر بیگم ان گھروں میں مرثیہ خوانی کرتیں تو بانی مجلس مسند سے ہٹ کر آگے آجاتی تھیں اس زمانے میں تبرک کا کوئی خاص اہتمام نہیں ہوتا تھا۔ نقل' بتاشے' تو عام تھے۔ البتہ حاضری مبارک کے دن حاضری' گیارہ محرم کو بھی اور انجیل' روٹ' چونگے' شربت اور ۷ محرم کو تھولی تقسیم کرتے تھے۔ ہدایت بیگم کی ساس سکندر بیگم کے انتقال کے بعد ان کے حالات ایک دم خراب ہو گئے۔ ہدایت بیگم کے شوہر سید محمد ظہور علی صرف خاص میں '' آب خانہ '' کی ملازمت پر مامور تھے۔ میر عالم تالاب سے شاہی خاندان کے افراد کے لئے پانی لانے پر مقرر تھے۔ آٹھ سو روپئے تنخواہ سالانہ اور سال میں ایک بلانکٹ مقرر تھی۔ اس کے علاوہ منجھلی بیگم کی حویلی سے منصب بھی ملتی تھی۔ اور مرثیہ خوانی سے بھی اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ پولیس ایکشن کے بعد ملازمت چلی گئی۔ اور ساتھ ہی ظہور علی مختلف بیماریوں جیسے گٹھیا وغیرہ میں مبتلا ہو گئے جو کچھ تھا وہ علاج معالجے میں خرچ ہو گیا۔ حالات اتنے خراب ہو گئے تھے کہ فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔ تین لڑکے اور چار لڑکیوں کا ساتھ تھا۔ انتہائی غربت اور افلاس میں گھر گئے۔ بہت مصیبتیں جھیلتے رہے۔ ایسے میں نواب رئیس جنگ کی بیٹی کمال النساء بیگم جو نواب لائق حسین کی بیوی تھیں' نے ان کو سہارا دیا۔ ہدایت بیگم لکڑی کے پل پر ان کے گھر مجلس میں مرثیہ پڑھنے لگیں۔ ان کے حالات سن کر انہوں نے ہدایت بیگم ان کے شوہر اور بچوں کو اپنے گھر میں رکھ لیا۔ بارہ سال تک یہ ان کے ساتھ رہیں۔ شوہر کی حالت دن بدن خراب ہونے لگی تو یہ سب کو لے کر اپنے گھر چلی آئیں۔ اسی دوران ہدایت بیگم کی دوستی مچھلی پٹنم کی عباسی بیگم سے ہوئی۔ عباسی بیگم نے ان کی پرسوز آواز سے متاثر ہو کر مختلف گھروں میں مجلس میں مرثیہ خوانی کا سلسلہ شروع کروادیا۔ سارے وقت میں شرفا اور نوابوں کے گھروں میں بچوں کو قرآن شریف پڑھانے پر ملازم رکھوادیا اس طرح کچھ ان کے حالات سدھرنے لگے عباسی بیگم نے ہی کہہ سن کر انہیں فطرت جنگ کی دیوڑھی میں رکھوادیا جہاں مرثیہ خوانی کے علاوہ یہ نذر و نیاز سب کچھ کرتیں۔ فطرت جنگ کی دیوڑھی فروخت ہو جانے کے بعد یہ نواب عنایت جنگ کی دیوڑھی میں آگئیں اور اب تک وہیں ہیں ہدایت بیگم کی عمر اب نو دبرس کے قریب ہے۔

ہدایت بیگم کی چار لڑکیاں ہیں چاروں ہمیشہ مرثیہ خوانی میں جوابدار کی حیثیت سے ساتھ ہوتیں۔ انہوں نے ان سے پڑھنے کا انداز بھی سیکھ لیا۔ لڑکوں میں بڑا بیٹا محمد ہاشم علی مرثیہ خوان ہے۔ ممتاز بانو' نازنین بانو' حسینی بانو اور زینب بانو چاروں بہنیں کبھی ایک ساتھ اور کبھی علحدہ مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔ ان کی کوئی گروہ نہیں ہے مگر سوز سلام اور مرثیہ کے علاوہ نوحہ خوانی بھی کرتی ہیں۔ [1]

چراغوں کا کھانا۔ ''اکثر خاندانوں میں ''چراغوں کی نذر'' کا رواج ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ دس محرم کی رات کو چوتھے امام علیہ السلام کی سلامتی کا چراغ جلایا جاتا ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے بعد سلسلہ امامت برقرار رہنے کا تصور ہے۔ چنانچہ دس محرم کی رات گیہوں کے آٹے کی چوکھ بنا کر گھی سے بھری جاتی ہے اور اس میں بتی جلا کر روشن کی جاتی ہے۔ یہ چراغ صبح تک جلتا ہے۔ اس کے ساتھ دوسرے تھال میں روا' میدہ' یا آٹا' شکر اور چاول رکھے جاتے ہیں۔ گیارہ محرم کو آٹے یا میدہ اور روے کی روٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ ساتھ میں قیمہ اور دالچہ بھی بنایا جاتا ہے اور میٹھے چاول بھی پکائے جاتے ہیں۔ اور ان سب پر چوتھے امام کی نذر دی جاتی ہے۔ بعض گھرانوں میں گیارہ محرم کی رات کو چراغ جلایا جاتا ہے اور بارہ محرم کو قورمہ روٹی پر فاتحہ دی جاتی ہے۔ اس کے پیچھے یہ تصور ہوتا ہے کہ امامت کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ یہ عقیدتاً ہے۔ اس کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں ہے''۔ [2]

کڑا پہنانے کا رواج۔ زمانہ قدیم میں عربوں میں مختلف قبیلوں کے غلاموں کے ہاتھ میں علحدہ علحدہ دھات کے کڑے پہنائے جاتے تھے۔ جن سے ان کی شناخت ہوتی کہ یہ فلاں قبیلہ کا غلام ہے۔ اسی تصور کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت عباسؑ کے غلام بنا کر عقیدتاً لڑکوں کو محرم کے پہلے عشرے میں چاندی تانبے کے کڑے پہنائے جاتے ہیں۔'' [3]

---

[1] یہ ساری معلومات ہدایت بیگم سے حاصل ہوئیں۔ [2] [3] یہ معلومات خدیجہ بیگم بنت ڈاکٹر کلثوم سے حاصل ہوئیں۔

تیسرا باب

(ماتمی گروہ)

گروہ زینب قدیم

اس گروہ کی بانی امتہ السکینہ بیگم تھیں۔ امتہ السکینہ بیگم مولوی سید زین العابدین صاحب قبلہ کی بیٹی اور سید اصغر حسین نجفی قبلہ اور سید صادق حسین قبلہ نجفی کی بہن تھیں۔ سید علی نقی نجفی ان کے بھتیجے ہیں۔

تقریباً (۸۰) سال قبل اس گروہ کی ابتدا ہوئی۔ امتہ السکینہ بیگم کی آواز بہت پردرد تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں بچپن سے ہی مرثیہ خوانی ونوحہ خوانی کا شوق تھا۔ علماء کا خاندان تھا جہاں عزاداری اور مجلس و ماتم کے مواقع بہ کثرت تھے۔ اسی ماحول میں ان کی پرورش ہوئی۔

ابتدا میں اس گروہ کے اراکین کی تعداد تقریباً (۲۰۰) تھی اس گروہ نے اپنی نوحہ خوانی کیلئے کبھی نذرانہ مقرر نہیں کیا۔ لیکن بانی مجلس سے آمد و رفت کا کرایہ ضرور لیتے رہے۔ امتہ السکینہ بیگم کے زمانے ہی سے یہ طریقہ رہا کہ عید غدیر کے بعد سے محرم کی تیاریاں شروع ہو جاتیں۔ نئے نئے نوحے تلاش کئے جاتے طرزیں بنائی جاتیں تمام اراکین روزانہ مشق کرتے۔ نوحے خوانی کے ساتھ ساتھ مرثیے خوانی کی مشق بھی ہوتی۔ اردو کے علاوہ فارسی کے قدیم نوحے بھی ضرور پڑھے جاتے۔ اس طرح تیس سال تک امتہ السکینہ بیگم نے اسی گروہ کی صدر کے فرائض بہ خوبی انجام دیئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی بھتیجی عسکری بیگم اس گروہ کی صدر ہوئیں۔ عسکری بیگم نے جو حیدر پاشاہ کے نام سے مشہور ہیں ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی ہے۔ مرثیہ خوانی و نوحہ خوانی حیدر پاشاہ نے اپنی پھوپی امتہ السکینہ بیگم سے سیکھی۔

عسکری بیگم نے ۱۵ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ نوحہ پڑھا۔ اس کے بعد سے برابر ہر جگہ اپنی پھوپی کے ساتھ شریک رہیں اور مرثیہ خوانی و نوحہ خوانی کرتی رہیں۔ تقریباً (۴۵) سال سے حیدر پاشاہ سرگروہ کے فرائض انجام دے رہی ہیں۔ آج بھی اس گروہ کے اراکین کی تعداد (۲۰۰) ہے۔ اور عید غدیر کے بعد مشق کا سلسلہ آج تک برقرار ہے۔ سب اراکین جمع ہوتے ہیں نئے اور پرانے نوحوں کی مشق کی جاتی ہے۔ نئے نوحوں کی طرزیں حیدر پاشاہ خود بناتی ہیں ان کے ساتھ ان کی تینوں بیٹیاں بھی پڑھتی ہیں۔ امتہ السکینہ بیگم کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے حیدر پاشاہ فارسی نوحہ خوانی ضرور کرتی ہیں۔ اپنی پھوپی کی طرح حیدر پاشاہ نے نذرانہ مقرر نہیں کیا ہے۔ البتہ آمد و رفت کا کرایہ ضرور لیتی ہیں۔ حیدر پاشاہ نے اپنی لڑکی رئیس فاطمہ کو اپنا جانشین نامزد کیا ہے جو ان کے بعد اس گروہ کی سربراہ رہیں گی (صدر رہیں گی)۔

گروہ زینب

۱۹۴۰ء میں عابدہ بیگم مرحومہ اہلیہ جناب عون افندی مرحوم (سرگروہ گروہ ابوالفضل) نے گروہ زینب کی بنیاد رکھی۔ بیس سال تک سرگروہ ہی کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۱ء میں ناسازی مزاج کے باعث عابدہ بیگم نے اپنی بڑی بیٹی سکینہ خانم کو اس گروہ کی صدارت سونپی۔ دو سال تک وہ اس ذمہ داری کو نبھاتی رہیں تاہم گھریلو مصروفیات کے باعث اس ذمہ داری کو انہوں نے اپنی بہن آمنہ خانم کے سپرد کیا۔ تب سے آج تک آمنہ خانم ہی اس گروہ کی صدر و سربراہ ہیں۔

نوحہ خوانان گروہ میں سکینہ خانم' آمنہ خانم' رضیہ خانم' ملکہ خانم ریحانہ خانم اور ستارہ خانم (دختران عابدہ بیگم (عون افندی مرحوم) اور ان کی اولاد شامل ہے جن میں رخسانہ' شاہانہ فردوس تحسین اور شبانہ بھی نوحہ خوانی کرتی ہیں۔ ابتداءً اس گروہ کے اراکین کی تعداد تقریباً دوسو (۲۰۰) تھی لیکن اب صرف پچاس' ساٹھ ہی ہے۔

آغاز محرم سے ۸ ربیع الاول تک گروہ زینب تین سو سے زیادہ مجالس میں شرکت و سینہ زنی کرتی ہے۔ مخصوص تواریخ میں ایک دن میں دس تا بارہ مجلسیں ہوتی ہیں محرم و صفر کے علاوہ سال بھر ایام غم میں سالانہ مجلسوں میں شرکت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ولادت معصومینؑ کے موقع پر جشن مبارک میں بھی گروہ زینب کے اراکین قصیدے خوانی کے لئے بلائی جاتی ہیں۔ جن کی تعداد تقریباً (۱۰۰) ہے۔

گروہ کی سالانہ مجلس ۲۵ رصفر کو دن میں ایک بجے منعقد ہوتی ہے۔ ابتداءً میں یہ مجلس الاوہ ملارضی میں ہوا کرتی تھی۔ "بارگاہ شبیر" کی تعمیر کے بعد سے یہ مجلس زہرانگر بارگاہ شبیر میں منتقل کی گئی جس میں الحمد اللہ سینکڑوں مومنات شرکت کرتی ہیں۔ اس مجلس کے انتظام اور تبرک کے لے ۲۵ رصفر تک پڑھی جانے والی مجلسوں کے نذرانے جمع کر کے تبرک کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس مجلس کا خرچ تقریباً دس تا بارہ ہزار روپے ہوتا ہے۔ ۲۵ رصفر کے بعد جو مجلسیں پڑھی جاتی ہیں ان میں ملنے والے نذرانے چھ بہنوں اور ایک بھانجی شاہانہ (جو اس گروہ کی بہت اچھی نوحہ خوان ہے) میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ عید نہم کے جشن میں ہر اک اپنی مرضی سے اہتمام جشن کیلئے شرکت کرتے ہیں۔ یہ تقریب آمنہ جعفری کے مکان پر منعقد ہوتی ہے۔

محرم سے چند دن قبل مرثیہ اور نوحوں کی کتابوں کو پڑھ کر رقت انگیز نوحہ و مرثیوں کا انتخاب کرلیا جاتا

ہے۔نوحوں کی طرزیں والدین کی بنائی ہوئی ہیں زیادہ تر وہی پرانی طرزیں پڑھی جاتی ہیں میر فرخندہ علی۔ محب علی اور گورے عباس علی بہت ہی استادانہ انداز میں کلام پڑھتے تھے۔ حلمی افندی بھی نوحوں کی طرزیں خود بناتے تھے۔یہی سبب ہے کہ اس گروہ کے اراکین حتیٰ الامکان نئی طرزوں کی بہ نسبت پرانی طرزوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

اس گروہ کے اراکین کا تعلق مردانی گروہوں' ''گروہ ابوالفضل'' ''گروہ جعفری'' اور گروہ انجمن پروانہ شبیر'' سے ہے اس لئے اب نئے اور پرانے دونوں طرز کے نوحے پڑھے جاتے ہیں۔

آمد ورفت کا کرایہ بانی مجلس کے ذمہ ہوتا ہے۔نذرانہ مقرر نہیں ہے۔ جتنا بھی دیا جائے قبول ہے۔ گروہ کتنی لائی جائے یہ بانی مجلس کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کوئی دو آٹو یا رکشا بلاتے ہیں تو کوئی چار۔ایسی صورت میں کرایہ کی ذمہ داری بانی مجلس پر ہوتی ہے۔

یہ ضروری ہے کہ بانی مجلس ہر سال مجلس کی مقررہ تاریخ سے دو دن قبل اطلاع دیں کہ ان کے پاس مجلس پڑھنا ہے ورنہ صرف ڈائری میں نوٹ کردہ تاریخ سے مقررہ وقت پر مجلس میں شرکت کیلئے جانا مناسب نہیں کیونکہ بعض اوقات بانی مجلس کسی دوسری گروہ کو بلاتے ہیں۔یا پھر زنانی مجلس نہ کی جائے بلکہ مردانی مجلس ہو تو ایسی صورتوں میں آمد ورفت کا کرایہ گروہ کو دینا پڑتا ہے۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ مجلس سے دو دن قبل ضرور اطلاع دی جائے۔اس گروہ کے بعض اراکین نے حیدرآباد سے باہر مدراس' بنگلور' میسور' ممبئی پونا وغیرہ میں بھی مجلسوں میں شرکت کی ہے اور قصیدہ خوانی کے لئے بھی بلائی گئی ہیں۔

ایک ہی وقت میں تین چار مجلسیں ہوں تو ایسی صورت میں آمنہ جعفری' شاہانہ' رضیہ خانم اور ملکہ خانم کے گروپس میں گروہ کو تقسیم کرلیا جاتا ہے۔

گروہ سکینہ

اس گروہ کی بانی شمیم بانو ہیں۔شمیم بانو کے والد کا نام سید محمد اطہر حسین اور شوہر مولوی نعیم عباس صاحب ہیں۔شمیم بانو اگست ۱۹۲۹ء میں فتح پور الہ آباد میں پیدا ہوئیں۔ چھ سال کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ حیدرآباد آگئیں یہیں میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔

ان کی نانی مرحومہ نوحے مرثیے بہت اچھا پڑھتی تھیں۔ کم سنی سے یہ نانی کے ساتھ پڑھا کرتی تھیں اور جو کچھ بھی سیکھا ان ہی سے سیکھا کم عمری میں اپنے گھر میں ہم سن بچوں کو جمع کر کے مجلس کرتیں اور اس میں خود مرثیہ اور نوحے پڑھتی تھیں۔ تیرہ چودہ سال کی عمر یعنی ۱۹۴۳ء سے نوحے مرثیے باقاعدہ پڑھنا شروع کیا۔ سب سے پہلی مجلس انہوں نے "اعجاز منزل" دارالشفاء میں پڑھی۔ اس وقت تک یادگار حسینی تعمیر نہیں ہوا تھا۔ دوسری مجلس ۲۸ / محرم کی پڑھی جس کی بانی لطیف النساء بیگم تھیں۔ اس میں انہوں نے لطیف النساء بیگم کا لکھا ہوا نوحہ پڑھا تھا تیسری مجلس خیریت آباد میں شاکر علی صاحب کے یہاں پڑھیں۔ اس مجلس میں مرثیہ کے بعد مظہر عباس لکھنوی کی بیوی منبر پر تحت اللفظ پڑھتی تھیں۔ پہلی بار اس مجلس میں حدیث خوانی کی ابتدا لطیف النساء بیگم نے کی۔ اب تک کوئی باقاعدہ نہ تو گروہ بنی تھی اور نہ اس کا کوئی نام تھا۔ محلّہ کی پچاس لڑکیاں بڑی چھوٹی جمع ہو جاتی تھیں۔ اور بس!

۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن ہوا۔ پنجاب سے لٹے پٹے کچھ خاندان حیدرآباد آ گئے پنجابی عورتوں کی نوحہ خوانی سے متاثر ہو کر شمیم بانو نے ان سے دوستی کر لی اور انہیں اپنے ساتھ شریک کر کے باقاعدہ ایک گروہ تشکیل دی جس میں زرینہ کنیز زینب اور وقار فاطمہ بھی تھیں۔ اس گروہ میں وقار فاطمہ فارسی نوحے پڑھتی تھیں گروہ کے تمام اراکین کا ایک ہی طرح کا لباس ہوتا تھا کالا شرٹ' سفید شلوار اور کالا ڈوپٹہ۔ تمام اراکین اپنے بال کھلے رکھتے تھے اسی زمانے میں احمد رضا آغا کی بیوی نے شمیم بانو کو ایک علم مبارک دے کر کہا کہ "یہ علم حضرت سکینہ کے نام کا ہے اسے آپ ایستادہ کیجئے اور اپنی گروہ کا نام "گروہ سکینہ" رکھئے ابتدا میں گروہ کا نذرانہ دو روپے ملتا تھا۔ رفتہ رفتہ نذرانے میں اضافہ ہونے لگا۔ زیادہ سے زیادہ مجلس پڑھنے مدعو کرنے لگے۔ دس اور پھر بیس روپے بھی ملنے لگے۔ تمام مجلسوں کے نذرانے یک جا جمع کرتے تھے۔ گروہ کی طرف سے حضرت سکینہ کا علم ایستادہ کرتے تھے اور ۵ / ربیع الاول کو گروہ کی جانب سے مجلس منعقد کی جاتی تھی۔ اس مجلس میں حضرت سکینہ کا علم اہتمام کے ساتھ اٹھایا جاتا تھا شروع میں یہ مجلس "اعجاز منزل" میں ہوتی تھی۔ بعد میں جب "یادگار حسینی" کی عمارت تعمیر ہوگئی تو یہ مجلس یادگار میں شام کے وقت ہونے لگی تھی۔ کچھ عرصہ بعد جب شام کے وقت یادگار حسینی میں ان ہی تاریخوں میں مختار نامہ پڑھا جانے لگا تو اس مجلس کا وقت بدل دیا گیا۔ اور اب یہ مجلس دن کے وقت ہونے لگی۔

ہر سال محرم کے مہینے میں جو نئے نوحے تقسیم ہوتے تھے۔ انہیں یہ اپنی بیاض میں نقل کر لیتی تھیں۔ خود طرزیں بناتی تھیں۔ باقاعدہ مشق وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔ بس ایک دو بار مجلس میں جانے سے پہلے پڑھ لیتی تھیں۔ حدیث کے بیان کے ساتھ ربط رکھ کر نوحہ خوانی کرتی تھیں تاکہ تسلسل قائم رہے۔ گروہ کی لڑکیوں کو پتہ

رہتا تھا کہ کس تاریخ کو کس وقت کس کے یہاں پڑھنے جانا ہے سب اپنے اپنے گھروں سے گروہ کے مقرر کردہ لباس میں اپنے طور پر پہنچ جاتی تھیں۔ اور پھر وہیں سے سب ساتھ کے بعد دیگرے مجلسوں میں چل پڑتیں۔ نہ کرائے کا ذکر نا نذرانے کا تعین جو مل گیا وہ لے لیا۔ شمیم بانو ایک دن میں دس پندرہ مجلسیں بھی پڑھتی تھیں۔ ان کا ایک نوحہ ''کرتی ہے در پہ کس کا اب انتظار صغرا'' بہت پسند کیا جاتا تھا اور خاص طور پر ہر مجلس میں یہ نوحہ پڑھوایا جاتا تھا۔

شمیم بانو کی شادی ان کے قریبی عزیز مولانا نعیم عباس سے ۱۹۵۴ء میں ہوئی مولانا لکھنو میں مدرسۃ الواعظین میں زیر تعلیم تھے۔ شمیم بانو اپنے والدین کی ایک ہی اولاد تھیں۔ اس لئے نعیم عباس صاحب نے شادی کے بعد حیدر آباد میں مستقل سکونت اختیار کی۔ ۱۹۵۵ء آر۔ آر لیب میں ملازم ہو گئے۔

شادی کے بعد ایک سال یہ اپنی ایک خالہ کے ساتھ اپنے آبائی وطن الہٰ آباد گئیں۔ یہ خالہ شمیم بانو سے جلتی تھیں۔ ان کے گروہ کی مقبولیت انہیں کھٹکتی تھی۔ چنانچہ ان کی خالہ نے انہیں اس طرح بدنام کیا کہ یہ حیدر آباد سے چوری کر کے آ رہی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ شمیم بانو کو بہت دکھ ہوا رو رو کر سو گئیں خواب میں دیکھا کہ منبر پر ایک سیاہ پوش خاتون مجلس پڑھ رہی ہیں اور انہیں بھی نوحہ پڑھنے کہہ رہی ہیں مجمع کے درمیان رسی بندھی تھی۔ شمیم بانو نے نوحہ پڑھنے سے انکار کیا تو اس بی بی نے دوسری طرف اشارہ کر کے بتایا کہ وہ نہیں سنتے تو کیا ہم تو سن رہے ہیں پڑھو۔ ایک دم سے ان کی آنکھ کھل گئی۔ اور پھر اس کے بعد جب تک پڑھ سکتی تھیں' پڑھتی رہیں۔ تارنا کہ منتقل ہونے کے بعد مجلسوں کا سلسلہ تقریباً ختم ہی ہو گیا' گروہ بھی ختم ہو گئی ادھر صحت بھی خراب رہنے لگی۔

ایک سال محرم میں ان کی آواز بالکل بند ہو گئی تھی۔ چھ مہینے تک نہیں کھلی اتفاق سے افضل حسین مرحوم عامل سے ان کے کسی عزیز کے یہاں ملاقات ہوئی تو انہوں نے شمیم بانو سے کہا کہ آپ اپنے حلق پر ہاتھ رکھئے میں دعا پڑھتا ہوں اس کے بعد انہوں نے دارچینی پر کوئی دعا دم کر کے دی۔ اور چائے میں ملا کر پینے کی ہدایت کی اور کہا کہ کسی نے آپ کو چائے میں سیندور پلا دیا۔ ان کی دم کردہ دارچینی چائے میں ملا کر پینے سے آواز تو کھل گئی مگر پہلے جیسی بلندی نہیں آئی۔

شمیم بانو کی دو لڑکیاں اور پانچ لڑکے ہیں۔ سب بفضل خدا پڑھے لکھے قابل ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔

''گروہ فاطمہ''

گروہ فاطمہ کی سرگروہ' بسم اللہ بیگم مرزا محمد علی بیگ کی بیٹی اور سید باقر علی خاں رضوی کی اہلیہ تھیں۔ بسم اللہ بیگم نے گھر پر اردو فارسی کی تعلیم حاصل کی وہ حافظ قرآن بھی تھیں۔ اکثر گھرانوں میں لڑکیوں اور کم عمر لڑکوں کو قرآن مجید پڑھاتی تھیں۔ نو سال کی عمر سے نوحہ خوانی کی ابتدا ہوئی۔ ان کی نانی انہیں نوحے پڑھنا سکھاتی تھیں ان ہی کی ہمت افزائی سے بسم اللہ بیگم نے نوحہ خوانی میں کمال حاصل کیا اور بہت آگے بڑھیں۔ بسم اللہ بیگم کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ لڑکیوں میں کسی نے بھی نوحہ خوانی کی طرف توجہ نہیں دی۔ بڑے لڑکے سید ابن علی رضوی ہیں چھوٹے لڑکے سید اکبر علی خاں اکبر شاعر ہیں۔

بسم اللہ بیگم کے بڑے بھائی بھی ''گروہ حسینی'' کے صدر و سربراہ تھے ان ہی کے خاندان میں مرزا عباس علی بیگ المعروف ''گورے عباس'' اچھے مرثیہ خوان و نوحہ خوان تھے۔ بسم اللہ بیگم کی نانی بھی خوش گلو نوحہ خوان تھیں۔ اس طرح ان کی ترقی میں گھر کا یہ ماحول بڑی حد تک مددگار رہا۔

''گروہ فاطمہ'' حیدرآباد کی قدیم گروہ ہے۔ بسم اللہ بیگم کے زمانے میں اس گروہ کے اراکین کی تعداد (۷۵)' (۱۰۰) کے قریب تھی۔ ''قیصر منزل'' الاوہ ملارضی' مرغ خانہ کی گلی اور علی ولا وغیرہ میں یہ گروہ پابندی کے ساتھ لازماً بلائی جاتی تھی۔ گروہ فاطمہ کی سرپرست شوکت النساء بیگم تھیں جو ''قیصر منزل'' کی قیصر النساء بیگم کی نانی تھیں۔

آغاز محرم سے ایک ماہ قبل ہی گروہ کے اراکین جمع ہو جاتے تھے۔ نوحوں کی طرزیں خود بسم اللہ بیگم بناتی تھیں۔ اور خوب مشق کی جاتی تھی۔ ابتدا میں ماتم جمانے کیلئے حسین امام حسین حیدر' علی مولا حیدر مولا' پڑھتے اس کے بعد نوحہ خوانی شروع ہوتی۔ اردو' نوحوں کے بعد آخر میں فارسی نوحہ ضرور پڑھا جاتا آخر میں ''حسین امام حسین حیدر' علی مولا' حیدر مولا'' ماتم ہوتا اور پھر مجلس ختم کی جاتی۔

مجلسوں میں شرکت کیلئے شکرام یا موٹر بھیجی جاتی' فی زمانہ مروجہ سواری آٹو رکشا ہے' سواری کوئی بھی رہے بانی مجلس آمد و رفت کا کرایہ ضرور دیتی ہیں۔ گروہ کے لئے نذرانہ یا چندہ مقرر تو نہیں لیکن بانی مجلس کی

مرضی پر منحصر ہوتا ہے وہ جو بھی دیں لے لیتے ہیں۔ ''گروہ فاطمہ'' کے زیر اہتمام دو جشن مبارک ''جشن ولادت جناب سیدہ'' اور جشن عقد جناب سیدہ'' مقرر ہیں۔ اس کے علاوہ مجلسیں وفات جناب سیدہ اور ۷ ربیع الاول کو گروہ کی جانب سے ''پرسے'' کی مجلس مقرر تھی۔ ان چار محفلوں کے اخراجات کی پابجائی کے لئے گروہ کے اراکین کے علاوہ جن جن گھروں میں یہ گروہ مجلس پڑھتی' سب لوگ حسب حیثیت وتوفیق چندہ دیتے تھے۔ الاوہ ملارضی میں گروہ کی مجلس ۷ ربیع الاول کو ہوتی ہے آج بھی گروہ کے اراکین موجود ہیں تاہم گروہ کارکرد نہیں ہے اب اس گروہ کی مجلس آمنہ جعفری کی گروہ پڑھتی ہے۔

۱۹۸۸ء میں بسم اللہ بیگم کا انتقال ہوا۔ اس وقت ان کی عمر (۸۰) سال تھی۔ بسم اللہ بیگم کے گھر میں ''جناب زینب'' کا عاشور خانہ ہے جو ''بارگاہ شہزادی ثانی زہرا'' کے نام سے مشہور ہے اس عاشور خانے میں اکثر معجزے ہوتے رہتے ہیں اس لئے سال بھر یہاں زائرین آتے ہیں۔ ''حسین ٹیکری (جادرہ) کی طرح کئی بار معجزے ہوئے ہیں پرانے سے پرانے مریض کو شفا ہوتی ہے' والدہ کی وجہ سے معجزے ہو رہے ہیں والدہ کی خدمت کا فیض آج ہم اٹھا رہے ہیں۔''[۱]

''گروہ کبرا''

تقریباً (۶۰) سال پہلے اس ماتمی گروہ کو عالیہ بیگم نے قائم کیا تھا۔ عالیہ بیگم کا تعلق ''عاشور خانہ جناب فاطمہ کبرا'' (یاقوت پورہ) سے تھا۔ اسی مناسبت سے انہوں نے اپنی گروہ کا نام ''گروہ کبرا'' رکھا۔

ابتداً میں اس گروہ کے اراکین کی تعداد تقریباً (۵۰۰) تھی تاہم رفتہ رفتہ اس میں کمی آتی گئی اب اس گروہ میں بہت کم خواتین رہ گئی ہیں۔ آج سے (۲۲) سال قبل عالیہ بیگم کا انتقال ہوا۔ اس وقت سے زینب بیگم اس گروہ کی صدر ہیں۔ اب ان کی بیٹی بھی پڑھتی ہیں۔ ماتم ونوحہ خوانی کے علاوہ سوز' سلام اور مرثیہ خوانی بھی یہی دونوں خواتین کرتی ہیں۔ بھونگیر اور گھٹکیسر میں بھی یہ گروہ بلائی جاتی ہے۔ اس گروہ میں زیادہ تر آصف جاہ سابع عثمان علی خاں کے فارسی نوحے پڑھے جاتے تھے۔ لیکن اب اردو نوحوں کا رواج ہے اس لئے زیادہ تر جدید نوحے پڑھے جاتے ہیں۔[۲]

---

[۱] بسم اللہ بیگم کے بڑے لڑکے ابن علی خاں رضوی بقید حیات ہیں' یہ انکا بیان ہے۔ [۲] یہ تفصیل زینب بیگم سے حاصل ہوئی۔

نوحہ خوان

سیدہ فاطمہ بیگم نام صابرہ عرف میر معصوم علی رضوی و پاشاہ بیگم کی بیٹی ہیں۔۱۹۶۳ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔دینی تعلیم گھر پر حاصل کی۔اسکول میں مڈل تک تعلیم حاصل کی۔

۱۹۸۳ء میں ۱۹ سال کی عمر میں میر مظہر علی خاں والا جاہی سے شادی ہوئی۔صابرہ نے (۵) سال کے سن سے نوحہ خوانی کی ابتداء کی سب سے پہلے شہزادی سکینہ کے حال کا نوحہ پڑھا۔صابرہ کو شہزادی سکینہ کا بیان بہت پسند ہے اس لئے زیادہ تر وہی نوحہ پڑھتی رہیں تاہم ان کی شہرت علی اکبر علیہ السلام کے حال کے اس نوحہ سے ہوئی ''برچھیوں میں دل کا ٹکڑا رہ گیا'' اس نوحے کے ساتھ ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوا اور رفتہ رفتہ لوگ ان کی نوحہ خوانی کو اپنی مجلسوں کیلئے ضروری تصور کرنے لگے۔اور اب ایام عزا میں روزانہ (۱۰) تا (۱۲) مجلسیں پڑھتی ہیں مخصوص ایام میں اس سے زیادہ بھی مجلسیں پڑھتی ہیں۔

نوحہ اور ماتم کے علاوہ مرثیہ بھی پڑھتی ہیں' آخری ماتم فارسی نوحہ پر ختم ہوتا ہے۔نذرانہ مقرر تو نہیں لیکن کوئی دے تو لینے سے انکار بھی نہیں کرتیں۔کرایہ سواری بھی مقرر نہیں۔لوگ سواری بھیج کر بھی بلاتے ہیں حتیٰ کہ کرفیو کے زمانے میں بھی انہیں اپنے گھر بلا کر پڑھوایا گیا۔صابرہ کے ساتھ کوئی گروہ نہیں بلکہ یہ انفرادی طور پر پڑھتی ہیں۔ان کی خالہ زینب بیگم اور بڑی بہن بھی پڑھتی ہیں۔

حیدر آباد کے علاوہ آگرہ اور جاورے میں پڑھنے کا موقعہ ملا جبکہ مدراس میں جشن پڑھنے کا موقعہ ملا۔زیارت مقامات مقدسہ کیلئے گئیں تو عراق اور ایران میں بھی پڑھنے کا موقعہ ملا ہے۔صابرہ کے (۲) بچے ہیں ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔لڑکی کو پڑھنے کا شوق ہے۔

بارگاہ فاطمہ میں آخری رخصت کی مجلس میں ''میں فلک کی ستائی ہوں نانا'' پڑھتے وقت شدت گریہ و بکا سے بارگاہ کے در و دیوار گونج رہے تھے ایک آواز گریہ سب آوازوں سے مختلف تھی جسے تمام حاضرین نے اپنا گریہ موقوف کرنے کے بعد بھی واضح طور پر محسوس کیا۔[1]

---

[1] یہ معلومات ڈاکٹر ریاض فاطمہ نے فراہم کیں۔

چوتھا باب

(شاعرات)

بانو طاہرہ

بانو طاہرہ نام' طاہرہ تخلص۔ ۱۹۲۰ء میں آگرہ میں پیدا ہوئیں۔ کم عمری میں والدین کے ساتھ آگرہ سے لکھنو آ گئیں۔ لکھنو یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے کے بعد ایران چلی گئیں۔ اور تہران ریڈیو سے وابستہ ہو کر اردو پروگرامس پیش کرنا شروع کیا۔ اس سے قبل ریڈیو تہران سے اردو نشریات کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ بانو طاہرہ نے نہ صرف اردو نشریات کا آغاز کیا بلکہ وہ اس شعبہ کی انچارج بھی تھیں۔ تہران کے دوران قیام میں انہوں نے جرنلزم بھی کیا۔ میجر بریگیڈر غلام محمود سعید سے شادی کے بعد ۱۹۷۸ء میں یہ حیدرآباد آ گئیں۔ اور اسے اپنا وطن عزیز بنایا۔ بانو طاہرہ نے بہت کم عمری سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ شاعری میں انہیں کسی سے تلمذ حاصل نہیں تھا۔ لکھنے کا فطری رجحان اور شوق ان کی رہنمائی کرتا تھا۔ جس کا وہ خود اعتراف کرتی ہیں۔ طاہرہ نے شاعری میں سلام اور نوحہ کے علاوہ نظم' غزل' ہائیکو اور سانیٹ میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی زبان میں بے شمار منظوم ترجمے اور طبع زاد نظمیں کہی ہیں۔ چنانچہ انگریزی زبان و ادب کی خدمات پر انہیں امریکہ کی Arizoneworld University سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی گئی۔

طاہرہ کے کلام میں بے ساختگی اور شگفتگی ہے ایرانی نژاد ہونے کی وجہ سے ان کے کلام میں فارسی کی ترکیبیں اور مخصوص چھاپ نظر آتی ہے۔ چونکہ لکھنو میں پلی بڑھی تھیں۔ اس لئے ان کی زبان پر لکھنوی انداز کا زیادہ اثر ہے۔ بانو طاہرہ نے عام روش سے ہٹ کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو دلیر' بہادر' جری اور حق کی راہ میں جان' مال اور عزیز واقربا کو قربان کرنے والے سرفروش کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ بانو طاہرہ شاعری میں روایت کی پابندی نہیں کرتیں۔ مختلف اصناف ادب میں ان کی کثیر تعداد میں مطبوعات ملتی ہیں۔

"ہدیہ طاہرہ" نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ یہ حضرت علی کے جشن چودہ سو سالہ کی تقریب کے موقع پر پہلی بار شائع ہوا۔ اس کے مزید چار ایڈیشن نکلے۔ ۱۹۷۳ء میں "گل خونچکاں" کے نام سے ان کا وہ کلام شائع ہوا۔ جو انہوں نے واقعہ کربلا سے متاثر ہو کر لکھا تھا۔ اس کے علاوہ "برگ سبز" کے نام سے غزلوں اور نظموں پر مشتمل ادبی دیوان شائع ہوا۔ "آشیاں ہمارا" قومی نظموں کا مجموعہ ہے جو ۱۵ر اگست ۱۹۷۳ء کو

شائع ہوا۔ بانو طاہرہ سعید فارسی میں بھی شعر کہتی تھیں۔ چنانچہ ''دل شب'' کے نام سے غیر مطبوعہ کلام مرتب کردہ ہے۔

۱۹۹۹ء میں ''دامن گلزار'' کے نام سے ایک مجموعہ شائع ہوا۔ جو نظموں' غزلوں' ہائیکو اور سانیٹ پر مشتمل ہے۔ ''دو ررہ کر'' ان کی آزاد نظموں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ شاعری کے علاوہ نثر میں بھی ان کی تصنیفات ملتی ہیں۔ بچوں کے ادب سے متعلق ایک طویل افسانہ بچوں کی زبان میں سات دوست کے نام سے سپرد قلم کیا ہے۔ ''پنچھی باورا'' اور ''خون جگر'' افسانوں کے دو مطبوعہ مجموعے ہیں۔ آندھرا پردیش اردو اکیڈیمی اور دہلی اکیڈیمی نے ان کی مطبوعات پر ایوارڈز عطا کئے ہیں۔ نہج البلاغہ سوسائٹی'' کی رکن عاملہ تھیں۔ ان کا تحریر کردہ ''اردو زبان کا ترانہ'' مدرسوں میں پڑھا جاتا ہے۔ بانو طاہرہ اکثر و بیشتر عنوانات کے تحت سلام و نوحے لکھتی تھیں۔ سلام کے کچھ شعر ہیں۔

سلامی کربلا میں تشنہ لب شاہ زماں کیوں ہے　　سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ جور آسماں کیوں ہے

بہو زہرا کی وہ اور شاہزادی ملک ایراں کی　　مگر بانو کے سر پر خاک' ہونٹوں پر فغاں کیوں ہے

غم عباس کافی تھا برائے کشتن سرور　　حسین ابن علی پر یورش تیر وسناں کیوں ہے

عجب دولھا ہے جس کے سر پہ سہرا ہے شہادت کا　　دلہن کے ہاتھ میں کنگنے کے بدلے ریسماں کیوں ہے

غم سرور بھلادے گا غم دینا وما فیہا　　تجھے اے طاہرہ آخر یہ فکر دو جہاں کیوں ہے

نوحہ بعنوان نذر سکینہ

بنت حسین جان کے کھونے کے دن نہ تھے　　دن کھیل کود کے تھے یہ رونے کے دن نہ تھے

ملتا تھا چین سینہ پہ بابا کے رکھ کے سر　　ننھی سکینہ باپ کو کھونے کے دن نہ تھے

کانوں کے زخم بن گئے زخم دل حسین　　منہ آنسوؤں سے قید میں دھونے کے دن نہ تھے

بانو کو کتنی ملتی تھی تسکین آپ سے　　غربت میں ماں کو چھوڑ کے سونے کے دن نہ تھے

بنت حسین آپ پہ قربان طاہرہ پیوند خاک شام میں ہونے کے دن نہ تھے

بانو طاہرہ نے اگست ۲۰۰۱ء میں انتقال کیا۔

حسینی بیگم

حسینی بیگم نام۔ تخلص حسینیؔ۔ والد کا نام مولوی سید صادق علی شوہر کا نام سید شاکر حیدر بلگرامی ابتدائی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ گورنمنٹ اسکول میں معلمہ تھیں۔ ان کی مطبوعہ کتابوں پر بی الف (ادیب اعلیٰ) لکھا ہوا ملتا ہے۔ حیدرآبادی خواتین میں حسینیؔ کے قصائد اور نوحے کافی مقبول ہیں۔ ہر محفل میلاد میں ان کے قصائد پڑھے جاتے ہیں" ناوک غم" ان کے سلام، نوحوں اور مرثیوں کا مجموعہ ہے جس میں بائیس (۲۲) سلام، تئیس (۲۳) مرثیے اور اٹھتر (۷۸) نوحے شامل ہیں۔ ان کا کلام مراسم عزاداری کی ضرورت کی تکمیل تو کرتا ہے لیکن ادبیت کی تلاش بے سود ہے۔

حسینیؔ نے سیدالشہدا امام حسینؑ، آپ کے احباب و انصار، ائمہ اطہار اور پیغمبر خدا جناب فاطمہ زہرا کے حال میں نوحہ سلام اور مرثیے لکھے ہیں۔ جناب عبدالمطلب، حضرت عبداللہ اور جناب آمنہ کی وفات پر بھی حسینیؔ کے نوحے ملتے ہیں۔ اگرچہ ان میں اشعار کی تعداد صرف پانچ ہی ہے۔

حسینیؔ کے نوحہ میں "واویلا" اور "ہائے ہائے" کی ردیف بھی ملتی ہے۔ بہ حیثیت مجموعی ان کا سرمایہ کلام روایتی انداز میں ملتا ہے۔

آج عبدالمطلب کا کوچ دنیا سے ہوا — ہوگئے بیکس پسر دل پر ہے صدمہ باپ کا

کرتے تھے حضرت عبادت روز و شب اللہ کی — خلق پر حضرت کا تھا رحم و کرم حد سے سوا

آج عبدالمطلب سے ہوگیا خالی جہاں — خلق کے محسن کا سایہ سر سے سب کے اٹھ گیا

فیض تھا حضرت کا جاری خلق میں تا زندگی — ہوگئی محروم فضل حق سے سب خلق خدا

اے حسینیؔ آج ہیں محزوں محمد مصطفیٰ — سرور عالم کے دادا نے جہاں سے کی قضا

حضرت حمزہ کی شہادت پر رسول اکرم بہت محزون تھے کہ آپ پر رونے والا کوئی نہیں۔ خداوند عالم نے یہ اہتمام فرما دیا ہے کہ آج تک ذکر حسین کے ساتھ حضرت حمزہ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے حسینی نے بھی نوحہ کہا ہے

پیغمبرؐ خدا کا علمدار مر گیا	ہو کر شہید دین کا سردار مر گیا
حمزہ کو ہائے ظالموں نے قتل کر دیا	حامئی دین احمدؐ مختار مر گیا
جاں اپنی دی حمایت اسلام کے لئے	ناصر نبیؐ کا عاشق غفار مر گیا
پرسہ دے مصطفیٰ کو حسینی بصد الم	محبوب ذوالجلال کا غمخوار مر گیا

حسینی کے نوحے تاریخی حیثیت کے حامل ہیں۔ اپنے نوحوں میں وہ جس امام کی شہادت کا بیان کرتی ہیں یہ بھی لکھتی ہیں کہ آپ کی وفات یا شہادت کا سبب کون تھا اور کس بادشاہ کے دور میں امام علیہ السلام نے شہادت پائی۔ امام زین العابدین کے حال کا یہ نوحہ پیش کیا جاتا ہے

آج ماتم بپا ہے واویلا	ظلم شہہ پر ہوا ہے واویلا
دیا عابد کو سم ولید لعیں	غل یہ ہر سو بپا ہے واویلا
روئے چالیس سال بہر پدر	رنج کی انتہا ہے واویلا
آج چوتھے امام کا سایہ	سب کے سر سے اٹھا ہے واویلا
اے حسینی حسین کا نائب	خاک میں چھپ رہا ہے واویلا

پانچویں امام کی شہادت کے بیان میں مرثیہ کے یہ بند قابل توجہ ہیں

آئے جب شام سے سجاد وطن میں ہے ہے	زہر سے جان لی عابد کی ستم گاروں نے
باپ کا داغ بھی سلطان زمن دل پہ سہے	عمر بھر حضرت باقر نے اٹھائے صدمے

زہر آخر دیا ہشام لعیں باقر کو

مکر سے کر دیا بے جان ستم گر شہ کو

زین ایک زہر بھری زید سے بھیجا اشام
جبر سے زید کے گھوڑے پہ وہ زیں کس کے امام

ہو کے اسوار چلے چند قدم شاہ امام
ہو گیا سم کا اثر سوجھ گیا جسم تمام

جسم میں آگ تھی' تھا کرب عجب حضرت کو
غش کبھی آتا تھا اور ہوش کبھی تھا شہ کو

بین کا عنصر حسینی کے مرثیوں میں بہت پر درد ہے نویں امام محمد تقی کی شہادت پر کہے گئے مرثیے کے یہ بند ہیں

خبر مدینے میں پہنچی تو ایک حشر ہوا
مدینہ میں ہوا کہرام اس گھڑی برپا

تھا اہلبیت میں حضرت کے شور آہ و بکا
ضعیف ماں کے جگر پر ہوا عجب صدمہ

تھے بین ہائے جواں لال مر گیا میرا
میں جیتی رہ گئی رونے کو کیا غضب یہ ہوا

نہیں خبر مجھے کیا کیا گزر گئی تم پر
تھے بس میں تم تو ستم گاروں کے مرے دلبر

ملی نہ ہوئے گی آب و غذا بھی جی بھر کر
اٹھا کے صدمے جہاں سے سدھارے نور نظر

تمہارے ہجر میں مجھ کو نہ چین آئے گا
بلا لو پاس مجھے اپنے جلد اے بیٹا

حسینی نے اپنے ایک مرثیہ میں شہزادہ علی اکبر کی نسبت کی روایت یوں بیان کی ہے

چرچا جہاں میں حسن کا اکبر کے جب ہوا
شاہ حلب کو عشق خوز ادے سے تب ہوا

منسوب اپنی بیٹی کو اکبر سے کر دیا
تھا منتظر شباب کا اکبر کے بادشاہ

خط اس نے پھر لکھا شہ عالی مقام کو
یا شاہ سرفراز کرو اس غلام کو

میری یہ عرض آپ سے ہے یا شہ ہدا
ایک دختر حسین مجھے خالق نے ہے دیا

اکبر سے اس کو کیجئے منسوب یا شہا
ہو آپ کی بہو وہ' بڑھے اس کا مرتبہ

لطف وکرم سے شہ کے یہ مجھ کو شرف ملے
داماد شاہزادۂ اکبر میرا بنے

شاہ حلب کو شہ نے لکھا یہ جواب آہ
منظور ہے خدا کو تو اکبر کا ہوگا بیاہ
تقدیر میں نہیں ہے تو چارہ ہے ہائے کیا
درپیش معرکہ ہے ابھی کربلا کا آہ

خط کا جواب پاکے پریشان وہ ہوا
آخر کو کتخدائی کا ساماں کیا بپا

حضرت علی اکبرؑ کی رخصت، جنگ اور شہادت کا بیان چوبیس بند کے اس مرثیہ میں مفصل ملتا ہے۔ جناب زینب کے بین حضرت علی اکبرؑ کی لاش پر اس طرح ملتے ہیں۔

زینب یہ بین کر رہی تھی سر کو پیٹ کر
اکبر پھپھی کو چھوڑ کے تم جاتے ہو کدھر
پالی تھی کتنے نازوں سے تم کو میں نوحہ گر
اور تم پہ صدقے کردی میں دو چاند سے پسر

بیٹا جوان ہو کے جہاں سے گزر گئے
بے آس ہائے پالنے والی کو کر گئے

حسینی نے سلام اس انداز میں لکھے ہیں کہ وہ سلام بھی ہیں اور نوحہ کی طرز پر بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔ امام حسینؑ کے حال میں لکھا گیا سلام پیش کیا جاتا ہے۔

سر پیٹو اے محبو قیامت کا دن ہے آج
سلطان کربلا کی شہادت کا دن ہے آج
سر دے رہے ہیں بخشش امت کے واسطے
شبیر پر عجیب مصیبت کا دن ہے آج
خیموں میں العطش کی صدائیں بلند ہیں
عاشور کا ہے روز قیامت کا دن ہے آج
لشکر شہید ہو چکا شہ قتل ہو گئے
اہل حرم پہ ہائے کس آفت کا دن ہے آج
زین العبا اسیر ہوئے بے ردا حرم
سر پیٹ اے حسینی کس آفت کا دن ہے آج

حسینی کے قصائد کے دو مجموعے ''گلدستہ عقیدت'' کے نام سے متعدد بار شائع ہو چکے ہیں۔[1]

---

[1] ڈاکٹر ریاض فاطمہ نے یہ ساری تفصیلات دی ہیں۔

حجاب بلگرامی

سیدہ بانو نام' حجاب تخلص' والد کا نام سید حسن حشن بلگرامی ۔ شوہر کا نام سید علی حیدر بلگرامی ۔ حجاب ۱۹۰۲ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ حجاب کے والد اپنے زمانے کے اہم شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے ۔ حجاب کی ابتدائی تعلیم اردو' فارسی' عربی اور انگریزی گھر پر معلم کے ذریعہ ہوئی۔ خاندان کے ادبی' ماحول کے زیر اثر شاعری کی ابتدا سن بلوغ کو پہنچنے سے قبل ہوئی ۔ حجاب نے اپنے کلام پر کسی استاد سے باقاعدہ اصلاح نہیں لی ۔ ان کی شاعری کی ابتداء غزل گوئی سے ہوئی ۔ لیکن بعد میں رجحان صرف نوحوں' سلام' منقبتوں اور مناجات پر مرکوز رہا۔

حجاب کے نوحوں کے تین مجموعے ''معراج امامت'' کے عنوان سے حیدرآباد سے شایع ہوئے ۔ اس کے علاوہ اس سے قبل ان کے نوحوں کی تین بیاضیں جونپور' لکھنو اور مرادآباد سے طبع ہو چکی تھیں ۔ ۱۹۸۲ء میں طویل علالت کے بعد حجاب نے انتقال کیا۔ حجاب کے نوحوں اور سلاموں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے نوحے اور سلام دو بیتی ہونے کے علاوہ مثلث' مربع' مخمس اور مسدس کی شکل میں بھی ملتے ہیں ۔ حجاب کے کلام میں سوز و گداز بدرجہ اتم موجود ہے ۔ ان کے کلام کی تاثیر کی اس واقعہ سے تصدیق ہو جاتی ہے کہ انہوں نے سخت پریشانی کے عالم میں چار فریادی نوحے لکھے تھے ۔ ان کے متعلق انہیں بشارت ہو چکی تھی کہ ان کے یہ چاروں فریادی نوحے قبول ہو چکے ہیں ۔ حجاب کو زبان و بیان پر بے انتہا قدرت حاصل تھی ۔ موضوع کی مناسبت سے الفاظ کے انتخاب میں وہ سلیقے سے کام لیتی تھیں ۔ ''معراج امامت'' حصہ دوم کے مطبوعہ ۱۹۶۵ تعارف میں حجاب کہتی ہیں ۔

''اس دفعہ کئی نوحے ہندی زبان میں پیش کر رہی ہوں جو مجالس میں کافی حد تک مقبول ہوئے ہیں ۔ میں نے خاص طور سے اس کا خیال رکھا ہے کہ عام فہم ہوں ۔ پڑھنے والوں کیلئے دشواری نہ ہو'' ۔ اس نوحہ میں حجاب نے عصر عاشور اور قتل گاہ کی منظر کشی کی ہے

خون سے سرخ ہے آج صحرا شامیوں میں ہیں شبیر تنہا

ہر طرف ہے پڑا کوئی لاشا شامیوں میں ہیں شبیر تنہا

زین خالی لئے اسپ آیا قتل گہہ سے یہ پیغام لایا

حلق کٹنے کو ہے شاہ دیں کا شامیوں میں ہیں شبیر تنہا

جسم مجروح جلتی زمیں ہے خون سے لال شہ کی جبیں ہے

کوئی بیکس کو دیدے سہارا۔ شامیوں میں ہیں شبیر تنہا

باب خیمہ پہ زینب کھڑی ہے بیکسی کی یہ کیسی گھڑی ہے

آتی ہے رن سے آواز زہرا شامیوں میں ہیں شبیر تنہا

خاک اُڑاتی ہے عترت نبیؐ کی نکلی خیمہ سے بیٹی علیؑ کی

رو حجاب ایک محشر ہے بر پا شامیوں میں ہیں شبیر تنہا

ماتم بہ شکل مثلث

زینب تڑپ کے کہتی ہے بھیا جواب دو — جاتے ہو کس پہ چھوڑ کے تنہا جواب دو

للہ جان فاطمہ زہرا جواب دو

اشک سکینہ بہتے ہیں منہ دیکھئے ذرا — بانہیں گلے میں ڈال کے لپٹائیے ذرا

تڑپے گا اس کا ننھا کلیجہ جواب دو

ماتم مربع

گہوارہ کا لحد کا مسافر بھی یاد ہے — جو بچپنے میں موت سے کھیلا وہ یاد ہے

سہا ہوا وہ تشنہ لب اصغر بھی یاد ہے — چھ ماہ والا کشتہ پیکان کیا ہوا

آیا تھا رن میں ہائے جو دولہا بنا ہوا — جس کا تھا کاروان عروسی لٹا ہوا

سب حسرتوں کا خون تمنا بہا ہوا — شبر کا لال قاسم بے جان کیا ہوا

ماتم مخمس

تشنہ لب نہ دم توڑو صدقے نیم جاں اکبر — کروٹیں نہ یوں بدلو دل ہے خوں چکاں اکبر

کیا شباب تھا تم پر کھا چکے سناں اکبر — نزع میں نہ یوں تڑپو دیکھ لے نہ ماں اکبر

ہائے نوجواں اکبر ہائے

ہائے نوجواں اکبر

خیمہ میں ہے اک کہرام ہائے اکبر آتے ہیں

آہ اٹھا ہے پردہ شاہ لاش لاتے ہیں

تھرتھراتے ہاتھوں سے خیمہ میں لاتے ہیں

رو حجابؔ مجلس میں اشک غم بہاتے ہیں

ہائے نواں اکبر ہائے

ہائے نواں اکبر

ماتم مسدس

ساحل پر حشر ہے کہ علمدار مر گیا

سالار فوج غازی جرار مر گیا

اُجڑا ہے علقمہ پر وفادار مر گیا

بھائی کا آج ہائے پرستار مر گیا

یا شاہ مشرقین مدد گار مر گیا

اٹھیے حسین ہائے علمدار مر گیا

صد پارہ سر حسین نے آغوش میں لیا

روئے کہ خوں بھری ہوئی میت پہ میں فدا

بہتی ہوئی فرات سے پانی نہیں پیا

اے جاں نثار بھائی کا حق کر گئے ادا

تھا جان صف شکن وہ طرح دار مر گیا

اٹھیے حسین ہائے علمدار مر گیا

سلام

کیسی آئی قضا سکینہ کو

شام کا بن ملا سکینہ کو

باپ کے ہجر میں نہ پایا چین

غم شہہ لے گیا سکینہ کو

ہائے ٹکڑے نہ کیسے ہوں دل کے

لے کے بھائی چلا سکینہ کو

کیسی غربت میں موت آئی ہے

دشت زنداں ملا سکینہ کو

بزم غم ہے حجابؔ ناداں کی

سب سدا روئیں گے سکینہ کو

سلام

حسینؑ صبر کی قوت سلام کہتی ہے
حسینؑ دین کی حرمت سلام کہتی ہے
حسینؑ کعبہ کی عظمت سلام کہتی ہے
حسینؑ بن کی شہادت سلام کہتی ہے

علیؑ کے چاند رسالت سلام کہتی ہے

جوان لال کی میت اٹھا کے بیٹھے ہیں
شبیہ جد کو گلے سے لگا کے بیٹھے ہیں
غضب کا داغ کلیجہ پہ کھا کے بیٹھے ہیں
تڑپ کے لیلیٰ کی حسرت سلام کہتی ہے

علیؑ کے چاند رسالت سلام کہتی ہے

سلام لیجے آقا یہ غم گساروں کا
سلام لیجئے اب اپنے سوگواروں کا
سلام لیجئے اس غم میں رونے والوں کا
لہو میں ڈوبی عقیدت سلام کہتی ہے

علیؑ کے چاند رسالت سلام کہتی ہے

حجابؔ تحفہ اشک عزا ہے نذرانہ
یہ ذاکری میری مولا قبول کرلینا
فشار قبر سے مولا مجھے بچا لینا
امنڈ کے اشکوں کی شدت سلام کہتی ہے

علیؑ کے چاند رسالت سلام کہتی ہے

حجابؔ کے مجموعہ جات میں بعض نوحوں کا Title نوحہ لکھا ہے اور بعض پر ماتم' لکھا ہے یہ کہیں کسی اور شاعرہ کے یہاں نہیں ملتا۔ ان کی صاحبزادی سلطنت بلگرامی سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا'' ماتم جن نوحوں پر لکھا گیا ہے اس کے طرز دوہرے ماتم کی ہے۔''

ریاضتؔ

رضیہ بیگم نام ریاضتؔ تخلص کرتی تھیں۔ ۱۹۱۶ء میں حیدر آباد میں پیدا ہوئیں۔ مرزا علی صفدر بیگ کی بیٹی اور مرزا غلام سجاد شہر کی پوتی تھیں۔ ریاضت نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی وہ ایک دین دار گھرانا تھا۔ والد اور چچا کا اس دور کے اہم مرثیہ' نوحہ وسلام کہنے والے شاعروں میں شمار ہوتا تھا۔ ریاضتؔ نے اس

مذہبی شعری اور ادبی ماحول میں پرورش پائی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں شعر و شاعری سے لگاؤ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے سولہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا۔ ریاضت نے مرثیہ 'نوحے' سلام اور قصائد کا ذخیرہ اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ اپنی زندگی ہی میں اپنے کلام کو محفوظ کرنے کا انہوں نے یہ طریقہ نکالا کہ ابتداء میں نوحوں کے دو مجموعے ''اشک غم'' کے نام سے چھپوائے' اس مجموعہ میں ریاضت کے ۳۰۳ نوحوں کے علاوہ اپنی چچازاد بہنوں شہرت اور فطرت کا بھی کچھ کلام شامل کر لیا۔ اشک غم کی تیسری جلد بھی ریاضت نے مرتب کی تھی۔ جس میں ان کے ۳۰۰ نوحے ہیں۔ ریاضت کے نوحے درد و غم کا مرقع ہیں ان کے کلام میں انسانی رشتوں کا احترام بھی ملتا ہے۔ ''فلسفہ حیات'' بھی ہے۔ بے ثباتی دنیا کا ذکر بھی ہے۔ اور اپنی عاقبت کی فکر بھی ہیت کے اعتبار سے انکے نوحے دو مصرعی' چومصرعی' بند ادا اور مخمس ہیں۔ ریاضت نے نوحوں پر تضمیں بھی کی ہے۔ داویلا اور الوداعی نوحے بھی کہے ہیں۔ ریاضت کے مرثیوں کا ایک مجموعہ ''کرب کربلا'' کے نام سے ان کی بھتیجی اور بنی پروین نے چھپوائے۔ ریاضت نے اپنی زندگی میں ''مشاہدہ غم'' کے نام سے ایک مجموعہ شائع کروایا جو پانچ مرثیوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا مجموعہ ''چشم غم'' کے عنوان سے طبع کروایا جس میں چھ مرثیے ہیں۔ اس کے علاوہ ''خمسہ مراثی'' میں بھی ریاضت کے تین مرثیے شامل ہیں۔ ریاضت نے ۱۹۷۹ء میں انتقال کیا۔

نوحہ

کہہ دے کوئی نبیؐ سے دل افگار آیا ہے — بابا کو کھو کے عابد بیمار آیا ہے
باقی ہے فوج اور نہ علمدار آیا ہے — لے کر علم یہ کشتۂ آزار آیا ہے
سب قافلے سے چھوٹ کے سجاد دل فگار — ہو کر غم والم میں گرفتار آیا ہے
پرخوں عبا حسین کی' ساماں لٹا ہوا — تحفہ یہ لے کے بیکس ونا چار آیا ہے
لیجئے خبر دکن کی ریاضت نثار ہو — مشکل کا وقت حیدر کرار آیا ہے

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کے حال کے مرثیہ کے چند بند یہ ہیں

اے مومنو آفاق سے شبر کی ہے رخصت — جان و جگر حیدر صفدر کی ہے رخصت
بھینٹیں ذیں حزیں سبط پیمبرؐ کی ہے رخصت — شبیر سے اب پیارے برادر کی ہے رخصت

سب اہل حرم مضطر و دلگیر ہیں بیٹھے
بھائی کو سنبھالے ہوئے شبیر ہیں بیٹھے

شبر کا جگر ٹکڑے ہوا جاتا ہے سم سے — صد پارہ ہے دل حضرت شبر کا غم سے
کہتے ہیں کہ اے بھائی نہ منہ موڑیئے ہم سے — شبیر کی راحت ہے فقط آپ کے دم سے
بابا ہی کا غم کیا میرے دل کے لئے کم ہے
سر سے جو اٹھا آپ کا سایہ تو ستم ہے

بھائی سے سخن صبر کے فرماتے ہیں شبرؑ — کہتے ہیں کہ اب میری جگہ تم ہو برادر
اللہ رکھے تم کو ستم دیدوں کے سر پر — اے بھائی حوالے ہے تمہارے میرا سب گھر
طوفان میں یہ کشتی حوالے ہے تمہارے
آل احمد مرسلؐ کی حوالے ہے تمہارے

یہ کہہ کے حسن ہوگئے بے چین نہایت — دل میں جو اٹھا درد بگڑنے لگی حالت
لیں ہچکیاں چہرے کی بدلنے لگی رنگت — پڑھ کر کلمہ خلد کو راہی ہوئے حضرت
آغوش میں بھائی کے سفر کر گئے شبر
منہ دیکھتے شبیر رہے مرگئے شبر

سر پیٹ کے زینب نے کہا ہائے برادر — باتیں ابھی تم کرتے تھے ماںجائے برادر
چپ کیوں ہوئے قربان بہن جائے برادر — کیا ہوگیا یہ دفعتاً اے وائے برادر
سہنے کے لئے رنج و محن رہ گئی بھائی
تم مرگئے رونے کو بہن رہ گئی بھائی

سیّدۃ النساء زہرا

نام سیدۃ النساء۔ زہرا تخلص۔ "نالہ زہرا" ان کے نوحوں، مرثیوں اور مناجات پر مشتمل مجموعہ کلام ہے۔
اس مجموعہ کا ٹائٹل اس طرح ہے

''انا للہ وانا الیہ راجعون نالہ زہرا ہے جس کو جنابہ سیدۃ النساء بیگم مرحومہ المتخلص زہرا بنت ڈاکٹر حاجی داد علی خاں مرحوم کوکب دری۔ متخلص شریف نے تصنیف کیا ہے۔ بار اول مطبوعہ نظام سلور جوبلی پریس حیدرآباد دکن''۔

کتاب کے صفحہ اول پر عبارت درج ذیل ہے۔

''میری پیاری لڑکی سیدۃ النساء بیگم مرحومہ کی جوان مرگی و قیامتی جدائی نے تمامی احباب خصوصاً میرے دل پر وہ سخت داغ دیا جو قیامت تک مٹ نہیں سکتا۔ مرحومہ کے پاکیزہ خیالات جو بہ لحاظ زہد و تقویٰ و علم و عمل و مودت چہاردہ معصومین علیہم السلام ظاہر ہوئے قابل تقلید ہیں۔ مجملہ ان کے چند نوحہ جات و مرثیے پیش ناظرین ہیں۔ مرحومہ کی تمنا تھی کہ اپنے عالم زندگانی میں ان کو زیور طبع سے آراستہ دیکھیں۔ مگر افسوس کہ جلد داعی اجل کو لبیک کہا اور دنیا کی بے ثباتی اور عاقبت اندیشی کے لحاظ سے اپنی آخری وصیت میں تاکید کی کہ ''اماں یہ چھپ جائیں۔'' لہذا حسب وصیت یہ بیاض موسوم بہ ''نالہ زہرا'' ہدیہ اہل عزا کی جاتی ہے۔ امید کہ وقت نوحہ خوانی مرحومہ کو دعائے خیر و فاتحہ سے فراموش نہ کریں گے۔''

فقط اہلیہ ڈاکٹر حاجی داد علی خاں مرحوم و مغفور

مندرجہ بالا عبارت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ زہرا کے والد کا نام ڈاکٹر حاجی داد علی خاں کوکب دری اور تخلص شریفؔ تھا۔ کتاب کی پشت پر زہرا کی تاریخ وفات جو مختلف شاعروں نے نکالی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا انتقال ۱۹۱۸ء میں ہوا۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ اٹھارہ سال کی عمر میں زہرا کا انتقال ہوا تو سنہ پیدائش ۱۹۰۰ء قرار پاتی ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ بارہ تیرہ سال کی عمر سے انہوں نے شاعری کا آغاز کردیا ہو۔ خود ان کے والد شاعر تھے اور شریفؔ تخلص کرتے تھے۔ لہذا امید کی جاسکتی ہے کہ زہرا نے ان سے متاثر ہوکر شعر کہنا شروع کیا ہوگا اور والد سے مشورہ سخن بھی کرتی ہوں گی۔

زہرا کے دو بھائی ڈاکٹر حیدر علیخاں اور خضر علی شریف اور ایک بہن بھی تھیں۔ [1] بہن کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ ان ہی سے پتہ چلا کہ زہرا کا انتقال طاعون کی بیماری سے ہوا ''نالۂ زہرا'' میں ایک مناجات میں اس طرف اشارہ ملتا ہے

طاعوں نے ہر مرض سے دبا اور موت سے دیجئے پناہ فخر مسیحا اب آیئے [2]

---

[1] زہرا کی بھتیجی قمر آرا بیگم صاحبہ یہ بات بتائی [2] ''نالۂ زہرا'' ۲۸

طاعون کی وبا اس وقت پھیلی ہوئی تھی اور اسی سے ان کی موت بھی واقع ہو گئی۔ خاندان کے دیگر افراد نے بھی ان کی جواں مرگی کی تصدیق کی ہے۔ زہرا کی تعلیم کے بارے میں صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ انہوں نے کسی سکول میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ بلکہ عربی' فارسی اردو اور انگریزی کی تعلیم اس زمانے کے رواج کے مطابق گھر پر ہی حاصل کی۔ [1]

زہرا نے آج سے سو سال پہلے جس انداز میں نوحے اور مرثیے لکھے تھے' وہ زبان و بیان کے اعتبار سے ادبی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے نوحوں اور مرثیوں کے مطالعہ سے اہلبیت اطہار سے جہاں ان کی والہانہ عقیدت وخلوص کا اظہار ہوتا ہے' وہیں یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہیں موضوع کی مناسبت کے لحاظ سے الفاظ کے انتخاب میں کمال حاصل تھا۔ زبان سلیس اور انداز بیان سوز و گداز سے بھرا ہوا ہے۔ کہیں کہیں فارسی کا اثر بھی ہے۔ زہرا نے سادہ نوحوں کے علاوہ "ہائے ہائے" "الوداع" اور "واویلا" بھی لکھے ہیں حضرت عباس کے حال میں لکھے نوحہ کے چند شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

اے کرب و بلا شہ کا علم دار کہاں ہے — اے نہر بتا پیاسوں کا غم خوار کہاں ہے
سر پیٹ کے چلاتے ہیں سلطانِ دو عالم — شیدائے سکینہ میرا غم خوار کہاں ہے
اک ایک سے کہتی ہے یہ مغموم سکینہ — عموئے جری شہ کا علم دار کہاں ہے
پانی کے لئے آئے تھے دریا کی طرف وہ — اے لشکرِ کیں شہ کا طرفدار کہاں ہے
زہرا کی صدا تم کو سنائی نہیں دیتی — چلاتی ہے کب سے میرا سردار کہاں ہے [2]

حضرت کبریٰ کی وفات پر کہے ہوئے نوحہ کے چند شعر ہیں

روتے ہیں سب نبیؐ کے حرم و امصیبتا — بے حد ہے بیکسوں پہ الم و امصیبتا
شب کی دولہن تھی صبح کو بیوہ ہزار حیف — کس طرح کے تھے ظلم و ستم وامصیبتا
کنگنے کی جا تھی ہاتھ میں نا چار کے رسن — دیکھا نہ ہم نے ایسا ستم وامصیبتا
کبریٰ کا ہائے ہوگیا دنیا سے انتقال — کیوں کر نہ روئیں اہل حرم وامصیبتا
زہرا میں ہائے طاقت تحریر اب نہیں — رکتا ہے اس بیاں سے قلم وامصیبتا [3]

---

[1] طیبہ بیگم بنجر علی خاں سے معلومات حاصل ہوئیں۔ [2] نالۂ زہرا صفحہ ۱۵۔ [3] نالۂ زہرا صفحہ ۱۳

زہرا نے دو مرثیے بھی لکھے ہیں۔ جو اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ ایک مرثیہ امام زین العابدین اور دوسرا جناب زینب کی شہادت کے حال میں لکھا ہے۔ یہ دونوں مرثیے عرصہ دراز سے مجالس میں مخصوص تاریخوں میں پڑھے جاتے ہیں اور بہت زیادہ مقبول ہیں۔ زہرا نے تاریخی واقعات تسلسل کے ساتھ مختصراً بیان کرتے ہوئے شہادت 'بین اور پھر دعا پر مرثیوں کو ختم کیا ہے دونوں مرثیے انیس (۱۹) بند پر مشتمل ہیں۔ جناب زینب کا مرثیہ اس طرح شروع ہوتا ہے

درپیش پھر سفر ہوا چارم امام کو | سونے دیا نہ قبر میں شاہ انام کو
پھر عابد غریب کو جانا ہے شام کو | اہل مدینہ آئے ہیں شہ کے سلام کو

قبر نبیؐ پہ شور ہوا وامصیبتا
آتی ہے ہر طرف سے صدا وامصیبتا

دوسرا مرثیہ امام زین العابدین کی شہادت کے حال میں ہے۔ اس مرثیہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے

شہید سے کوئی شمشیر کا مزا پوچھے۔ | مریض سے کوئی اکسیر کا مزا پوچھے
اسیر سے کوئی زنجیر کا مزا پوچھے | یتیم سے کوئی دل گیر کا مزا پوچھے

ہر اک پہ گو زمانے میں رنج و غم ہے ہے
سہانہ عابد بیمار سا الم ہے ہے

ان دونوں مرثیوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں تمام تاریخی واقعات تسلسل کے ساتھ نہایت مختصراً انداز میں سموئے گئے ہیں۔ یہ مرثیے مجلس کے تقاضوں اور مقصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ مرثیے زبان و بیان پر شاعرہ کی بے پناہ قدرت کو ظاہر کرتے ہیں۔

شہرت

امتہ الحمدی بیگم نام۔ شہرت تخلص ۱۹۲۲ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ شہرت غلام سجاد اشہر کی پوتی اور مرزا علی یاور مشہور کی بیٹی تھیں۔ شہرت کو مدح گوئی اور مرثیہ گوئی ورثہ میں ملی تھی۔ ان کے پہلے مجموعہ

مراثی میں پانچ مرثیے ہیں جو ''پنج مراثی شہرت'' کے نام سے ۱۹۷۹ء میں طبع ہوئے۔ یہ مرثیے ۱۷ر صفر کی مجلس میں مفت تقسیم کئے گئے تھے۔ ۱۹۹۰ء میں ان کی لڑکی ڈاکٹر ریاض فاطمہ نے اس میں مزید تین مرثیے شامل کر کے ''ہشت مراثی شہرت'' کے نام سے شایع کروایا۔ شہرت کے مرثیوں میں بین و بکا کے ساتھ ساتھ فلسفیانہ مضامین' مقصد تخلیق انسان اور درس اخلاق ملتے ہیں۔ ان کے نوحے طویل اور مختصر دونوں بحر میں ملتے ہیں۔ مستزاد کے علاوہ چو مصرعی نوحے بھی انہوں نے لکھے۔ شہرت کے نوحوں میں تشبیہ استعارے اور روزمرہ کا برمحل استعمال ہوا ہے۔ مرثیے اور نوحے کے علاوہ شہرت نے سلام بھی کہے ہیں۔ شہرت نے ۲۸ر ستمبر ۱۹۶۱ء کو انتقال کیا۔

سلام

مصیبت شہ بیکس کا جب خیال کیا	رولا رولا کے مجھے طبع نے بحال کیا
برس کے اشک نے دھوڈالے سب سیہ اعمال	لحد کے میں نے اندھیرے کا جب خیال کیا
کہاں ہیں باغ جہاں کے وہ باغباں افسوس	جنہوں نے باغ مضامیں کو تھا نہال کیا
جواب تیر تھا کیا حلق بے زباں کے لئے	حسین امام نے پانی کا تھا سوال کیا
امید وار ہے بخشش کی بخش دیں احباب	دلوں کو جن کے ہے شہرت نے پائمال کیا

نوحہ

دل زندگی سے سبط پیمبرؑ کا بھر گیا	بیٹا جو نوجوان جہاں سے گزر گیا
مشکل ہے زیست اب شہ عالم پناہ کی	تھا جو کہ زندگی کا سہارا وہ مرگیا
بحر جہاں میں شاہ کو ہے تلخ زندگی	بیٹا جہاں سے تشنہ دہن کوچ کرگیا
نظروں میں شاہ دیں کی زمانہ سیاہ ہے	نور نظر جو سامنے آنکھوں کے مرگیا
شہرت جہاں میں آ کے نہ کچھ کام کر سکے	بیکار زندگی کا زمانہ گزر گیا

جناب سکینہ کے مرثیے کے چند بند ملاحظہ ہوں۔ ۳۵ بند پر مشتمل یہ مرثیہ اکثر مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے۔ اور بہت مقبول ہے۔

اللہ کیا مہیب یتیمی کی رات ہے	ویراں یتیم کے لئے سب کائنات ہے
دنیا تو خیر سب کے لئے بے ثبات ہے	بابا نہ ہو تو موت سے بدتر حیات ہے

دم جس کا اس الم سے گھٹے اس سے پوچھئے
جس کا شفیق باپ چھٹے اس سے پوچھئے

پوچھے کوئی سکینہ سے اس واردات کو کیوں کر گزارے ہائے یتیمی کی رات کو
دیتے ہیں گھرکیاں جو عدو بات بات کو روتی ہے یاد کرکے شہ کائنات کو
سوتی ہے اور نہ قلب کو تسکین ہوتی ہے
گودی میں ماں کی ہچکیاں لے لے کے روتی ہے

سمجھا رہی ہے ماں کہ مری جان صبر کر مادر ہزار جان سے قربان صبر کر
روئے گی کب تلک مری نادان صبر کر رونا تو عمر بھر ہے پر اک آن صبر کر
روئے یتیم وہ جسے اعدا کا ڈر نہ ہو
ڈر ہے مجھ کہ شمر کو اس کی خبر نہ ہو

یہ کہہ کے سر جو پیٹ کے روئی بہ شور وشین دیوار قید خانہ پہ آیا سرِ حسینؑ
آواز دی سکینہ کو اے میری نورِ عین مرنے کے بعد بھی مرے دل کو نہیں ہے چین
آرم دن کو اور نہ راتوں کو چین ہے
بے چین تیرے واسطے بنتِ حسینؑ ہے

دیکھا سکینہ نے جو سرِ سرورِ عرب پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو دوڑی وہ خوش لقب
دامن کو اپنے کرتے کے پھیلا یا اس نے جب گودی میں اس کی آگیا سرشاہ دیں کا تب
سر آیا یا کہ موت کا پیغام آگیا
کچھ ہو مگر سکینہ کو آرام آگیا

فطرت

امۃ الزہرا بیگم نام، فطرتؔ تخلص، شہرتؔ کی بہن مرزا علی یاور مشہورؔ کی دوسری بیٹی اور اشہرؔ کی پوتی تھیں۔ فطرتؔ ۱۴ر جمادی الثانی ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئیں۔۔ گھر پر قرآن اور دینی تعلیم حاصل کی۔ اشہرؔ کے گھرانے میں ہر فرد نے تم کا سلام ونوحے کہے ہیں۔ فطرت کا شاعری سے لگاؤ فطری تھا۔ ماحول کے زیر

اثرؔ اوائل عمر ہی سے شاعری کا آغاز کیا۔

''اشکِ غم'' جلد اول میں فطرتؔ کے (۳۷) نوحے شامل ہیں۔ ۱۳۶۱ھ میں یہ مجموعہ شائع ہوا جبکہ ان کی عمر (۱۹) سال تھی۔ فطرتؔ نے نوحہ سلام مرثیہ اور قصائد بھی کہے ہیں اور نظمیں بھی لکھی ہیں۔ فطرتؔ پر گو شاعرہ تھیں۔ یہ پر گوئی اور زود گوئی انہیں اپنے والد مشہورؔ اور چچا جعفرؔ سے وراثتاً ملی تھی۔ مشہورؔ کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ سلام نوحے اور نظم کے علاوہ ہجو بھی فی البدیہہ کہتے تھے۔ اور جعفرؔ چلتے پھرتے بند کے بند مرثیے کے موزوں کیا کرتے تھے۔

فطرتؔ کے نوحے واقعہ نگاری اور درد وغم کے مرقع ہیں ان کے نوحوں میں مستزاد' واویلا' اور الوداع' سب اقسام موجود ہیں۔ اشعار کی تعداد (۵) تا (۱۲) ملتی ہے۔ آسان اور رواں بحروں میں کہے گئے یہ نوحے فطرتؔ کے جذبۂ عقیدت کے مظہر ہیں۔

فطرتؔ نے مرثیے بھی کہے ہیں جن میں چھوٹی بحر کے مرثیے بھی ملتے ہیں پہلا مرثیہ ۱۳۷۰ھ میں لکھا ہے (۳۲) بند کا یہ مرثیہ شہزادہ علی اصغر شہادت کی اور امام حسینؑ کی رخصت وشہادت کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ مرثیہ صرف ایک دن میں لکھا گیا ہے جس کا اظہار مقطع میں یوں ملتا ہے

شاعری کا مجھے نہیں دعوئی — ہے یہ سب فیضِ شاہ ہر دوسرا
آج فطرتؔ کا مرثیہ پہلا — ایک ہی دن میں ہوگیا پورا

ہے دعا یہ قبول ہوجائے
مرثیہ یہ قبول ہوجائے

فطرتؔ نے یہ مرثیے اس دور میں لکھے ہیں جبکہ رفتہ رفتہ طویل مرثیوں اور تحت اللفظ ذاکری کا رواج ختم ہو رہا تھا۔ جماعت میں پڑھے جانے والے مرثیہ زیادہ تر بینیہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے مرثیوں میں چہرہ' رخصت' میدان جنگ کا بیان رجز' تلوار کی تعریف جیسے اجزائے مرثیہ نہیں ملتے۔ تاہم بعض ایسے بند ملتے ہیں جن کے پڑھنے سے میدان جنگ کا تصور نگاہوں میں آجاتا ہے۔ نموناً چند بند درج کئے جاتے ہیں

---

[1] یہ معلومات ڈاکٹر ریانس فاطمہ سے حاصل ہوئیں۔

جناب عون و محمد کے حال کے مرثیہ میں یہ بند:

کہا حسین نے ایسا کہو نہ اے خواہر — ہیں مجھ کو اکبر و اصغر سے یہ زیادہ تر
جو ہے یہ ثانی حیدر وہ ثانی جعفر — ملے ہیں کس کو بھلا ایسے بے بہا گوہر
مقابلہ کے لئے آئیں گے جو شیروں سے
پناہ مانگیں گے اعدا بھی ان دلیروں سے

ملا جو اذن تو ہتھیار سج کے رن کو گئے — غضب کی جنگ کی لاکھوں سے تشنہ کام لڑے
مقابلے سے جو قابو میں شیر آ نہ سکے — عقب سے آ کے لعینوں نے واران پہ کئے
ادھر تو لاکھوں کا مجمع تھا یہ اکیلے تھے
غضب ہے بچوں پہ فوج ستم کے ریلے تھے

جب ان پہ ٹوٹ پڑا فوج شام کا لشکر — ٹھہر سکے نہ فرس پروہ دونوں رشک قمر
گرے زمین پہ یا شیر کبریا کہہ کر — صدا حسینؑ کو دی یا حسینؑ لیجیے خبر
زمیں پہ گر پڑے ہنگام دم شماری ہے
فقط حضور کے آنے کی انتظاری ہے

امام حسینؑ کی شہادت کے مرثیہ میں یہ بند قابل توجہ ہیں

سن کے یہ غیض آیا سرور کو — سان سے کھینچی تیغ حیدر کو
تہہ و بالا کیا وہ لشکر کو — کر دیا دو ہر ایک کے سر کو
رن میں دریا لہو کے بہنے لگے
الاماں الامان کہنے لگے

بیشتر اشعار روایتی انداز میں ملتے ہیں

ناز اٹھاتے تھے شاہ جن و بشر — اور سلاتے تھے تم کو سینے پر
خاک پر نیند آگئی کیونکر — بولو کچھ ماں سے اے مری دختر

چین کس طرح آ گیا بی بی
کان کا درد کم ہوا بی بی

ہوگیا ہائے کیا یہ دفعتاً — کرگئی کوچ میری تشنہ دہن
کس طرح تم کو دوں میں غسل وکفن — اب نہ عباس ہیں نہ شانِ زمن

ہے وطن دور اے سکینہ جاں
ماں ہے مجبور اے سکینہ جان

فطرتؔ کے مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ دستیاب شدہ نوحے (۸۴) ہیں جبکہ (۹) مرثیے دستیاب ہوئے ہیں۔ ذیل میں ایک نوحہ درج کیا جاتا ہے۔ جوان کے اندازِ بیان کا مظہر ہے۔

فاطمہؑ کہتی تھیں روکر مرے پیارے بابا — کر گئے آہ مجھے گور کنارے بابا
کرگئے آپ تو اس عالمِ فانی سے سفر — کہو زہراؑ جئے اب کس کے سہارے بابا
سختیاں ہجر کی اٹھ سکتی نہیں زہراؑ سے — مجھ کو بلوالو جہاں آپ سدھارے بابا
ہائے افسوس گیا چاہنے والا میرا — فاطمہؑ اب کسے دنیا میں پکارے بابا
جلد زہراؑ کو بھی اب خلد میں بلوالیجے — غم میں ہوں آپ کے میں گور کنارے بابا
روکے کہتی تھی یہی فاطمہ زہرا فطرتؔ — غم میں ہوں آپ کے میں گور کنارے بابا

فطرتؔ نے ۲۸ ستمبر ۱۹۸۹ء بروز جمعہ انتقال کیا۔ دائرہ میر محمد مومن حیدرآباد میں دفن ہوئیں۔[1]

قمر بلگرامی

قمر فاطمہ نام، قمرؔ تخلص، والد کا نام سید محمود حسن۔ شوہر کا نام سید کاظم بلگرامی۔ جامعہ عثمانیہ سے گریجویشن کرنے کے بعد J.N.J. کیمیکل کمپنی میں ملازم ہوگئیں۔ ۱۹۸۲ء جب وہ چیف سکریٹری کے عہدہ پر مامور تھیں، وظیفہ پر سبکدوش ہوگئیں۔ قمر بلگرامی نے ۱۹۷۰ء کے اوائل میں شعر گوئی شروع کی۔ اپنے کلام پر وہ

---

[1] یہ معلومات ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئیں۔

سعید شہیدی سے اصلاح لیتی رہیں۔نوحوں اور سلاموں کے علاوہ قصائد کے مجموعہ بھی شائع ہو چکے ہیں۔ "صدف" اور "بندگی" منقبتوں اور قصیدوں کے مجموعے ہیں "واقعات کربلا" نوحوں اور سلاموں پر مشتمل مجموعہ ہے۔اس مجموعہ میں انچاس نوحے اور گیارہ سلام شامل ہیں۔

ان کی بیٹی نے ان کی شعر گوئی کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا:۔"ایک مرتبہ ۱۸ ررمضان کو مجلس کرنے کے لئے مختلف کتابوں میں نوحے تلاش کر رہی تھیں مگر اتفاق سے کسی کتاب میں بھی انہیں نوحہ نہیں ملا۔قریب ہی سے انہوں نے کاغذ کا ایک پڑا ہوا پرزہ اٹھا کر فوراً خود ہی چار شعر کہہ کر مجلس تمام کر دی"۔

قمر بلگرامی نے دو بیتی نوحوں کے علاوہ چومصرع، مخمس اور مسدس کے روپ میں بھی نوحے لکھے ہیں۔ ان کی زبان سلیس اور عام فہم ہے۔اس کے ساتھ ساتھ جذبات کی شدت اور اظہار عقیدت میں ان کا اپنا ایک خاص انداز بیان ہے۔اس نوحہ میں شدت غم کے علاوہ بے ساختگی قابل دید ہے۔

پہنچے قریب شہر مدینہ تو رو دیئے — عابد کا دل دکھوں سے بھر آیا تو رو دیئے
پاؤں میں آبلے تھے چلے اور ٹھہر گئے — روضہ رسولؐ کا نظر آیا تو رو دیئے
بیٹھے زمیں پہ سر کو جھکائے ہوئے امامؑ — سایہ کیا کسی نے ردا کا تو رو دیئے
عباسؑ کی وفا کا شجاعت کا ذکر تھا — بیٹے نے آکے باپ کو پوچھا تو رو دیئے
اُم البنینؑ کو بیٹوں کا پرسہ دیا مگر — صغراؑ کو دے سکے نہ دلاسہ تو رو دیئے
فرماتے تھے شہید ہوئے اقربا تمام — بے شیر کو کسی نے جو پوچھا تو رو دیئے
روداد کربلا کی سنا یا کئے امام — جب ذکر شہر شام کا آیا تو رو دیئے
مولا قمر نثار کوئی انتہا بھی ہے — راتوں میں روئے دن نکل آیا تو رو دیئے

ایک اور نوحے میں جذبات کی شدت اور انداز بیان کی بے ساختگی قابل دید ہے۔

لپٹے ہوئے تربت سے دعا مانگ رہے ہیں — شہ ماں سے خدا جانے کہ کیا مانگ رہے ہیں
ہے عزم سفر ہوتا ہے برباد بھرا گھر — صحرا کو بسانے کی رضا مانگ رہے ہیں

حیران ہیں، بے چین ہیں سب اہل مدینہ شبیر سے منزل کا پتہ مانگ رہے ہیں

جھک جاتے ہیں قدموں پہ لپٹ جاتے ہیں اٹھ کر عباس علی ماں سے رضا مانگ رہے ہیں[1]

قمر بلگرامی کی تین لڑکیاں ہیں، ان میں سے بڑی لڑکی کو شاعری کا شوق ہے۔ ابھی شعر گوئی کی ابتداء کی ہے۔[2]

مہدی بیگم مہدی

سیدہ مہدی بیگم عابدی نام، مہدی تخلص، مہدی ۱۹۰۸ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ یہیں تعلیم حاصل کی۔ میٹرک کامیاب کرنے کے بعد منشی فاضل کی تکمیل کی اور محکمہ تعلیمات سے وابستہ ہو گئیں۔ گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر کی حیثیت سے اردو زبان کی قواعد پڑھاتی تھیں۔ مہدی نے آٹھ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ شاعری میں انہیں ناصر زید پوری سے تلمذ حاصل تھا۔ مہدی بیگم اپنے زمانے کی بہترین ذاکرہ اہلبیت تھیں۔ لطیف النساء بیگم کے ساتھ انہیں بھی منبر سے ذاکری کرنے کا موقع ملا۔ اس زمانے میں انہیں بہ حیثیت ذاکرہ بہت شہرت حاصل ہوئی۔ ذاکری میں وہ رشید ترابی کی شاگرد تھیں۔ علم فقہ کی باضابطہ تعلیم حاصل کی۔ اور منبر سے فقہ کے مسائل پر روشنی ڈالتی تھیں۔ مہدی ایک پر گو شاعرہ تھیں۔ چونکہ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے ان کے ورثا نے ان کے کلام کو محفوظ رکھنے میں دلچسپی نہیں لی۔ اس لئے بہت سا کلام تلف ہو گیا۔ نوحوں کا ایک مجموعہ "جزو ایماں" کے نام سے طبع ہوا ہے۔ زیر نظر مجموعہ "جزو ایماں حصہ اول" کا دوسرا ایڈیشن ہے جو ۱۴۰۳ھ میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں جملہ دو سو چودہ (۲۱۴) نوحے اور ایک قصیدہ حضرت صاحب العصر والزماں کی شان میں ہے۔ نوحوں کے علاوہ مہدی نے کئی قصیدے بھی کہے۔ چنانچہ ہر سال ۱۵؍ شعبان کو "المنتظر" کے نام سے ایک مختصر سی کتاب شائع کرتی تھیں جس میں امام زمانہ کی شان میں قصیدہ کے علاوہ سوانح عمری بھی ہوتی تھی۔

مہدی کے نوحوں کی خصوصیت ان کی زبان کی سلاست اور سادگی ہے۔ چھوٹی بحریں اور عام فہم زبان نے جس میں ادبی چاشنی شامل ہوتی ہے، ان کے نوحوں کو مقبول عام بنا دیا ہے۔ دو بیتی اور پوسعرعوں کے علاوہ ان کے یہاں واویلا، الوداع، ہائے ہائے اور سادہ نوحے بھی ملتے ہیں۔ ان کے نوحے عموماً پانچ تا سات

---

[1] "واقعات کربلا" (۲۷ صفحہ) [2] یہ تفصیل قمر بلگرامی کی لڑکی سکینہ سے حاصل ہوئی

اشعار پر مشتمل ہوتے ہیں۔ مہدی نے روایتی انداز میں نوحے لکھے ہیں جن میں ''رقت'' اور ''بینہ انداز'' پر توجہ مرکوز تھی۔ ۱۹۷۳ء میں مہدی نے انتقال کیا۔

نوحہ

رن میں سکینہ کہتی تھی بابا اب آیئے
ظالم طمانچے مار رہا ہے بچایئے

سر سے ردائیں چھین لئے بانیٔ جفا
سر ننگے ہیں پھوپی انہیں چادر اڑھایئے

گردن میں طوق پاؤں میں دوہری ہیں بیڑیاں
بھائی کو قید ظلم سے آکر چھڑایئے

دیں گے سزا لعینوں کو یہ حال دیکھ کر
بابا مرے چچا کو بھی ہمراہ لایئے

کبرا بہن کے ہاتھوں میں باندھے رسن لعین
قاسم کو لا کے ظلم و ستم یہ بتایئے

بے دینوں نے جلا دیا جھولا بھی آگ سے
سوئیں گے اب کہاں علی اصغر بتایئے

دیتی ہوں واسطہ تمہیں بابا شہیدوں کا
امداد کرنے مہدی کی تشریف لایئے

نوحہ

عباس سے فرماتے تھے ہر بار یہ سرور عاشور کی شب ہے
کل صبح کو لٹ جائے گا سب میرا ابھرا گھر عاشور کی شب ہے

کرلو کہ عبادت کی یہی رات ہے باقی مہلت نہ ملے گی
کل پیاسوں پہ چڑھ آئے گا بیدینوں کا لشکر عاشور کی شب ہے

سب مجھ سے بچھڑ جائیں گے یہ یاور و ناصر کٹ جائے گا لشکر
سینہ پہ سناں کھائے گا ہم شکل پیمبرؐ عاشور کی شب ہے

اک رات کی یہ اور پریشانی ہے باقی کل صبح کو بھائی
ہو جائیگا بس وعدہ وفا میرا مقرر عاشور کی شب ہے

روتے تھے کمر سے سرکو جھکائے ہوئے عباسؑ بامد الم و یاس
مہدی تھا بیاں شاہ کا اے میرے دلاور عاشور کی شب ہے

سیدہ مجیدہ موسوی

سیدہ مجیدہ نام' مجیدہ تخلص ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد کے ایک معزز موسوی سادات گھرانے میں پیدا ہوئیں۔ کم عمری ہی سے مجیدہ کو شعروشاعری کا شوق تھا۔ خاص طور پر اچھے اور غمگین اشعار انہیں زبانی یاد رہتے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں عثمانیہ یونیورسٹی سے بی اے درجہ اول میں کامیاب کیا۔ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۳ء تک محکمہ پبلک سروس کمیشن میں ملازمت کی اس کے بعد A.G'S آفس میں سینئر اکاؤنٹس آفیسر کے عہدہ پر کام کر رہی ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں سب سے پہلے باقاعدہ نظم '' آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد'' لکھی تھی۔ جسے بین الکلیاتی مقابلے میں پہلا انعام ملا۔ اس کے بعد شاعری کا شوق بڑھتا گیا جو نظم غزل اور رباعیات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مجیدہ نے اپنے کلام پر کسی سے اصلاح نہیں لی۔ احساس اور جذبے کی شدت ہی ان کے رہنما ہے۔ مجیدہ کی غزلوں میں درد وغم کی شدت کا اظہار ہوتا تھا۔ اس لئے بعض قریبی عزیزوں نے انہیں سانحہ کربلا کی طرف توجہ مبذول کرنے کا مشورہ دیا۔ ۱۹۷۹ء میں ان کے والد کا انتقال ہوا۔ اس عظیم سانحہ نے ان کی شاعری کا رخ نوحہ' سلام اور مرثیہ کی طرف موڑ دیا۔ کبھی کبھی غزل بھی کہہ لیتی ہیں۔ لیکن سلام اور نوحوں کو ہی اپنی زندگی کا اثاثہ سمجھتی ہیں۔ اکثر نوحے چھپوا کر تبرک کے طور پر مجالس میں تقسیم بھی کرتی ہیں۔ مجیدہ کی شاعری میں پرانی روایات اور ترقی پسندی کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے ان کے شعور فکروفن کا اظہار ہوتا ہے۔ مجیدہ نے روایتی انداز میں نوحہ وسلام بھی لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ صرف آہ وزاری کے بجائے واقعہ کربلا کی اہمیت' افادیت اور مقاصد کو بھی ظاہر کیا ہے۔ مجیدہ کا سب سے پہلا مجموعہ کلام '' نوائے درد'' ہے جو غزلوں اور نظموں پر مشتمل ہے۔ ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ '' صدائے حق'' اور '' سلام اے کربلا والو'' ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئے۔ یہ دونوں مختصر مجموعہ کلام ہیں۔ '' صدائے حق'' میں دو مرثیے' چالیس نوحے' اٹھارہ سلام' تین قصیدہ' تین مناجات' دو دعا اور آٹھ رباعیات شامل ہیں۔ '' سلام اے کربلا والو'' میں سترہ نوحے اور سلام' ایک قصیدہ' ایک دعا' تین مناجات' اکتیس رباعیات اور نوحے جات وغیرہ ہیں سلام کے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

سلام

خیال سبط نبیؐ صبح و شام رہتا ہے	تر آنسوؤں سے یہ چہرہ مدام رہتا ہے
مری نگاہ میں روئے امام رہتا ہے	دل حزیں میں وہ عالی مقام رہتا ہے

سکینہ کہتی تھی اماں سحر نہیں ہوتی — یہ کیا جگہ ہے اندھیرا مدام رہتا ہے
لیا جو آب کا ساغر ٹپک پڑے آنسو — پدر کی یاد میں یہ تشنہ کام رہتا ہے
مجیدہ مجھ کو نہیں فکر روز محشر کی — علی علی میرے لب پر مدام رہتا ہے

حضرت علی اکبر علیہ السلام کے حال کا مرثیہ دس بند پر مشتمل ہے۔ چند بند ملاحظہ ہوں

جب کھا کے سناں اکبر مہ رو نے پکارا — ٹوٹا دل شبیرؑ پہ کوہ ستم آرا
ہر گام پہ کہتے تھے نہیں ضبط کا یارا — تاریک نگاہوں میں جہاں ہو گیا سارا
ہر بار یہ تھا بیکس و دلگیر کا نعرہ
بتلا دے کوئی لاشۂ فرزند خدارا

سینہ ہے تپاں، خم ہے کمر، بار الہا — ہے درد سے خونبار جگر بار الہا
آتا نہیں آنکھوں سے نظر، بار الہا — اب تو ہی بتا جاؤں کدھر بار الہا
یہ داغ جگر، ضعف و نقاہت کا سبب ہے
فریاد کہ دلبر کی جدائی بھی غضب ہے

اے ماہ کہن میں ہو چھپے یا کہ عیاں ہو — کس چاہ میں اے یوسف شبیر نہاں ہو
اے شیر دلاور میرے کس سمت کہاں ہو — للہ چلے آؤ جدھر بھی ہو جہاں ہو
لرزاں ہے بدن خاک عزا رخ پہ جمی ہے
اب ضعف کا عالم ہے، بصارت میں کمی ہے

یہ باپ ہو قرباں تری تشنہ دہنی پر — الفت پہ تیرے حلم پہ، شیریں سخنی پر
غیرت پہ، تری طرز وغا، صف شکنی پر — یوں خاک میں ملتے ہوئے سرو چمنی پر
یہ رنگ، یہ سیرت، یہ شباہت نہ ملے گی
غم یہ بھی ہے نانا کی زیارت نہ ملے گی

کچھ سنتے ہو خیمے میں عجب حشر عیاں ہے — ماتم ہے بپا، گریہ و فریاد و فغاں ہے
ماں خاک بسر، چاک جگر نوحہ کناں ہے — غم لال تیرا، زینب مضطر پہ گراں ہے
سن کر مرے نالے نہ سنبھل پائے گی زینب
بے مقنع و چادر ہی نکل آئے گی زینب

خوں فشاں ہے فلک اور لرزتی ہے زمیں، یا علیؑ ادرکنی
درمیاں ہے پسر فاطمہ اور گرد لعیں یا علیؑ ادرکنی

لاش فرزند اٹھانے سے طبیعت ہے اداس، خون میں تر ہے لباس
کانپتے ہاتھوں سے اصغر کو رکھا زیر زمیں، یا علیؑ ادرکنی

صبح سے عصر تلک داغ اٹھائے کیا کیا، زخم کھائے کیا کیا
سب گئے سوئے جناں کوئی نہیں کوئی نہیں، یا علیؑ ادرکنی

جسم زخمی ہے، جگر زخمی ہے اور سر زخمی، روئے انور زخمی
ہے قریں وقت گرے خاک پہ یہ عرش نشیں یا علیؑ ادرکنی

سینہ سبط پیمبر پہ ہے اسوار عدو، زیر خنجر ہے گلو
بے ردا زینب مضطر نہ نکل آئے کہیں یا علیؑ ادرکنی

ہے زباں خشک پہ فرماتے ہیں "شکر اللہ" اک قیامت ہے بپا
آخری سجدہ معبود میں جھکتی ہے جبیں، یا علیؑ ادرکنی

عرصہ دہر بہت تنگ ہوا جاتا ہے قلب گھبراتا ہے
قید ہستی میں مجیدہ ہے پریشان و حزیں یا علیؑ ادرکنی

رباعی

حسینؑ کہتے تھے باقی یہ سر رہے نہ رہے — میرا پسر میرا لخت جگر رہے نہ رہے
خدا کا نام رہے، دین مصطفیٰؐ باقی — تری اذان رہے میرا گھر رہے نہ رہے

ناز حیدر

نازنین نام، تخلص نازؔ اور ادبی نام ناز حیدر ہے۔ ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئیں۔ نازؔ کا تعلق حیدرآباد کے مشہور علم دوست خاندان سے ہے۔ ان کے دادا سید حسن جشن بلگرامی مشہور شاعر تھے اور والد سید علی اصغر بلگرامی صاحب طرز ادیب تھے۔ گھر کے علمی، ادبی اور شاعرانہ ماحول کا نازؔ پر گہرا اثر پڑا۔ شعر گوئی کا فن ورثہ میں ملا۔ چنانچہ انہوں نے چودہ سال کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ انہوں نے کسی سے اپنے کلام پر اصلاح نہیں لی۔ کوئی ان کا استاد نہیں ہے۔ نازؔ کا بچپن اورنگ آباد میں گزرا جہاں ان کے والد ملازمت کے سلسلے میں مقیم تھے۔ اورنگ آباد سے ناز نے میٹرک کامیاب کیا اور پھر تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ ناز نے نوحوں اور سلام کے علاوہ نظم اور غزل پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی جو نظمیں ''عورت'' ''امن اور جنگ'' اور ''فسادات'' پر لکھی گئیں بہت مشہور ہوئیں۔ سلاموں، نوحوں اور منقبتوں کے دو مجموعے ''متاعِ غم'' اور ''ندائے غم'' شائع ہو چکے ہیں۔ غزلوں کا ایک مجموعہ زیر طبع ہے۔ شاعری کے علاوہ نازؔ نے افسانہ نگاری میں بھی ایک خاص مقام پیدا کیا ہے۔ چنانچہ ان کے افسانے اور غزلیں ملک اور بیرون ملک کے رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہے۔

نازؔ کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ ان کے نوحوں میں بلا کا درد اور گداز پایا جاتا ہے۔ انہوں نے پچاس سلام، چالیس نوحے، اُنیس (۱۹) قصائد، ایک دعا اور ایک فریاد لکھی ہے۔ سارے کلام کے مطالعہ سے ایک خاص بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ تمام اصنافِ سخن کی رموز شناس ہیں۔ دو بیتی نوحوں کے علاوہ چومصرعہ اور مخمس کی شکل میں بھی انہوں نے نوحے لکھے ہیں۔ سلام کے کچھ شعر ہیں۔

سلام

گلشنِ زہراؑ لٹا ساری فضا خاموش ہے — کوئی بھی باقی نہیں ہے نینوا خاموش ہے

کیسی چھائی ہے اداسی کیسی ویرانی ہے یہ — کیا ہوا گلشن علیؑ کا کیوں صبا خاموش ہے

ماں کی وہ ویران آنکھیں ماں کی وہ تنہائیاں — اصغرِؑ گل رو کی رونے کی صدا خاموش ہے

ہاتھ پھیلائی سکینہ راہ تکتی رہ گئی — نہر پر شانے کٹائے باوفا خاموش ہے

یہ اسیر بے خطا یہ اہل بیت مصطفیٰ — شام کی گلیوں میں زینبؑ بے ردا خاموش ہے

قید کی تنہائیوں میں کچھ بہل جاتا تھا دل — اب سکینہ کے بھی نالوں کی صدا خاموش ہے

نازؔ جب پہنچے درِ مولا پہ سب کچھ مل گیا — مدعا باقی نہیں اپنی دعا خاموش ہے

نوحہ

زینب کے ساتھ ساتھ ہے دنیا لٹی ہوئی
مقتل میں ہے شہیدوں کی بستی بسی ہوئی
دل غم زدہ سکینہ کے رسی کسی ہوئی
درد و الم سے سینے میں ہلچل مچی ہوئی

اماں میں لٹ گئی میرا باقی کوئی نہیں

جسمِ حسینؑ اور ہزاروں ہی تیر تھے
صابر حسینؑ ایسے کہ اپنی نظیر تھے
رن میں پڑے ہوئے مرے ماہ منیر تھے
مجبور و بے ردا تھے غموں میں اسیر تھے

اماں میں لٹ گئی میرا باقی کوئی نہیں

مائیں تڑپ رہی ہیں کہ پیارے نہیں رہے
اجڑے سہاگ، سر پہ سہارے نہیں رہے
بے آسرا تھے کوئی ہمارے نہیں رہے
ویران گھر تھا گھر کے ستارے نہیں رہے

اماں میں لٹ گئی میرا باقی کوئی نہیں

شامِ الم تھی ماؤں کی حالت تباہ تھی
خیمے جلے تھے کوئی نہ جائے پناہ تھی
تنہا حسینؑ اور ہزاروں سپاہ تھی
سرور کے دل میں دین بچانے کی چاہ تھی

اماں میں لٹ گئی میرا باقی کوئی نہیں

سب کچھ لٹا کے میں بھرے کنبے کو رو چکی
میں بے وطن ہوئی مری تقدیر سو چکی
اے نازؔ ختم ساری کہانی ہی ہو چکی
زینبؑ غریب گھر کے اجالوں کو کھو چکی

اماں میں لٹ گئی میرا باقی کوئی نہیں

پانچواں باب

(قدیم زنانی مجالس)

۶ر محرم

اس مجلس کی بانی امتہ الزہرا بیگم اہلیہ مرزا علی موسیٰ رضا مرحوم تھیں۔ ۱۳۵۱ھ یا ۱۳۵۲ھ سے انہوں نے اس مجلس کی بنا کی۔

جماعت میں دو مرثیے پڑھے جاتے۔ منبر پر عابدہ بیگم تحت اللفظ پڑھتیں۔ انیسؔ یا دبیرؔ کے مرثیے پڑھے جاتے تھے ذاکری کے بعد دو نوحے پڑھے جاتے دوسرے نوحے پر علم مبارک اٹھایا جاتا الاوہ کے اطراف گشت کے بعد علم مبارک سفید کپڑے میں لپیٹ کر سر پر رکھ کر بصد احترام نوحہ پڑھتے ہوئے عاشور خانے میں لاکر رکھا جاتا۔ آخری نوحہ ''ہائے ہائے'' پڑھا جاتا کبھی کبھی فارسی نوحے بھی پڑھے جاتے۔ تبرک میں ابتدا سے شیر مال یا بن تقسیم کیا جاتا تھا۔ ۱۹۷۸ء سے کھچڑی یا ترکاری کی بریانی کھلائی جاتی ہے جو بانی مجلس کی خواب کے بعد شروع کی گئی۔

مرثیے اہل خاندان ہی پڑھتے ہیں ذاکری ابتدا میں عابدہ بیگم کرتی رہیں ان کے انتقال کے بعد شہرتؔ نے ذاکری کی ان کے انتقال کے بعد صغرا بیگم غیور بنت موسیٰ رضا پڑھتی رہیں اب ۱۹۹۱ء سے ریاض فاطمہ بنت شہرتؔ پڑھتی ہیں۔ حسب عمل درآمد قدیم شرکا کو کرایہ سواری دیا جاتا ہے۔ [۱]

۷ر محرم مہندی کی مجلس

''سید عباس صاحب مرحوم مدراس کے مشہور مرثیہ خوان تھے۔ پڑھے لکھے بہت قابل و لائق تھے۔ نواب افضل الدولہ بہادر آصف جاہ خامس کے زمانے میں یہ مدراس سے حیدرآباد آئے اور یہیں مستقل سکونت اختیار کی۔'' کسی کے ذریعہ سرکار تک رسائی حاصل کی۔ اس کے بعد سرکار نے ان سے کچھ سوز و سلام و مرثیہ وغیرہ سماعت فرمائے۔ پھر سرکار نے نواب مختار الملک بہادر مدار المہام کے پاس روانہ کیا کہ ان کی ذاکری سنو۔ بہت اچھے مرثیہ خوان ہیں۔ نواب صاحب نے بھی سنا۔ نواب صاحب کے پاس اس وقت سید عبدالوہاب داروغہ باورچی خانہ تھے۔ عاشق حسین اور مرزا دبیر کے شاگرد تھے۔ اچھے شاعر بھی تھے۔ بہت کچھ سعی و کوشش کر کے سید عباس کے نام ماہوار منصب جاری کروایا۔'' [۲]

---

[۱] یہ معلومات ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئیں۔ [۲] تذکرہ ذاکرین۔ از محمد علی خاں (۷۶)

''مدراس میں قدیم سے ۷رمحرم کو حضرت قاسم علیہ السلام کے نام سے علم کی ایک سواری بڑے تزک احتشام سے شہر میں نکلتی ہے۔اور بڑے دھوم دھام سے علم اٹھایا جاتا ہے۔سید عباس اسی کا تتبع کر کے حیدرآباد میں اپنے مکان میں بھی حضرت قاسم علیہ السلام کا علم مبارک بڑے اہتمام سے اٹھانے لگے۔پہلے مہندی لاتے ہیں۔پھر علم مبارک اٹھانے میں خوب سینہ زنی ہوتی ہے۔اب یہ مجلس مقبول اور یادگار رہ گئی۔ عباس صاحب ساتویں والے یا عباس صاحب مہندی والے اسی مجلس کی بدولت مشہور ہو گئے۔''[1]

اب جہاں ''عزا خانہ زہرا'' ہے وہاں کسی زمانے میں سید عباس کا مکان تھا۔جس کا نام ''عباس منزل'' تھا۔موسیٰ ندی کے کنارے بہت بڑا مکان تھا۔اور اسی مکان میں ساتویں کی مجلس ہوتی تھی۔کسی انگریز کو یہ گھر پسند آ گیا۔اور اس نے اثر و رسوخ استعمال کر کے سید عباس سے ''عباس منزل'' خرید لی۔ جس کا انہیں بیحد ملال تھا۔ان کے انتقال کے بعد یہ مجلس ان کے خاندان کے مختلف افراد میں منتقل ہوتی گئی ۔عباس صاحب کے بعد ان کے بڑے بیٹے سید سجاد علی تعلقدار اسی اہتمام سے یہ مجلس کرتے تھے۔سجاد علی کی دو بیویاں تھیں۔بڑی بیوی کا نام جانی بیگم تھا۔ان سے سجاد علی کو دو لڑکے ہوئے۔بڑے لڑکے سید علی رضا تھے۔ان کی بیوی کا نام امیر النساء فاطمہ بیگم اور عرف بی پاشاہ تھا دوسرے بیٹے سید ناصر علی تھے سید سجاد علی کے یہ دونوں بیٹے لاولد تھے۔سید علی رضا کی بیوی نے ڈاکٹر کلثوم حسن کو گود لے لیا تھا اور ڈاکٹر کلثوم ان کی بیٹی کہلاتی تھیں۔بی پاشاہ جاگیردار تھیں اور خاندان کی بڑی بہو تھیں۔سید سجاد علی نے ملازمت سے وظیفہ پر علحدگی کے بعد عاشور خانہ اپنے بڑے لڑکے اور بہو کو دے دیا۔علی رضا کی بیوی اودپل کی جاگیر دارنی تھیں۔ان کے جہیز میں سونا چاندی زر و زیور بہت سارا آیا تھا۔بی پاشاہ مسلسل چالیس (۴۰) سال تک اپنا سب کچھ بیچ کر مردانی اور زنانی دونوں مجالس اسی انداز میں کرتی تھیں۔عباس صاحب کے زمانے ہی سے مردانی مجلس کے بعد زنانی مجلس ہوتی تھی۔

سید سجاد علی کو دوسری بیوی سے دو لڑکے سید تراب علی اور سید مہدی علی (مہدی نواز جنگ) تھے۔جب دوسری بیوی کی اولاد یعنی مہدی نواز جنگ وغیرہ بڑے ہو گئے تو انہوں نے بی پاشاہ سے جو کہ لاولد تھیں۔ اور ڈاکٹر کلثوم انکی متبنیٰ بیٹی تھیں اس لئے ان سے سات محرم کی مجلس حاصل کر لی اور انہیں بالکل ہٹا دیا۔ ۱۹۶۶ء میں بی پاشا کا انتقال ہوا۔ان کی زندگی ہی میں ان سے یہ مجلس لے لی گئی تھی۔

---

[1] تذکرہ ذاکرین۔از محمد علی خاں (۷۷)

ڈاکٹر تقی خاں کی دادی سید عباس صاحب کی بیٹی تھیں۔ڈاکٹر تقی خاں کے والد حبیب اللہ خاں کا مکان نواب شوکت جنگ کی دیوڑھی کے قریب تھا۔ڈاکٹر کلثوم نے شوکت جنگ کی دیوڑھی کے ایک حصہ میں اپنا کلینک کھولا تھا۔آپس میں رشتہ داری تھی۔اس لئے ڈاکٹر کلثوم کا ان کے گھر آنا جانا تھا۔ایک سال ڈاکٹر تقی خاں کی دادی نے ان سے کہا ''یہاں اتنا بڑا گھر ہے'' میدان ہے۔ساتویں کی مجلس یہاں کیوں نہیں کرتے''۔چنانچہ ان کے کہنے پر پہلے سال ٹٹیاں اور قنات وغیرہ گھیر کر مجلس کی گئی۔غالباً یہ ۱۹۵۵ء کا ذکر ہے۔اس طرح یہ مجلس نواب مہدی نواز جنگ نے ڈاکٹر تقی خاں کے خاندان کے حوالے کردی۔

زنانی مجلس کا طریقہ یہ تھا کہ سوز سلام و مرثیہ کے بعد حدیث خوانی ہوتی تھی مسز زہرا رضا جن سے یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں کہتی ہیں کہ ابتدا میں لطیف النساء بیگم حدیث پڑھتی تھیں۔ان کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی مریم بانو اور اب ڈاکٹر ذکیہ سلطانہ پڑھتی ہیں۔حدیث ختم ہوتے ہی حسین' حسین کہتے اور علم اٹھائے ہوئے الاوہ کے پاس چلے جاتے ہیں۔زنانی مجلس میں صرف علم اٹھایا جاتا ہے مہندی نہیں لاتے۔الاوے کے اطراف سب جمع ہو کر شہدا اور تمام شہزادیوں کے نام لیتے اور پھر زاری پڑھتے ہیں۔اس کے بعد ''یا امام'' کہہ کر وہیں ''سینہ زن'' پڑھتے۔''حسین مر گئے کربلا میں آہ'' اور پھر اس کے بعد مجلس کے مقام پر جا کر نوحے پڑھ کر مجلس تمام کرتے ہیں۔

تبرک میں ترکاری کی بریانی' دہی کی کڑی' مرچیوں کا سالن ہوتا۔دستر خوان بچھا کر مٹی کی صحنکوں میں کھلایا جاتا ہے۔طریقہ یہ ہوتا ہے کہ آخری نوحہ ختم ہونے سے پہلے ہی باہر کے دروازوں کو بند کر کے قفل ڈال دیئے جاتے تاکہ کوئی بھی تبرک کھائے بغیر جانے نہ پائے۔کھانے کے علاوہ تبرک میں ملیدہ اور پیسے یعنی ۴ر یا کچھ بھی دیئے جاتے تھے۔ملیدہ شادی کے رسومات میں لازمی طور پر ہوتا ہے اسی مناسبت سے ملیدہ بھی پیسوں کے ساتھ تبرک میں دیا جاتا ہے۔ایک سال حسب روایت دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ایک بی بی جن کا چہرہ ابرک کی طرح چمک رہا تھا' جارہی تھیں تو گھر والوں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے تبرک کھالیا۔اور کیا آپ کے ساتھی نے بھی کھانا کھالیا تو ان بی بی نے جواب دیا کہ ''میرے ساتھ بیمار ہے۔تمہارے گھر کا بیمار بھی اچھا ہو جائے گا''۔یہ معجزہ ایک سو تیس سال پرانا ہے۔

ڈاکٹر تقی خاں کے یہاں کی اس ساتویں کی مجلس میں خاندان والے حسب منشا تبرک میں کچھ اپنی طرف سے

بھی نذر شریک کرتے ہیں۔ الاوے کے بارے میں یہ خیال ہے کہ کربلا میں حضرت عباسؑ نے حفاظت کی غرض سے خیموں کے اطراف آگ روشن کردی تھی۔ جو شب عاشور تک جلتی رہی۔ دس محرم کی رات شہادت کے بعد آگ بجھ گئی تو اسی تصور کے تحت الاوہ نو دن تک روشن کیا جاتا ہے اور اس کے اطراف چکر لگاتے ہوئے زاری پڑھتے ہیں۔[1]

۷/محرم مہندی کی مجلس (خوجہ برادری)

محرم کی سات تاریخ جناب قاسم ابن حسن علیہ السلام سے منسوب ہے اس کی مناسبت سے خوجہ برادری کی طرف سے ۷/محرم کو جو مجلس بیت القائم میں منعقد کی جاتی ہے' اپنی ایک انفرادیت رکھتی ہے اس مجلس میں کثیر تعداد میں خواتین شرکت کرتی ہیں۔

ابتدا میں یہ مجلس ۱۹۵۴ء میں ایرانی گلی میں عاشور خانہ ''نقش کربلا'' کے روبرو شوکت علی بادامی کے مکان میں منعقد ہوتی تھی۔ یہ مجلس زینب بائی اہلیہ علی محمد شریف بادامی کی بنا کردہ ہے اس مجلس میں بہت کم تعداد میں لوگ آتے تھے مرثیہ اور نوحہ کے علاوہ زینب بائی خود ذکر مصائب جناب قاسم ابن حسنؑ بیان کرتی تھیں مختصراً مہندی وغیرہ کا انتظام بھی ہوتا تھا۔ اس مجلس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جناب قاسم کے نام کی مہندی نکالی جاتی ہے مہندی کے تھال کے علاوہ میوے وغیرہ کے تھال بھی بھرے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ علم مبارک کی سواری اور جھولا بھی اٹھایا جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ابتدا میں اس مجلس میں بہت کم خواتین شریک ہوتی تھیں۔ لیکن جب خواتین کی تعداد بڑھنے لگی تو بادامی صاحب کا مکاں گنجائش کے اعتبار سے چھوٹا پڑنے لگا۔ جگہ کی تنگی ہونے لگی۔ اس لئے ۱۹۶۱ء میں اس مجلس کو ''بیت القائم'' میں منتقل کردیا گیا اور اس وقت سے یہ مجلس ''بیت القائم'' میں منعقد ہورہی ہے۔ ''بیت القائم'' میں بھی آہستہ آہستہ شرکا کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ اور آج خواتین کی تعداد پانچ تا چھ ہزار تک پہنچ گئی ہے۔

شروع میں اس مجلس میں مرثیہ اور نوحے کے علاوہ مہدی بیگم مرحومہ ذاکری کرتی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد ایک عرصہ تک سیدہ فاطمہ نے حدیث خوانی کی۔ ان کے بعد بادامی خاندان کے شوکت علی بادامی کی

---

[1] یہ ساری معلومات ڈاکٹر کلثوم کی بڑی لڑکی مسز زہرا رضا سے حاصل ہوئی ہیں۔

بہو عشرت فاطمہ بادامی نے تین سال تک مجلس پڑھی۔ پھر سات سال سے عشرت فاطمہ کی بڑی لڑکی درشہوار فاطمہ بادامی مجلس پڑھ رہی ہیں۔ جہاں تک اخراجات اور انتظامات کا تعلق ہے' وہ پوری فیملی کے ذمہ ہے تمام افراد خاندان مل جل کر سارے امور انجام دیتے ہیں۔ بڑی عقیدت کے ساتھ مہندی کی ساری تیاریاں ہوتی ہیں۔ جن میں سوکھا میوہ' تازہ میوہ' مہندی' سیرا [1] ' اور پوا [2] کے تھال بھرے جاتے ہیں جن کی تعداد اکیس ہوتی ہے۔

بڑے علم مبارک کے علاوہ کافی تعداد میں دوسرے علم اور چھوٹے ایستادہ کئے جاتے ہیں۔ بڑا علم حضرت قاسم کے نام سے منسوب ہے۔ مہندی وغیرہ کے تھال سجانے کی تیاریاں ایک الگ مخصوص کمرے میں ہوتی ہیں۔ دن کے ٹھیک ۲:۳۰ بجے حدیث کسا سے مجلس کا آغاز ہوتا ہے مرثیوں کے بعد درشہوار فاطمہ ذکر فضائل و مصائب بیان کرتی ہیں۔ خواتین مہندی پھل اور دوسری چیزوں کے تھال لئے تیار کھڑی رہتی ہیں۔ مصائب ختم ہوتے ہی حضرت قاسم کی شادی کا ایک مخصوص نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ خواتین کو احترام مہندی مبارک کی تلقین کرتے ہوئے ایک حلقہ بنایا جاتا ہے۔ عاشور خانے سے سب سے پہلے بڑے علم مبارک کی سواری نکالی جاتی ہے۔ اس کے آگے ایک کشتی میں عود اور اگر بتیاں جلتی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور دوسری کشتی میں پھولوں کا سہرا ہوتا ہے۔ اس علم کو تین چار خواتین درمیان میں لئے کھڑی رہتی ہیں۔ اور باقی علم مبارک' چھوٹے اور تھال وغیرہ برآمد ہوتے ہیں۔ اس کے بعد درمیان میں عود اگر بتی کی کشتی رکھ دی جاتی ہے اور اس کے اطراف قطار میں علم مبارک مہندی وغیرہ اور تھال تین مرتبہ گشت کرائے جاتے ہیں۔ عورتوں کی کثیر تعداد ہوتی ہے' اور ہر ایک محبت اور عقیدت سے مہندی کے تھال' علم مبارک کو چومنے کی کوشش کرتی ہیں۔ بڑی مشکل سے تین چکر لگانے کے بعد علم اور چھوٹے واپس عاشور خانے میں لائے جاتے ہیں۔ اور میوے اور دوسرے تھال علحدہ کمرے میں لے جاتے ہیں۔ جہاں تبرک تقسیم کرنے کے لئے پیکٹ میں ڈالا جاتا ہے۔ خواتین بہت زیادہ تعداد میں ہوتی ہیں اس لئے ہر ایک کو مہندی کا تبرک تو نہیں مل پاتا لیکن دوسرا تبرک تمام شرکائے مجلس میں برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔

اس مجلس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں عورتیں منت مان کر پھل اٹھالیتی ہیں ایک دو تھال میں پھل رکھے جاتے ہیں۔ جسے خواتین آنکھ بند کر کے منت مان کر پھل اٹھالیتی ہیں اور جناب قاسم ابن حسن کے صدقے میں تمام مومنات کی حاجتیں بر آتی ہیں۔ حاجت پوری ہونے پر وہ خواتین تازہ پھل ساتھ میں

---

[1] گیہوں کے باریک روے سے میٹھا بنایا جاتا ہے۔ [2] کچے چڑے پر گلاب کا عرق چھڑکا جاتا ہے اس میں شکر ملائی جاتی ہے اور اوپر باریک تراشا ہوا کھوپرا ہوتا ہے۔

چاندی کا پھل چڑھاتی ہیں منت چڑھانے کا سلسلہ صبح دس بجے سے مجلس ختم ہونے تک جاری رہتا ہے۔ جناب قاسم کے نام کی مہندی لگانے کی برکت سے کئی بن بیاہی لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ اور کئی خواتین رزق' صحت' اور اولاد وغیرہ کے لئے منت مانتی ہیں اور حضرت قاسم ابن حسن کے توسل سے مراد پاتی ہیں۔ اس مجلس میں صرف شیعہ طبقہ کی ہی نہیں' ہر عقیدے کے ماننے والی خواتین بھی شریک ہوتی ہیں۔ ان میں خصوصاً سنی میمن عورتیں زیادہ تعداد میں ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ سنی خواتین بھی آتی ہیں اور اپنی مراد پاتی ہیں۔

بانیان مجلس کا کہنا ہے کہ اس مخصوص مجلس کی بنا کرنے کے بعد ان کے خاندان کے کسی بھی لڑکے یا لڑکیوں کی شادی میں انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ سب بفضل خدا اپنے اپنے مقامات پر خوش حال ہیں۔ [1]

۸ر محرم

نواب زین یار جنگ کے گھرانے میں ۸ر محرم کو حضرت عباس علیہ اسلام کے نام کی زنانی مجلس برپا ہوتی ہے۔ جو سو سال پرانی ہے۔ اس مجلس میں حضرت عباس کا علم اٹھایا جاتا ہے اس کی تفصیلات جو ہمیں دستیاب ہوئی ہیں کچھ اس طرح ہیں۔

بلگرام میں نواب زین یار جنگ کی ایک لاولد پھوپی رہتی تھیں۔ ایک سال محرم سے کچھ دن پہلے وہ بلگرام سے حیدرآباد آئیں۔ اپنے ساتھ وہ حضرت عباس علیہ السلام کا علم بھی لائی تھیں۔ وہ علم مبارک پیتل کا تھا اور اس پر عربی آیات کندہ تھیں۔ جو خطاطی کا بے مثال اور خوبصورت نمونہ تھا۔ محرم کا چاند دیکھ کر انہوں نے علم ایستادہ کیا اور آٹھ محرم کو زنانی مجلس کر کے حضرت عباس کا وہ علم اٹھایا۔ اس مجلس میں لوگ منت کر کے لیمو کھاتے تھے۔ ان لیموؤں میں علم مبارک کی نوک سے چھید کیا جاتا تھا۔ منت پوری ہونے پر دوسرے سال چاندی کا ایک لیمو اور تازہ لیمو نذر چڑھاتے تھے۔

کچھ عرصہ بعد جب زین یار جنگ کی پھوپی بلگرام واپس جانے لگیں تو فاطمہ بیگم مسز زین یار جنگ نے ان سے کہا کہ وہ یہ علم انہیں دیدیں کیوں کہ ان کے تو کوئی اولاد نہیں تھی۔ پھوپی نے یہ کہہ کر کہ اسے پہلے ہی

---

[1] یہ ساری معلومات عشرت فاطمہ ہادای ذاکرہ سے حاصل ہوئیں۔

کسی اور کو دے دیا ہے' اپنے ساتھ وہ علم لیتی گئیں۔ فاطمہ بیگم نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا اور طے کر لیا کہ وہ بھی بالکل اسی نمونے کا علم بنوا کر یہاں حیدر آباد میں ایستادہ کرینگی اور اسی طریقے سے ہر سال مجلس کیا کریں گی۔ چنانچہ اپنے خاندان کے بزرگوں سے رائے مشورہ اور مدد لے کر محض یادداشت کی بنا پر انہوں نے ہو بہو ویسا ہی چاندی کا علم بنوایا۔ دوسرے ہی سال مسز زین یار جنگ نے وہ علم ایستادہ کیا اور اپنی پھوپی ساس کے طریقے کو برقرار رکھتے ہوئے ۸ / محرم کو زنانی مجلس کرنے لگیں۔ اس مجلس میں ایک عرصہ تک شمیم نعیم عباس کی ''گروہ سکینہ'' سوز' سلام اور مرثیہ خوانی کے علاوہ نوحہ خوانی بھی کرتی تھی۔ بشیر جعفری نے بھی کئی سالوں تک اس مجلس میں مرثیہ خوانی کی۔ ذاکری لطیف النساء بیگم کرتی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی مریم بانو اور پھر اب شمیم آغا حدیث پڑھتی ہیں۔ شمیم نعیم عباس کی گروہ سکینہ کے بعد اب سوز' سلام مرثیہ اور نوحے سب گھر والے پڑھتے ہیں۔

ابتدا ہی سے یہ طریقہ رہا کہ جو لوگ منت ماننے آتے تھے' انہیں کچے لیمو گھر والوں کی طرف سے دیئے جاتے تھے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ البتہ دوسرے سال منت پوری ہونے پر منتی لوگ چاندی کے لیمو کے ساتھ حسب منشا کچے لیمو بھی نذر چڑھاتے ہیں۔ چاندی کے لیمو علم مبارک پر چڑھا دیئے جاتے اور کچے لیمو بطور نذر عاشور خانے میں مقررہ مقام پر رکھ دیئے جاتے۔ پچھے کچھ سالوں سے لوگ چاندی کے لیمو کے بجائے منت پوری ہونے پر کتھل کے لیمو چڑھانے لگے۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ جتنی بھی نذر چڑھائی جاتی اور چاندی کے لیمو وغیرہ ہوتے وہ سب غریبوں میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ مگر بعد میں جب چاندی کے بجائے کتھل کے لیمو چڑھائے جانے لگے تو عزیزہ علی حسن نے یہ انتظام کیا کہ منتی کتھل کے لیمو باہر سے لانے کے بجائے ان سے خریدیں۔ اس کے لئے انہوں نے کتھل کے لیمو پر چاندی کا پانی چڑھوا کر بیس روپے قیمت مقرر کر دی تھی۔ لیکن منتیوں کے لئے بیس روپے دینا ضروری نہیں تھا۔ حسب منشا دس پانچ کچھ بھی دے سکتے تھے۔ اس طرح اس سے حاصل شدہ رقم غریبوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ البتہ منت کے کچے لیمو کھانے والوں کو آج بھی عاشور خانے ہی سے دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ''لیموں کی مجلس'' کے نام سے یہ مجلس مشہور ہو گئی۔

مجلس مقرر کردہ وقت پر پابندی کے ساتھ شروع کی جاتی ہے۔ بعض لوگ مجلس سے پہلے اور بعض دوران مجلس پھولوں کا سہرا علم مبارک پر چڑھاتے ہیں۔ اور اپنے ساتھ لائے ہوئے لیمو میں وہاں متعینہ

کارکن سے علم مبارک کی نوک سے سوراخ کر کے پورا لیمو کھالیتے ہیں۔ دوسرے سال تک منت پوری ہو جانے پر ایک چاندی کا لیمو علم پر چڑھاتے ہیں۔ اور ساتھ میں کچھ تازہ لیمو بطور نذر رکھ دیتے ہیں۔

اس مجلس میں کسی بھی مذہب اور عقیدہ کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ اور منت کر کے لیمو کھاتے اور اپنی مراد پاتے ہیں۔ ایک ہندو جوڑا جس کی شادی ہوئے سترہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا' اولاد سے محروم تھا۔ اس مجلس میں انہوں نے لڑکا ہونے کی منت مان کر لیمو کھایا اور اپنی مراد پائی۔

شروع میں ۸/محرم کی یہ مجلس زین یار جنگ بہادر کے بڑے گھر میں جہاں اب نواب شاہ عالم خاں رہتے ہیں ہوا کرتی تھی۔ جب یہ گھر فروخت ہو گیا تو یہ مجلس اسی کے بازو کے مکان میں ہونے لگی جو نواب زین یار جنگ کی بیٹی اور داماد سید مہدی علی کا تھا۔ نواب زین یار جنگ کے انتقال کے بعد فاطمہ بیگم اپنی بیٹی داماد کے ساتھ رہنے لگیں جہاں وہ یہ مجلس اسی اہتمام سے کرتی تھیں۔ ایک سال دیوالی کے دن اس مکان کے عاشور خانے میں بھیانک آگ لگ گئی پانچ چھ فائر انجنوں نے بڑی تگ و دو کے بعد آگ بجھائی۔ عاشور خانے کا سارا سامان جل کر راکھ ہو گیا تھا صرف وہ ''کتاب خانہ'' یا Cupboard جس میں علم مبارک تھا صحیح سلامت بچ گیا۔ اس پر ذرا بھی آنچ نہیں آئی۔ یہ بہت بڑا معجزہ تھا۔ دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ ایک سال کوئی خاتون منت کر کے پورا لیمو نہیں کھا سکیں۔ کچھ حصہ بچا کر وہیں کہیں قریب میں زمین پر پھینک کر چلی گئیں۔ تھوڑے دن بعد اس مقام پر لیمو کا درخت اگ آیا جب اس پر لیمو لگنے لگے تو عجب بات یہ ہوئی کہ ہر لیمو کے درمیان میں سوراخ ضرور ہوتا تھا۔ ایک عرصہ بعد جب یہ گھر بھی فروخت کر دیا گیا تو لیمو کا وہ درخت خود بخود دیکھتے ہی دیکھتے جل گیا۔

فاطمہ بیگم کی زندگی میں یہ علم ان کے بیٹے سلامت علی خاں نے مانگا تھا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا کہ

''تم لوگ حیدرآباد سے باہر جا رہے ہو یہ علم میں نے حیدرآباد میں بنوایا اور یہیں میں نے مجلس کی بنا کی۔ یہ حیدرآباد کی چیز ہے لہذا اسے یہیں رہنا چاہئے''۔ فاطمہ بیگم نے علم اور مجلس اپنی بیٹی کے حوالے کر دی۔ جب تک ان کی بیٹی بقید حیات تھیں' وہی یہ مجلس کرتی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد فاطمہ بیگم کی بڑی نواسی عزیزہ علی حسن کرنے لگیں۔ اس سال سے یہ مجلس عزیزہ کے چھوٹے بھائی سید امیر علی نے لے لی۔ اور وہی کر رہے ہیں۔

اس علم مبارک کے دونوں جانب (بازو) چاندی کی تلواریں لگی ہوئی ہیں۔ان تلواروں کا بھی ایک تاریخی پس منظر ہے۔نواب سراج یار جنگ کے ایک بیٹے سید آصف حسن فوج میں ملازم تھے۔جنہوں نے دوسری جنگ عظیم میں حصہ لیا تھا۔جنگ کے میدان سے خبریں آتی تھیں کہ فلاں قیدی کے پاؤں کاٹ دیئے گئے' فلاں جنگی قیدی کے ہاتھ قلم کر دیئے گئے وغیرہ وغیرہ۔ان جنگی قیدیوں میں آصف حسن کا نام بھی ہوتا تھا۔ان کی سلامتی کے لئے بیگم زین یار جنگ نے منت مان لی۔اور جب وہ صحیح سلامت واپس آئے تو چاندی کی تلوار بنوا کر ان کے ہاتھ سے چڑھوائی۔آصف حسن کے ساتھ ان کی کزن چھین آپا کے دولڑکے بھی تھے۔مسز زین یار جنگ نے ان کی بھی سلامتی کے لئے دعا کی جو قبول ہوگئی۔جب وہ دونوں بھائی بھی زندہ سلامت لوٹ آئے تو دوسری تلوار ان کی سلامتی کی نیت سے چڑھائی گئی۔

ابتدا سے یہ ہوتا آیا ہے کہ مجلس ختم ہونے اور تمام باہر والے چلے جانے کے بعد حاضری مبارک پر نذر دی جاتی تھی۔اور خاندان والے اس میں شریک رہتے۔یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔[1]

۸ر محرم

احمد حسین صاحب کی بیٹی صادق علی خاں جاگیردار کی بیوی یوسف النساء بیگم نے اسی (۸۰) سال پہلے اس مجلس کی بنا کی۔اس مجلس کی اپنی ایک تاریخی اہمیت ہے۔محرم سے کچھ دن پہلے مسلسل سر کے درد کی وجہ سے یوسف النساء بیگم کی بینائی ختم ہوگئی۔ہر قسم کا علاج کروایا مگر کامیابی نہ ہوئی۔تمام معالج مایوس ہوگئے۔یوسف النساء نے رو رو کر صدق دل سے دعا کی کہ اگر ان کی بینائی واپس آجائے گی تو وہ حضرت عباس علیہ السلام کا علم بنوا کر ایستادہ کریں گی۔اور مجلس کر کے خود علم اٹھا کر ''انگاروں'' پر سے گزریں گی۔خدا کی قدرت کہ دوسرے ہی دن یوسف النساء بیگم کی بینائی واپس آگئی۔منت کے مطابق انہوں نے اپنے والد سے (جو علم بناتے تھے) علم بنوایا۔اور حسینی محلہ میں اپنے گھر میں ایستادہ کیا۔یوسف النساء پہلی ذاکرہ تھیں۔یہ پہلی خاتون تھیں جنہوں نے انگاروں پر سے علم اٹھایا۔حیدرآباد میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا۔کہ ایک خاتون علم لیکر انگاروں پر سے گزرتی ہیں۔محلہ والوں کو حیرت ہوتی۔دوسرے عقاید کی عورتوں کو یقین نہیں آتا تھا۔ایک خاتون نے تو یہاں تک بدگمانی کی کہ شیعہ لوگ بیکار میں ''تماشہ'' کرتے ہیں۔اور وہ اس

---

[1] یہ ساری معلومات زین یار جنگ کی نواسی عزیزہ سید علی حسن سے حاصل ہوئیں۔

تماشے کو دیکھنے بھی چلی آئیں۔ جب انگار میں سے علم مبارک گشت کر کے برآمد ہو رہے تھے' وہ خاتون آگ کے پاس ہی کھڑی تھیں۔ آگ نے ان کے دامن کو پکڑ لیا اور وہ جل گئیں۔ اس حادثہ سے یوسف النساء بیگم ملول ہو گئیں۔ خیال کیا کہ شاید ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوگی جو یہ حادثہ پیش آیا۔ پڑوس کی دوسری عورتوں نے انہیں یقین دلایا کہ وہ خاتون مذاق اڑانے کے ارادہ سے آئی تھیں۔ اور انہیں اس کی سزا مل گئی۔ علم مبارک گشت کے بعد واپس عاشور خانے میں لا کر رکھ دیئے گئے۔ اور مجلس نوحہ خوانی اور ماتم پر ختم کی گئی۔ اسی رات یوسف النساء بیگم کو بشارہ ہوا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام ان کے خواب میں تشریف لا کر فرما رہے ہیں۔ ''دیکھو میرا بھائی بہت جلالی ہے۔ اس کے ساتھ مجھے بھی رکھا کرو''۔ صبح انہوں نے اپنا یہ خواب اپنے شوہر سے بیان کیا۔ آپس میں مشورہ کرنے کے بعد طئے کیا گیا کہ آئندہ سال سے حضرت امام حسین علیہ السلام کا علم مبارک بھی حضرت عباس کے علم کے ساتھ ایستادہ کر کے اٹھایا جائے۔ چنانچہ دوسرے سال سے حضرت عباس کے علم کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کا علم بھی انگاروں میں سے لے جایا جانے لگا۔ امام حسین علیہ السلام کا علم' یوسف النساء بیگم کی منجھلی بہن فاطمہ بیگم اٹھانے لگیں۔ ان دونوں خواتین کے انتقال کے بعد گوہر بیگم اور واحد بیگم علم اٹھانے لگیں۔ ان کے انتقال کے بعد عسکری بیگم اور طیبہ بیگم اور پھر آج کل امام حسین علیہ السلام کا علم یوسف النساء بیگم کی پڑنواسی یاسمین اٹھاتی ہیں اور حضرت عباسؑ کا علم یوسف النساء کی نواسی لحیہ بیگم اٹھاتی ہیں۔

حدیث خوانی کے بعد علم مبارک کھولے جاتے ہیں اور فوراً سارے گھر میں اندھیرا کر دیا جاتا ہے۔ ابتداء سے اس مجلس کے تبرک میں قبولی اور مرچی کا سالن کھلایا جاتا ہے۔ یوسف النساء بیگم کے فرزند باسط علی خاں کے فرزندان اس مجلس کا سارا انتظام کرتے ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ مجلس رات کے ٹھیک ایک بجے شروع ہوتی ہے اس سے پہلے لاکھ کوششوں کے باوجود مجلس شروع ہو ہی نہیں سکی۔ علم اٹھنے تک دو یا ڈھائی بجتے ہیں۔ خاندان کی ایک خاتون کو خواب میں کسی نے کہا ''اس مجلس کو رات کے ایک بجے سے پہلے شروع کرنے کی کوشش نہیں کرنا اور نہ ہی دیر ہونے کی شکایت کرنا''۔ [1]

---

[1] یہ تفصیل باسط علی خاں کے فرزند علی سے حاصل ہوئی۔

۸ رمحرم

۸ رمحرم کو بیگم نواب اسد علی خاں (بنکن پلی) کے یہاں زنانی مجلس ہوتی تھی۔ اس مجلس میں حضرت عباسؑ کا علم مبارک اٹھایا جاتا تھا۔ بیگم اسد علی خاں کے یہاں ایک انا تھیں۔ جب وہ حضرت عباسؑ کے مرثیے نوحے سنتیں تو ان پر "حال" آتا تھا۔ اور اس کیفیت میں وہ چونا کھانے لگتی تھیں۔ چونے کی کئی کلیاں وہ کھا جاتیں۔ جب علم اٹھایا جاتا تو وہ علم کے قریب جا کر ہاتھ پھیرتیں تو ان کے ہاتھ میں مصری آجاتی تھی جو وہ اپنے قریب کھڑے ہوئے لوگوں کو دے دیتیں۔ کبھی کوئلہ بھی ہاتھ میں آجاتا تھا۔ جس کسی کو بھی وہ کوئلہ دیتیں دوسرے سال تک ان کی موت واقع ہوجاتی تھی۔ مجلس ختم ہونے کے بعد کچھ دیر تک وہ ایک کونے میں چت لیٹی رہتیں۔ اور پھر نارمل ہوجاتیں۔ اس مجلس میں گھر کی خادمائیں نوحے مرثیے پڑھتی تھیں۔ ان کو باقاعدہ مرثیہ خوانی کی تعلیم دلائی جاتی تھی۔ تبرک میں لوازات کے ساتھ کھانا کھلایا جاتا تھا۔ [۱]

---

۲۴ رمحرم

۲۴ رمحرم کی یہ زنانی مجلس حیدرآباد کی قدیم مجلسوں میں شمار کی جاتی ہے۔ سلطان علی صاحب کی پوتی رحیم النسا بیگم اہلیہ سید عبدالمجید کی شادی کے پہلے سے یہ مجلس ہوتی ہے۔

۱۹۰۸ء کی طغیانی میں سلطان علی صاحب کا سارا گھر بہہ گیا تھا۔ صرف ایک کمرہ اور عاشور خانہ باقی رہ گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ محرم کو صرف دو مہینے باقی تھے اور یہ حادثہ پیش آیا۔ سلطان علی صاحب نے دعا کی کہ اگر محرم تک گھر اور عاشور خانہ بن جائے گا تو وہ حضرت سکینہ کا علم مبارک اور ضریح بھی ایستادہ کریں گے۔ یہ عاشور خانہ حضرت علی اصغر علیہ السلام سے منسوب ہے یہاں حضرت علی اصغر کا جھولا اور علم ایستادہ کئے جاتے اور ۹ رمحرم کو مردانی مجلس میں اٹھائے جاتے ہیں۔ صرف دو مستریوں نے مل کر گھر اور عاشور خانہ دو مہینے میں تیار کردیا۔ سلطان علی صاحب نے یہ بھی عہد کیا کہ اس گھر میں شادی بیاہ یا کسی اور تقریب میں گانا بجانا ممنوع ہوگا۔ چنانچہ آج بھی اس کی پابندی کی جاتی ہے۔

منت کے مطابق اسی سال سلطان علی صاحب نے ۲۴ رمحرم کو حضرت سکینہ کا علم اور ضریح ایستادہ کی۔ اور

---

[۱] یہ ساری تفصیلات بیگم نواب تقی علی خاں نے بیان کیں۔ خود ان دونوں نے اپنے بچپن میں ان کے ہاتھ کی مصری کھائی ہے۔

۲۴ محرم کو زنانی مجلس کروا کے علم اور ضریح اٹھانے لگے۔ اس مجلس کے رقعے وہ جب تک زندہ رہے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر گھروں میں تقسیم کرتے تھے۔ سلطان علی صاحب کے انتقال کے بعد یہ مجلس ان کے فرزند تراب علی صاحب' اپنی بیٹی رحیم النساء بیگم کی طرف سے کرنے لگے۔ اس طرح ۱۹۰۸ کی بنا کردہ یہ مجلس آج تک ہورہی ہے۔ ۲۳ محرم کو علم اور ضریح ایستادہ کرتے ہیں۔ ۲۴ محرم کو شام کے سات بجے مجلس شروع ہوتی ہے۔ سلام اور مرثیوں سے مجلس کا آغاز ہوتا ہے۔ حدیث خوانی ختم ہوتے ہی سارے گھر میں اندھیرا کردیا جاتا ہے۔ اور نوحہ خوانی شروع ہو جاتی ہے۔ علم اور ضریح عاشور خانے سے صحن میں لائے جاتے ہیں۔ اس دوران نوحہ خوانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ صحن میں الاوہ کے اطراف تین چکر لگانے کے بعد ضریح اور علم واپس عاشور خانے میں لا کر رکھ دیتے ہیں اور چادر اڑھادی جاتی ہے۔ الوداع کا نوحہ پڑھ کر ماتم کرتے ہیں اور مجلس تمام کی جاتی ہے۔[1]

ابتداء میں اس مجلس میں علامہ رشید ترابی کی بہن شاہ سلطان حدیث پڑھتی تھیں۔ ان کے بعد لطیف النساء بیگم حدیث خوانی کرتی تھیں۔ لطیف النساء بیگم کے انتقال کے بعد وہاب صاحب کی بیٹی اور اب ان ہی کی نواسی سراج فاطمہ حدیث پڑھتی ہیں بہت پہلے مجلس میں آنے والوں کو کرایہ سواری دیا جاتا تھا۔ تبرک میں کبھی قبولی اور کبھی آئسکریم تقسیم کرتے تھے۔ تراب علی صاحب نے اپنی زندگی میں گھر کو عاشور خانے کے نام پر وقف کردیا اور اپنے مجھلے فرزند کو متولی مقرر کیا تھا۔ اسی وقت حضرت علی اصغر علیہ السلام کے نام سے منسوب عاشور خانے کی مناسبت سے گھر کو ''آستانہ اصغری'' کا نام دیا۔ آج کل رحیم النساء بیگم کے فرزند علمدار اور بہو نجمہ بیگم یہ مجلس کررہے ہیں۔[1]

'آستانہ اصغری' کے موجودہ متولی میر شبیر علی حسن نے بھی اس مجلس کے بارے میں کم وبیش یہی تفصیل بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

''۱۹۰۸ء کی طغیانی میں سارا مکان بہہ گیا صرف عاشور خانہ کا حصہ باقی تھا۔ سلطان علی صاحب علم مبارک کا صندوق اپنے سر پر لئے باہر آتے ہی عاشور خانے کا کمرہ بھی گر گیا۔'' طغیانی عیسوی سنہ کے حساب سے ۱۹۰۸ء میں ستمبر کے مہینے میں آئی تھی اور ہجری مہینہ رمضان کا تھا۔[2]

---

[1] یہ ساری معلومات علمدار صاحب فرزند رحیم النساء بیگم سے حاصل ہوئیں۔ [2] موجودہ متولی سید شبیر علی حسن نے بھی کم وبیش یہی تفصیل بیان کی۔

۲۵ محرم

سب سے پہلے زنانی مجلس کی ابتدا عابدہ بیگم نے کی۔ نانی صاحب کی نواسی احمدی بیگم اور غلام سجاد اشہر کی بیٹی عابدہ بیگم میں بہت دوستی تھی۔ دونوں نے مل کر طے کیا کہ مردانی مجلس سے الگ صرف زنانی مجلس کریں گے۔ چنانچہ ۲۵ محرم کو امام زین العابدین کا علم مبارک اور ضریح ایستاد کی گئی اور زنانی مجلس کی ابتدا کی۔ اس مجلس میں سلام اور مرثیے کے بعد عابدہ بیگم خود منبر پر تحت اللفظ مرثیہ پڑھتیں۔ ان کی آواز بلند اور پاٹ دار تھی۔ انیس اور دبیر کے سوڈیڑھ سو بند کے مرثیے پڑھتی تھیں۔ اس کے بعد نوحہ پڑھا جاتا دوسرے نوحے کے ساتھ علم مبارک اٹھا کر صحن میں لاتے اور الاوہ کے اطراف گشت کرنے کے بعد علم مبارک کمرے میں پہنچایا جاتا۔ جہاں گھر کے مرد حضرات موجود رہتے۔ مردانے کے لوگ علم کی زیارت کرتے اور بچوں کو طوق پہنایا جاتا۔ اسی کمرے میں ضریح مبارک رکھی ہوتی۔ اس میں علم کو لٹایا جاتا ضریح پر پھولوں کی چادر اڑھا کر نوحہ پڑھتے ہوئے باہر لاتے اور عاشور خانے میں رکھنے کے بعد اوپر سے سفید چادر اڑھا دی جاتی۔ عابدہ بیگم فارسی نوحہ پڑھ کر ماتم کرواتیں اور اسی نوحہ پر مجلس تمام ہو جاتی تھی۔

شرکائے مجلس کو کرایہ سواری دیا جاتا تھا۔ تبرک میں کانچ کے برتن میں حلوہ سوہن تقسیم کیا جاتا تھا۔ عابدہ بیگم کے انتقال کے بعد ان کی بہو مرتضیٰ بیگم نے اس مجلس کی ذمہ داری سنبھالی۔ تبرک میں شیرمال تقسیم کیا جانے لگا۔

ابتدا میں یہ مجلس خطیب کی گلی میں ہوتی تھی۔ جب عابدہ بیگم نے اعتبار چوک کے قریب ''عابد منزل'' خریدی تو یہ مجلس وہاں ہونے لگی۔ ۱۹۶۲ء مرتضیٰ بیگم نے ''اعجاز منزل'' خریدی تو یہ مجلس ''اعجاز منزل'' میں منتقل ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد یہ مجلس ''یادگار حسینی'' میں ہوئی۔ اب چند برسوں سے پھر ''اعجاز منزل'' میں ہو رہی ہے۔ اس مجلس میں عابدہ بیگم کے انتقال کے بعد ان کی بھتیجی شہرت نے منبر پر پڑھا۔ پھر لطیف النساء بیگم مہدی بیگم اور اب سیدہ بیگم پڑھ رہی ہیں۔[1]

---

[1] ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے یہ تفصیل معلوم ہوئی۔

یکم صفر

مولوی سید صادق علی صاحب کی اہلیہ احمدی بیگم صاحبہ کی بنا کردہ یہ پچیانوں (۹۵) سال قدیم مجلس ہے۔ ابتدا میں اکثر گھروں میں مردانی مجلس ختم ہونے کے بعد زنانی مجلس ہوتی تھی الگ سے زنانی مجلسوں کا رواج نہیں تھا۔ اس کی وجہ چاہے جو بھی رہی ہو۔ لیکن خواتین میں یہ احساس پیدا ہونے لگا کہ علیحدہ طور پر زنانی مجلسیں شروع کرنا چاہئے۔ چنانچہ اصغر حسین ناجی صاحب کی نواسی احمدی بیگم اور غلام سجاد اشہر کی بیٹی عابدہ بیگم نے اس کی پہل کی۔ دونوں میں بہت دوستی تھی۔ انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے زنانی مجلسوں کا آغاز کیا۔ ۲۵ رمحرم کو عابدہ بیگم اور اسی سال احمدی بیگم نے بھی یکم صفر کو زنانی مجلس کی بنا ڈالی۔ مرثیہ خوانی سے مجلس شروع کی جاتی تھی۔ مرثیوں کے بعد مولوی سید آغا صاحب کی اہلیہ فاطمہ بیگم حدیث خوانی کرتی تھیں۔ زنانی مجلسوں میں منبر نہیں رکھا جاتا تھا۔ بلکہ کرسی رکھی جاتی تھی۔ فاطمہ بیگم جب پاکستان چلی گئیں تو شیریں مرحومہ ذاکری کرتی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد ایک سال سلیمہ بیگم نے بھی اس مجلس میں حدیث پڑھی۔ اس کے بعد ذکیہ سلطانہ پڑھنے لگیں اور آج تک وہی پڑھتی ہیں۔ احمدی بیگم کی تمام لڑکیوں کو مرثیہ اور نوحہ خوانی میں خوب دخل تھا۔ چنانچہ ان کی لڑکیاں ہی مرثیے اور نوحے پڑھتیں۔ ان تمام میں ان کی بیٹی افتخار النساء کی آواز اچھی تھی آخر عمر تک وہ اس مجلس میں مرثیہ اور نوحہ پڑھتی تھیں۔ آج بھی یہ مجلس قائم ہے۔[1]

یکم صفر

ستر (۷۰) سال پہلے ڈاکٹر کلثوم نے اس مجلس کی بناء کی۔ اس مجلس میں ڈاکٹر کلثوم کی والدہ فاطمہ بیگم عرف بی پاشا اور ان کی خالہ زاد بہن فخر النساء نے سوز خوانی شروع کرنے سے قبل مقام مجلس سے سارا فرش اٹھوا دیا اور کہا" آج پہلی صفر ہے۔ خاک پر بیٹھنے کا دن ہے۔ شہزادیوں کا دربار میں داخلہ ہوا ہے۔" اور فرش اٹھوا دینے کے بعد سوز خوانی شروع کی۔ اسی وقت سے یہ مجلس بغیر فرش کے برپا ہوتی ہے۔

---

[1] یہ معلومات ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئیں۔

اس مجلس میں امام زین العابدین علیہ السلام کا علم مبارک اٹھایا جاتا ہے۔ سوز' سلام اور مرثیہ خوانی کے بعد حدیث پڑھی جاتی ہے۔ ہر دور کی بڑی ذاکراؤں نے اس مجلس میں ذاکری کی ہے۔ حدیث کے بعد مدراسی انداز میں زاری پڑھی جاتی ہے۔ اور آخر میں نوحہ پر مجلس تمام کی جاتی ہے۔

۳رصفر

۳رصفر کی قدیم مجلس سکینہ بنت الحسین سید ولایت حسین نقوی مرحوم ابن سید زین العابدین تحسین کی بنا کردہ ہے۔ جو تقریباً سو (۱۰۰) سال پرانی ہے۔

سید ولایت حسین نقوی شہزادی جناب سکینہ کے شیدا اور معتقد تھے۔ انہوں نے عراق' ایران اور شام کی تیرہ مرتبہ زیارتیں کی تھیں۔

''الادہ مُلا رضی'' کے مالک ناصر علی بیگ ولایت حسین نقوی کی حضرت سکینہ سے والہانہ محبت و عقیدت سے بے حد متاثر تھے۔ چنانچہ اپنے پاس سے ایک بہت ہی چھوٹا معجزے کا علم جو جناب سکینہ کے نام سے منسوب تھا' ازراہ محبت انہیں دے دیا۔ نقوی صاحب نے اسی چھوٹے علم کے نمونے کا ایک بڑا علم بنوا کر اس کو درمیانی حصہ میں چسپاں کروا دیا ہے اس علم کو ایستادہ کر کے ۲رصفر کو مردانی اور ۳رصفر کو زنانی مجلس منعقد کرنے لگے۔ نقوی صاحب کا اپنا کوئی ذاتی رہائشی مکان نہیں تھا حیدرآباد کے مختلف محلوں میں یہ مجلس منعقد ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود مومنات کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہی ہوتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق اس مجلس میں ہزار ڈیڑھ ہزار خواتین شریک ہوتی تھیں۔

مجلس شروع ہونے کا وقت بعد نماز مغرب مقرر تھا۔ کیونکہ مجلس کے دوران ایک خاص موقع پر گھر کی روشنی گل کر دی جاتی تاکہ باقی مجلس اندھیرے میں ہو سکے۔ اس مجلس میں مخصوص مرثیے اور نوحے پڑھے جاتے تھے' اور یہ صرف گھر کی خواتین ہی پڑھتیں۔ حدیث خوانی ابتدا میں فاطمہ بیگم کرتی تھیں۔ ان کے بعد اختر بیگم مولا بیگم اور محمودہ بیگم وغیرہ نے مجلسیں پڑھیں۔ حدیث پڑھنے والوں کو تاکید کی جاتی کہ مصائب و شہادت جناب سکینہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ شہزادی کے پھٹے ہوئے خوں بھرے کرتے کا ذکر ضرور

کریں۔ اس موقع پر گھر کی روشنی گل کر کے کرتے کی شبیہ بتائی جاتی تھی۔ یہیں مصائب ختم ہوتے اور ایک مخصوص نوحہ "ہے تنگ و تاریک قید خانہ" پڑھنا شروع ہو جاتا اس کے ساتھ حضرت امام زین العابدینؑ کا علم عاشور خانے سے برآمد ہوتا تھا۔ یہ علم ولایت حسین نقوی کی صاحبزادی شہر بانو بیگم اٹھاتی تھیں۔ اس علم کے پیچھے تابوت جناب سکینہ ہوتا تھا۔ جس میں علم رکھا جاتا تھا۔ یہ علم عاشور خانے سے ملحق کمرے میں رکھا جاتا۔ صحن میں علم اور تابوت کو لے جاتے تھے۔ ساتھ میں نوحہ خوانی و ماتم بھی جاری رہتا تھا۔ علم اور تابوت صحن سے واپس عاشور خانے میں آتے۔ وہاں نقوی صاحب خود اپنے ہاتھ سے علم مبارک تابوت میں رکھتے تھے۔ اس وقت کمرے میں صرف خاندان کی خواتین ہوتی تھیں۔ منتی خواتین پھول، سہرے، پان کی بیل، کھوے کی پوریوں کے علاوہ کان کے بندے بھی بطور نذر چڑھاتے تھے۔

اس مجلس کے تبرک کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ دستیاں تیار کی جاتی تھیں جس پر زندان شام کی شبیہ چھپی ہوتی تھی اور یہ دستیاں تقسیم کی جاتیں۔ آج بھی بعض گھروں کے عاشور خانوں میں یہ دستیاں بطور تبرک رکھی جاتی ہیں۔

ولایت حسین نقوی کے انتقال کے بعد ان کے چھوٹے فرزند سید عباس حسین نقوی عرصہ تک یہ مجلس پابندی کے ساتھ کرتے رہے۔ انتقال سے چند ماہ قبل انہوں نے حضرت سکینہ کا علم اور اس الاوہ سے متعلق دوسری تمام چیزیں ڈنڈا پینگی وغیرہ اسلام آباد (پاکستان) لے گئے جہاں ان کی حقیقی بہن شہر بانو بیگم سکونت پذیر تھیں۔ انہوں نے ساری چیزیں ان کے حوالے کر دیں۔ وہاں سے واپسی کے کچھ دنوں بعد عباس حسین نقوی کا انتقال ہو گیا۔ اور پھر ۳ رصفر کی مجلس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

۱۹۸۴ء میں سید ولایت حسین نقوی کے پوتے سید علی حسن نقوی ممبئی کی سکونت ترک کر کے حیدرآباد مستقل طور پر آ گئے۔ اسی سال سے ان کی بیگم طاہرہ نقوی نے ۳ رصفر کی مجلس کی تجدید کی۔ طاہرہ نقوی کی والدہ کے یہاں حضرت سکینہ کے علم ۱۹ رمحرم کو اٹھائے جاتے تھے۔ وہی علم انہوں نے ۳ رصفر کی مجلس کر کے اٹھانے شروع کئے۔ قدیم طریقہ سے ہی مجلس کی جاتی ہے۔ مخصوص نوحے اور مرثیے پڑھے جاتے ہیں۔ رات کی تاریکی میں مجلس ہوتی ہے۔ حدیث خوانی سیدہ بیگم کرتی ہے۔ [1]

---

[1] یہ ساری تفصیل ولایت حسین نقوی کی پوتی آمنہ نقوی صاحبہ سے حاصل ہوئی۔

۹؍صفر

ابتداء میں شریعت کدہ میں ۹؍صفر کو جناب سکینہ علیہ السلام کی مجلس ہوتی تھی۔ اس میں حضرت سکینہ کا تابوت بھی اٹھایا جاتا تھا۔ یہ مجلس مولوی رضا آغا صاحب کی شادی کے بعد ان کی بیگم مہ جبین کے تفویض کی گئی۔ مہ جبین بنت سید ہادی حسن جعفری بچپن سے ۳؍صفر کو شہزادی سکینہ کی مجلس کرتی تھیں۔ چنانچہ شادی کے بعد جب ۹؍صفر کی مجلس کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی تو وہ یہ مجلس ۹؍صفر کے بجائے ۳؍صفر کو کرنے لگیں۔ اور علم مبارک اور ضریح شہزادی سکینہ اٹھائی جاتی ہے۔ اس طرح ۹؍صفر کی قدیم مجلس ۳؍صفر کو ہونے لگی۔ اس مجلس میں دو سلام اور دو مرثیے پڑھے جاتے ہیں جو گھر کے افراد ہی پڑھتے ہیں۔ ان میں ایک مرثیہ تو مہ جبین اور دوسرا مرثیہ سید آغا کی بیٹی سیدہ جعفری پڑھتی ہیں۔ ذاکری ابتدا میں نور النساء بیگم کرتی رہیں۔ جب اصغری بیگم مستقل طور پر ذاکری کرنے لگیں تو آج تک وہی پڑھتی ہیں۔ حدیث کے اختتام پر اندھیرا کیا جاتا ہے اور تاریکی میں تابوت اور علم مبارک اٹھائے جاتے ہیں۔ حلمی آفندی کا نوحہ ''اے جان سکینہ نادان سکینہ'' پڑھتے ہوئے ضریح عاشور خانے سے باہر لاتے ہیں۔ دالان میں گشت کرا کے عاشور خانے کے سامنے فرش پر ضریح رکھ کر اس پر سفید چادر اڑھائی جاتی ہے اس چادر پر سرخ رنگ کے چھاپے لگے ہوتے ہیں ضریح کے اطراف خواتین سینہ زنی کرتی ہیں۔ اور ہائے ہائے کی صدائیں بلند رہتی ہیں۔ اس کے بعد یا علیؑ یا علیؑ کہتے ہوئے ضریح عاشور خانے کے اندر لیجا کر رکھ دی جاتی ہے' آخری ماتم بھی گھر کے افراد ہی کرتے ہیں۔ ابتدا میں تبرک میں کھانے کا انتظام رہتا تھا۔ اب کبھی شیرمال اور کبھی میوہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ کرایہ سواری دیا جاتا ہے۔

۳؍صفر

۳؍صفر کو بیگم کمال علی خاں کے یہاں ٹولی چوکی پر مجلس ہوتی تھی۔ اس مجلس میں شہزادی سکینہ کا بیان ہوتا تھا۔ اس میں صرف مدعوئین ہی شرکت کرتی تھیں۔ [۱]

---

[۱] یہ تفصیل بیگم نواب تقی علی خان سے حاصل ہوئی۔

سراج یار جنگ کی بیگم خورشیدی بیگم کی بنا کردہ تقریبا سو (۱۰۰) سال قدیم مجلس ہے اس مجلس میں شہزادی سکینہ کا بیان ہوتا تھا۔ مرثیہ اور نوحے پڑھنے کے لئے باہر سے خواتین بلائی جاتی تھیں۔ وہاب صاحب کی بیوی حدیث پڑھتی تھیں۔ اس مجلس میں صرف مدعوئین ہی شرکت کرتی تھیں۔ تبرک میں پورے لوازمات کے ساتھ کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اور واپس جاتے وقت چین اور جاپان کی کانچ کی قلفیوں یا کٹوروں میں حلوہ یا جیلی رکھ کر دی جاتی تھی۔ [1]

---

۶ رصفر

حیدرآباد کی ابتدائی قدیم مجلسوں میں ۶ رصفر کی مجلس اپنی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ مجلس میری والدہ مرحومہ بتول النساء بیگم اہلیہ سید محمد علی صاحب مرحوم کی بنا کردہ ہے۔ میری والدہ کی شادی ۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں ہوئی۔ اسی سال سے غالباً اس مجلس کی بنا ہوئی۔ میں نے اس سلسلے میں اپنی ایک حقیقی خالہ رفعت النساء بیگم سے بات کی تو انہوں نے کہا

''میں تو جب سے ہوش سنبھالی ہوں برابر اس مجلس میں شریک ہوتی رہی ہوں۔ اور اب میں چھیاسی (۸۶) سال کی ہو چکی ہوں ۸۷ واں سال چل رہا ہے۔''

اس بیان کی روشنی میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ مجلس اسی (۸۰) یا بیاسی (۸۲) سال قدیم ہے۔ اس مجلس کی اہم بات یہ ہے کہ اسے مغرب سے پہلے ہی ختم کر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ دوسرے دن حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت کی تاریخ ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے' ابتدا ہی سے اس مجلس میں ولایت حسین نقوی مرحوم کی اہلیہ کریم النساء ایک مرثیہ پڑھتی تھیں۔ ولایت حسین نقوی میرے والد مرحوم کے حقیقی ماموں ہوتے تھے۔ پہلا مرثیہ منجھلی بیگم مرثیہ خوان پڑھتی تھیں اور دوسرا مرثیہ کریم النساء بیگم پڑھتی تھیں اس کے بعد مولانا سید آغا صاحب مرحوم کی بیوی فاطمہ بیگم مرحومہ حدیث خوانی کرتی تھیں۔ زنانی مجلسوں میں پہلے منبر پر ذاکرہ نہیں بیٹھتی تھیں اس لئے فاطمہ بیگم ہاتھ میں کتاب لئے کرسی پر بیٹھ کر حدیث پڑھتی تھیں۔ اس کے بعد دو نوحے پڑھے جاتے' ماتم ہوتا اور مجلس تمام کر دی جاتی۔

---

[1] یہ تفصیل بیگم نواب تقی علی خان سے حاصل ہوئی۔

کریم النساء بیگم کے انتقال کے بعد ان کی صاحبزادی شہر بانو نقوی مرثیہ پڑھتی تھیں ان کے پاکستان چلے جانے کے بعد کریم النساء بیگم کی پوتی آمنہ نقوی مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔ ان کی غیر موجودگی میں طاہرہ علی حسین نقوی مرثیہ پڑھتی ہیں۔ دوسرا مرثیہ ان کی بڑی بیٹی بشیر جعفری پڑھتیں ان کے امریکہ منتقل ہو جانے کے بعد ان کی سب سے چھوٹی لڑکی منیر موسوی مرثیہ پڑھتی ہیں۔

فاطمہ بیگم صاحبہ کے پاکستان جانے کے بعد شیریں مرحومہ بنت گوہر صاحب عرصہ تک پڑھتی رہیں۔ ڈاکٹر ذکیہ سلطانہ نے جب حدیث خوانی شروع کی تو اس مجلس میں وہی پڑھنے لگیں اور آج تک وہی پڑھتی ہیں۔

ایک اور قابل ذکر بات اس مجلس کے تعلق سے یہ ہے کہ اس میں ہر سال ایک نیا تبرک تقسیم کیا جاتا جو بہت اہتمام سے تیار کیا جاتا تھا۔ کبھی کانچ کے مرتبانوں میں گاجر کا حلوہ دیا گیا تو کبھی چکنی مٹی کے مرتبانوں میں سوکھا (خشک) میوہ بھر کر تقسیم کیا گیا۔ ایک دو سال آئسکریم تقسیم کی گئی۔ اس کے بعد کئی سال سے کانچ کے گلاس تقسیم کیے جاتے ہیں۔ ابتدا ہی سے اس مجلس میں کرایہ سواری تقسیم کیا جاتا تھا۔ اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ ایک زمانے میں یہ مجلس میرے نانا مرحوم مولوی سید صادق علی صاحب کے مکان ''خضرا'' میں منعقد ہوتی تھی۔ وہاں خواتین کا بے حد ہجوم ہوتا تھا۔ تبرک تقسیم کرتے وقت خواتین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی تھیں۔ میری خالائیں رفعت النساء بیگم، عظیم النساء بیگم مرحومہ اور بڑی ممانی زہرا مہدی مرحومہ باقاعدہ حلقہ بنا کر قطار میں ایک ایک خاتون کو تبرک کے مقام تک جانے دیتی تھیں۔ کئی مرتبہ تو ہجوم تبرک تقسیم کرنے والوں پر ٹوٹ پڑتا اور تقسیم کرنے والے زخمی ہو جاتے تھے۔ میری والدہ جب تک زندہ تھیں، یہ مجلس کرتی رہیں۔ ان کے انتقال کے بعد اسی طریقہ سے ان کے فرزند سید محمد ہاشم موسوی یہ مجلس کرواتے ہیں۔

۶/صفر

یہ مجلس تقریباً ساٹھ سال قدیم ہے اس میں حضرت علی اکبر علیہ السلام کا علم مبارک اٹھایا جاتا ہے۔ اس

مجلس کی داعیہ سیدہ بیگم اہلیہ نواب سید محمد ہاشم خاں مرحوم تھیں۔ اس مجلس میں مومنات کثیر تعداد میں شریک ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سیدہ بیگم خود بکثرت مجالس میں شرکت کرتیں۔ اور مومنات سے اپنی اس مجلس میں شرکت کرنے کا معروضہ کرتی تھیں۔ امیر و غریب کی تخصیص کے بغیر اس مجلس میں خواتین کا بڑا مجمع ہوتا تھا۔ اس مجلس میں رشید النساء بیگم حضرت علی اکبر کا مرثیہ پڑھتی تھیں اس کے بعد مہدی بیگم منبر پر حدیث خوانی کرتی تھیں۔ مہدی بیگم کے بعد سیدہ بیگم طویل عرصہ سے اس مجلس کو مخاطب کر رہی ہیں۔ حدیث کے بعد حضرت علی اکبر کا علم مبارک اٹھایا جاتا ہے۔ رشید النساء بیگم اور گروہ کبرا کی نوحہ خوانی اور پرزور ماتم پر مجلس ختم ہوتی ہے بطور تبرک مومنات کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ ابتدا میں اس مجلس میں شریک ہونے والی مومنات کو کرایہ سواری دیا جاتا تھا لیکن آج کل یہ طریقہ ختم ہوگیا ہے سیدہ بیگم کے انتقال کے بعد آج بھی یہ مجلس ان کے بڑے فرزند علی یاور خاں اور ان کی بیگم اسی انداز میں کرتے ہیں۔ [۱]

---

۹ رصفر

اس مجلس کی بانی امتہ البتول بیگم بنت مرزا غلام سجاد اشہر ہیں۔ جس سال عابدہ بیگم اور احمدی بیگم نے زنانی مجلسوں کی ابتدا کی اسی سال امتہ البتول بیگم نے بھی ۹ رصفر کو جناب فاطمہ کبریٰ کی مجلس کی بنا کی۔ جماعت میں دو مرثیے پڑھے جاتے اور منبر پر عابدہ بیگم میر انیس یا مونس کا مرثیہ مبنی بر مصائب زندان اور ملاقات ہند پڑھتیں۔ جناب فاطمہ کبریٰ کے حال کے دو نوحے پڑھے جاتے جو جواد اور جعفر کے تحریر کردہ ہوتے اس مجلس میں پہلے کانچ کے مرتبان میں حلوہ سوہن تقسیم کیا جاتا تھا۔ اب روٹی تقسیم کی جاتی ہے امتہ البتول کے انتقال کے بعد یہ مجلس ان کے تیسرے بیٹے سید علی مہدی حسین کرتے ہیں۔

اس مجلس میں مجھلی بیگم مرثیہ خوان مرثیہ اور نوحہ پڑھتی تھیں۔ یا پھر اہل خاندان پڑھتے ہیں۔ اب اس مجلس میں مہدی حسین کی لڑکیاں مرثیہ پڑھتی ہیں اور ریاض فاطمہ تحت اللفظ پڑھتی ہیں۔ مرزا علی جعفر کا مرثیہ "جب قید خانے میں باچشم تر گئی" پڑھا جاتا ہے۔ (اب جناب فاطمہ کبریٰ کے نوحوں اور مرثیہ کی تخصیص باقی نہیں رہی۔ [۲]

---

۱ یہ معلومات سیدہ سرتاج جعفر عابدی سے حاصل ہوئیں۔ ۲ یہ معلومات ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئیں۔

۹ر صفر

سید احمد حسین نقوی کی اہلیہ سکینہ بیگم عفت نے ۱۹۳۶ء میں اس مجلس کی بنا ڈالی۔ یہ مجلس منت کی ادائیگی کے سلسلہ میں شروع ہوئی۔ پولیس ایکشن سے پہلے میر محمد علی رضوی کا گھر ''غریب منزل'' عزاداری کا مرکز تھا۔ چنانچہ یہ مجلس بھی وہیں ہوتی تھی۔ پچھلے تین سالوں سے یہ مجلس ''عالیہ منزل'' پرانی حویلی کے عاشور خانے میں ہو رہی ہے۔

سکینہ بیگم کا انتقال بہت جلد ہو گیا۔ اس لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ ابتدا میں ذاکرہ اور مرثیہ خوان کون تھے۔ تاہم حسینی محلہ میں صمصام علی مرثیہ خوان کی والدہ سردار بیگم ذاکری اور گوہر علی کی والدہ مرثیہ خوانی کرتی تھیں۔ اس مجلس میں ابتدا سے شہزادی سکینہ کا تابوت اٹھایا جاتا ہے۔ اس تابوت کے ساتھ چوتھے امام کا علم مبارک بھی اٹھایا جاتا۔ اپنے بچپن میں ڈاکٹر صادق نقوی طوق بیڑی پہنے یہ علم اٹھاتے تھے۔

اس مجلس کے لئے خاص طور پر لکھے گئے سلام اور نوحے پڑھے جاتے تھے۔ میر احمد حسین نے اس مجلس کا ایک اکاؤنٹ بنک میں کھول رکھا تھا۔ جس میں ہر ماہ مجلس کے اخراجات کے لئے پیسے جمع کئے جاتے تھے جو اس مجلس کے تبرک وغیرہ پر خرچ کئے جاتے۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق مومنات کو کرایہ سواری بھی دیا جاتا۔ مجلس کے انتظام اور اہتمام کے لئے صبح سے خاندان کے افراد گھر پر جمع ہو جاتے۔ ناشتہ اور دوپہر کا کھانا سارا خاندان یہیں کھاتا۔ بچوں کو فقیر بنایا جاتا۔ اس دور کی مشہور بیکری کو خاص طور پر آرڈر دے کر تبرک تیار کروایا جاتا۔

ایک عرصہ تک اس مجلس کو ذاکرہ اختر صاحبہ مخاطب کرتی تھیں۔ اب ڈاکٹر ذکیہ سلطانہ یہ مجلس پڑھتی ہیں۔ صرف دن بھر کی ضیافت اور فقیری کی روایت ختم ہو گئی۔ لیکن باقی اہتمام حسب سابق ہوتا آ رہا ہے۔ [۱]

۱۰ر صفر

بیگم نواب بندہ علی خاں کی بنا کردہ یہ مجلس ان کی رہائش گاہ گلزار حوض کی دیوڑھی میں منعقد ہوتی تھی۔

---

[۱] یہ معلومات ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئیں۔

بعد میں یہ لنگر حوض کی ڈیوڑھی میں ہونے لگی۔ ۱۹۲۰ء سے پہلے ہی سے یہ مجلس ہوتی رہی۔ اس مجلس میں آغا تبریزی کی بیوی شہزادی بیگم مرثیے اور نوحے پڑھتی تھیں۔ حدیث نہیں پڑھی جاتی تھی۔ اس مجلس میں صرف وہی خواتین شرکت کرتیں جنہیں رقعے بھیج کر مدعو کیا جاتا تھا۔ تبرک میں لوازمات کے ساتھ خاص اہتمام سے کھانا کھلایا جاتا تھا۔ [1]

۱۱ر صفر

حیدرآباد کی قدیم مجلسوں میں سے ایک مجلس ۱۱ر صفر کی بھی ہے۔ یہ مجلس سو (۱۰۰) سال قدیم ہے۔ سید اکبر علی رضوی کی بیگم نے اس کی بناڈالی۔

اکبر علی رضوی کا ایک لے پالک سن لڑکا مسعود علی نامی تھا۔ وہ ایک مرتبہ کسی باولی پر نہانے گیا تھا۔ وہاں اسے باؤلی میں سے حضرت عباس علیہ السلام کا علم مبارک ملا۔ اس نے وہ علم کسی کو بتائے بغیر اپنے کمرے کے طاقچے میں بٹھا دیا۔ اپنے ساتھی بچوں سے پیسے جمع کر کے لکڑیاں خریدیں اور آگ جلا کر انگارے بنائے۔ بغیر مجلس و ماتم کئے وہ علم اٹھا کر انگاروں پر چلتا رہا۔ کئی چکر لگانے کے بعد واپس طاقچہ میں رکھ دیا جب اس بات کی خبر گھر والوں کو ہوئی تو انہوں نے علم ایستادہ کر کے مجلس کی بناڈالی۔ اور پھر انگاروں پر سے علم مبارک کی سواری اٹھانے لگے۔

اکبر علی رضوی کے رہائشی مکان میں زیادہ گنجائش نہیں تھی۔ اس لئے یہ مجلس ''غریب منزل'' نور خاں بازار میں منعقد کی جاتی تھی۔ جو ان کے بھتیجے داماد محمد علی صاحب کا مکان تھا۔ مجلس شروع ہونے سے پہلے باہر کے آنگن میں لکڑیاں جلا کر انگاروں کا فرش بچھایا جاتا تھا علم اٹھانے سے آدھ گھنٹہ پہلے مسعود علی نہا دھو کر آتے تھے۔ ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہونے لگتی تھی۔ زنانے کے پردہ کے خیال سے آگ کے چاروں طرف قناتیں گھیر دی جاتیں تا کہ مردانہ قنات کی اوٹ میں رہے۔

مجلس کی ابتدا انجمنی بیگم مرثیے خوان کی مرثیہ خوانی سے ہوتی تھی۔ اس کے بعد دردانہ بیگم اختر حدیث پڑھتی تھیں۔ پہلا نوحہ شروع ہوتے ہی مسعود علی جو پہلے ہی سے باہر علم مبارک اٹھانے کے منتظر ہوتے تھے

---

[1] یہ معلومات بیگم و نواب تقی علی خاں سے حاصل ہوئیں۔

سر جھکائے عاشور خانے میں داخل ہو کر علم مبارک اٹھالیتے عورتیں اطراف میں حلقہ باندھ کر نوحے پڑھتی آگ کی طرف جاتیں مسعود علی جیسے آگ میں علم لے کر کود پڑتے' نوحے خوانی بند ہو جاتی اور تمام عورتیں آگ کے اطراف کھڑی زور زور سے ماتم کرتے ہوئے یا عباس یا عباس کے نعرے لگاتیں انگاروں پر علم مبارک کے تین چکر لگانے کے بعد علم کو لئے ہوئے مسعود علی عاشور خانے میں واپس آجاتے یہاں علم کو ٹھنڈا کر دیتے۔اس کے بعد نوحے پڑھے جاتے اور ماتم ہوتا اور مجلس ختم کر دی جاتی۔ جب تک ''غریب منزل'' میں مجلس ہوتی تھی' تبرک میں کھانا کھلایا جاتا تھا۔اس کے بعد مختلف قسم کے تبرکات تقسیم کیے جانے لگے۔

مسعود علی کو'' حال'' آتا تھا لوگ ان سے صحت کے بارے میں اور دوسرے سوالات کرتے تھے۔اس عالم'' حال'' میں وہ جو بھی جواب دیتے وہ پورا ہو جاتا تھا۔ دوسرے سال لوگ منت پوری ہونے پر علم مبارک پر سہرا چڑھاتے اور'' انگاروں'' کے لئے لکڑی خرید کر ڈلواتے یا پیسے دیتے۔

کئی سال بعد جب محمد علی کا انتقال ہوا تو یہ مجلس اکبر علی رضوی کی بیٹی عابدہ بیگم کے گھر میں منتقل ہو گئی جو سلطان پورہ میں تھا۔ دس بارہ سال کے بعد کوچہ تاجی (ٹپہ خانے کی گلی) میں سات آٹھ سال ہوتی رہی۔اس کے بعد عابدہ بیگم اور ان کے شوہر سید محمد رضا سالار جنگ کے باورچی خانے میں کرائے سے رہنے لگے تو یہ مجلس بھی وہیں ہونے لگی اور کوئی سترہ سال بعد سے یہ مجلس'' یادگار حسینی'' میں ہونے لگی۔ جب تک اکبر علی رضوی کی بیگم زندہ رہیں وہی یہ مجلس کرتی تھیں۔ان کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی عابدہ بیگم کرنے لگیں۔ان کے انتقال کے بعد ان کے فرزند سید محمد تقی رضوی اور ناصرہ بیگم یہ مجلس کرتے ہیں۔

مسعود علی کے انتقال کے بعد علم مبارک کی سواری عابدہ بیگم کے بیٹے سید محمد مہدی اٹھاتے تھے۔جب وہ ملازمت کے سلسلہ میں باہر رہنے لگے تو ان کے بھائی سید محمد تقی علم اٹھاتے تھے۔اور اب پانچ سال سے تقی کے بیٹے سجاد علم مبارک اٹھاتے ہیں۔

مسعود علی کو جو علم باؤلی سے ملا تھا وہ بوسیدہ ہو کر ٹوٹنے لگا تھا۔اس لئے اسی نمونے کا نیا علم بنوا کر پرانے علم کو چسپاں کیا گیا۔منت آنے پر لوگ علم مبارک پر سہرا چڑھاتے ہیں۔اور لکڑی شریک کرتے ہیں۔یا پھر پیسے دے دیتے ہیں کہ لکڑیاں خریدتے وقت شریک کرلیں۔اب یہ ہونے لگا ہے کہ گھر والوں کی طرف سے صرف دس یا بارہ کیلو لکڑی خریدی جاتی ہے۔باقی منتیوں کی طرف سے ہوتی ہے۔[1]

---

[1] یہ تفصیل نجیبہ بیگم اہلیہ کاظم علی صاحب سے حاصل ہوئی۔

۱۳؍صفر

یہ مجلس سید آغا صاحب کی اہلیہ امیر النساء بیگم کی بنا کردہ ہے۔ شہزادی زینبؑ کی ضریح ایستادہ کی جاتی ہے یہ اس گھر کی مخصوص مجلس ہے۔ مجلس سے پہلے دن میں میوے پر نذر دیجاتی ہے اس مجلس میں نئی لوگ کثرت سے آتے ہیں۔ ابتدا میں دو سلام اور دو مرثیے پڑھے جاتے ہیں۔ ایک مرثیہ امیر النساء خود پڑھتی تھیں اور دوسرا مرثیہ یا تو گھر کی بچیاں پڑھتی تھیں یا پھر امیر النساء کی بھابی بشارت علی کی اہلیہ پڑھتی تھیں۔ ان کے پاکستان جانے کے بعد بشیر جعفری مرثیہ پڑھتی تھیں۔ بشیر جعفری امریکہ منتقل ہونے کے بعد مہ جبین اہلیہ رضا آغا اور سیدہ جعفری مرثیہ پڑھتی ہیں۔ ذاکری ابتدا میں نور النساء بیگم کرتی تھیں۔ اس کے بعد امتری بیگم پڑھنے لگیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ حدیث کے اختتام پر ضریح مبارک عاشور خانے سے باہر لائی جاتی ہے۔ کوئی نوحہ نہیں پڑھا جاتا۔ صرف ''ہائے ہائے'' کی صداؤں کیساتھ سینہ زنی ہوتی ہے۔ دالان میں ضریح مبارک رکھ کر سفید چادر اڑھائی جاتی ہے۔ ماتم کے بعد نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ آخری میں گروہ کا ماتم ہوا کرتا تھا۔ چند سالوں سے گروہ کا ماتم تو نہیں ہوتا البتہ آخری ماتم نواب عنایت جنگ کی نواسی بہو زینب کرواتی ہیں مجلس کے بعد میوہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ مجلس کے اختتام پر جب عام مجمع کم ہو جاتا ہے تو وہ خواتین جن کی منت پوری ہوتی ہے، ضریح مقدس پر رنگین چادر چڑھاتے ہیں جو حاجت مند اپنی حاجت براری کی نیت سے اٹھالیتے ہیں میوہ کے ساتھ ساتھ لوگ چاندی کے میوہ بھی چڑھاتے ہیں۔ اس مجلس میں بھی کرایہ سواری دیا جاتا ہے۔ خاندان کے لوگوں کو کھانا بھی کھلایا جاتا ہے۔ [۱]

۱۳؍صفر

بیگم نواب عنایت جنگ کی بنا کردہ یہ مجلس بمقام ''حسینہ'' منعقد ہوتی تھی۔ اس مجلس میں سکینہ بی اور منجھلی بیگم مرثیہ و نوحہ پڑھتی تھیں۔ باسط علی صاحب کی بیٹی اختر حدیث خوانی کرتی تھیں۔ اس مجلس کے تبرک کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ محرم سے تین ماہ پہلے ممبئی کی مختلف کمپنیوں سے چین اور جاپان کے برتن کے نمونے منگوائے جاتے تھے کبھی قلفیاں اور کبھی کٹورے پسند کر کے منگوائے جاتے تھے۔ ان میں حلوہ بھر کر تقسیم کرتے تھے۔ [۲]

۱۔ یہ تفصیل ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئی۔ ۲۔ یہ معلومات اشرف النساء بیگم بنت نواب مشیر جنگ سے حاصل ہوئیں۔

۱۴/صفر

یہ دوسو سال قدیم مجلس ہے۔ پہلے یہ مجلس مردانی ہوتی تھی۔ مگر ۷۰ سال سے حسینی بیگم نے اسے زنانی مجلس میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس مجلس میں جناب سکینہ کا پیراہن اٹھایا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ عاشور خانے میں علم مبارک ایستاد کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک عماری میں جناب زینب' جناب کلثوم' جناب سکینہ' جناب شہر بانو' جناب لیلیٰ اور جناب رباب کے علم ایستاد کئے جاتے ہیں۔ جو اٹھائے نہیں جاتے یہیں پر حضرت علی اصغر کے نام سے منسوب جھولا بھی ایستادہ کرتے ہیں اس کے ساتھ ضریح بھی بٹھائی جاتی ہے۔

شہزادی سکینہ کا پیراہن ایک کشتی میں رکھا جاتا ہے۔ اس پر موتیوں اور پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے ایک خوان میں کھیر کے پیالے رکھے جاتے ہیں ان پر بی بی سکینہ کی نذر دی جاتی ہے۔ دو خوانوں میں دودھ اور پانی کے شربت کے کوزے رکھے جاتے ہیں۔ مجلس کا آغاز سلام اور مرثیے سے ہوتا ہے اس کے بعد حدیث خوانی ہوتی ہے۔ حدیث ختم ہوتے ہی سارے گھر میں اندھیرا کر دیا جاتا ہے۔ اور گھر کے دوسرے حصے سے پیراہن کی کشتی کے ساتھ دونوں خوان مخصوص نوحے پڑھتے ہوئے صحن عبور کر کے عاشور خانے میں لیجائے جاتے ہیں۔ یہاں عاشور خانے میں ضریح پر شہزادی سکینہ کا پیراہن پھیلا دیا جاتا ہے اور جو علم ایستاد کئے ہوئے ہوتے ہیں انہیں ٹھنڈے کرتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ علموں کے تخت پر جانماز بچھائی جاتی ہے اور تمام علم نیزوں سے نکال کر جانماز پر رکھ کر ٹھنڈے کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ضریح مبارک کو عاشور خانے سے باہر لا کر گشت کرنے کے بعد دوبارہ عاشور خانے میں لے جا کر رکھ دیتے ہیں۔ اور نوحہ و ماتم پر مجلس تمام کی جاتی ہے۔ تبرک میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔ مجلس میں آنے والوں کو پہلے شربت پلایا جاتا تھا لیکن اب یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ البتہ تبرک کھانا ہی برقرار ہے۔ اب یہ مجلس حسینی بیگم کی پوتی بہو ثریا بیگم کرتی ہیں۔[۱]

ابتدا میں یہ مجلس مسلسل چار دن ہوتی تھی۔ ۱۲/صفر کو حضرت قاسم کی مجلس ہوتی اور علم اٹھایا جاتا تھا۔ ۱۳/صفر کو حضرت عباس کی مجلس ہوتی' علم اٹھایا جاتا اور حاضری مبارک کرتے تھے۔ ۱۴/صفر کی مجلس میں ضریح اٹھاتے تھے اور ۱۵/صفر کو دوبارہ ضریح اٹھا کر عاشور خانے میں علم، ضریح ٹھنڈے کرتے تھے۔ مگر اب صرف

---

[۱] یہ تفصیلات ثریا بیگم سے حاصل ہوئیں۔

ایک ہی دن یعنی ۱۴ر صفر کو مجلس ہوتی ہے۔ اس مجلس میں ذاکرہ سیدہ بیگم حدیث خوانی کرتی ہیں۔ سیدہ بیگم اپنی شادی سے پہلے سے یہ مجلس پڑھتی آ رہی ہیں۔[1]

۱۵ر صفر

نواب مشیر جنگ کی صاحبزادی مشیر النساء بیگم کی بنا کردہ یہ مجلس ''وسیع منظر'' سوماجی گوڑہ میں ہوتی تھی۔ اس مجلس میں مریم مہدی یار جنگ جو نواب عقیل جنگ کی بہو تھیں سوز سلام اور مرثیہ پڑھتی تھیں۔ اس کے علاوہ سکینہ بی بھی پڑھتی تھیں۔ اس مجلس میں چینی کی بنی ہوئی کانچ کی قلفیوں میں حلوہ تقسیم کیا جاتا تھا۔[2]

۱۶ر صفر

۱۶ر صفر کی یہ مجلس سو (۱۰۰) سال سے زیادہ قدیم ہے۔ اس مجلس کی بانی شمشیر حسین خاں کی بیٹی اور داور علی خاں کی اہلیہ اسدی بیگم تھیں۔ اسدی بیگم نے شادی کے بعد اس مجلس کی ابتداء کی۔ انہوں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی ضریح اور جناب معصوم قم کا علم مبارک بنوایا۔

اس مجلس کی شروعات شمشیر حسین خاں کے گھر سے ہوئی۔ ایرانی گلی میں یہ بہت وسیع و عریض زمین پر کشادہ مکان تھا۔ جس میں تین دالان اور کشادہ صحن تھا۔ اسی مکان کے عاشور خانے میں ضریح مبارک ایستادہ کی جاتی تھی۔ اور بازو کے دوسرے گھر میں جو انہی کا تھا' حضرت معصومہ قم کا علم ایستادہ کیا جاتا۔ اس مجلس میں دو سلام' دو مرثیے پڑھے جاتے تھے اس کے بعد ذاکری ہوتی۔ ایک نوحہ پڑھنے کے بعد دوسرا مخصوص نوحہ پڑھنا شروع کرتے ہی ضریح مبارک اٹھائی جاتی۔ دالان سے صحن میں لا کر ضریح کو ایک تخت پر رکھا جاتا۔ دوسرے گھر سے حضرت معصومہ قم کا علم نوحہ پڑھتے ہوئے لایا جاتا۔ اور ضریح مبارک پر رکھ دیتے۔ اور ماتم ہوتا۔ پھر ضریح کو نوحہ و ماتم کے ساتھ عاشور خانے میں لیجایا جاتا (اس طرح بھائی بہن کی ملاقات کی منظر کشی کی جاتی) آخری ماتم کے بعد تبرک تقسیم کیا جاتا جو عموماً کانچ یا چینی کے برتن ہوتے جن میں مٹھائی یا سوکھا میوہ رکھا جاتا تھا یا پھر خوان میں پانچ قسم کا تازہ میوہ رکھ کر اوپر سے خوان کو ڈھانک کر دیا جاتا۔ کبھی عمدہ قسم کے بڑے سائز کی پیالی تشتری' کبھی عمدہ قسم کے کانچ کے رنگین جام یا

---

[1] یہ تفصیل ثریا بیگم کی نند مہدی بیگم سے حاصل ہوئیں۔ [2] یہ تفصیل اشرف النساء بیگم بنت نواب مشیر جنگ سے حاصل ہوئی

صراحی ایسی ہی عمدہ چیزیں تقسیم کی جاتی تھیں۔

اس مجلس میں ایک سلام اور مرثیہ وقار فاطمہ ضرور پڑھتیں۔ دوسرے مرثیہ کے بعد حدیث خوانی ہوتی۔ ابتدا میں آغائی بیگم ذاکری کرتی تھیں۔ اس کے بعد سیدہ بیگم پڑھتی رہیں۔ ان کے بعد اقبال بیگم نے اس مجلس میں ذاکری کی۔ اور اب عشرت فاطمہ کی لڑکی درشہوار فاطمہ باداہی پڑھتی ہیں۔ ضریح کے ساتھ نوحہ بھی وقار فاطمہ پڑھتی تھیں۔ اور آخری ماتم بھی وہی کرواتی تھیں۔ لیکن جب شمشیر حسین کے بیٹے سید عباس حسین خاں موسوی کی شادی ہوئی تو ان کی اہلیہ فطرت النساء (کنیز شہزادی) مرثیہ وسلام پڑھنے لگیں۔ اب وہ پیرانہ سالی کی وجہ سے نوحہ نہیں پڑھتیں۔ ان کے بجائے ان کی پوتیاں نوحہ پڑھتی ہیں

اس مجلس میں آنے والوں کو کرایہ سواری دیا جاتا۔ مرثیہ خواں اور ذاکرہ کو نذرانہ دیا جاتا اور ساتھ میں تبرک بھی زیادہ دیا جاتا۔ اس زمانے میں جب کہ خواتین کو اپنے گھروں سے نکلنے کیلئے سواریوں وغیرہ اتنی آسانیاں نہیں تھیں' پھر بھی اس مجلس میں ہزاروں کی تعداد میں خواتین شریک ہوتی تھیں۔ ''مسجد حسینیؑ'' کے پاس قنات لگادی جاتی تاکہ آنے والی خواتین کو کسی قسم کی زحمت نہ ہو۔ قنات کے پاس پھول فروخت کرنے والی عورتیں اپنی دکان لگاتی تھیں اور تلن وغیرہ کرنے والی عورتیں بھی قنات کے پاس اپنا کاروبار کرتی تھیں۔

اس مجلس میں لوگ منتیں مانتے اور دوسرے سال حسب استطاعت چاندی کی روٹی' چاندی کے ہاتھ اور چاندی کے میوہ وغیرہ چڑھاتے تھے۔ ایک سال ''یوسف گلشن'' والوں نے منت پوری ہونے پر ضریح کے ڈنڈوں پر چاندی کے خول چڑھائے۔

مجلس ختم ہونیکے بعد امام رضا علیہ السلام کی نذر روٹی قورمہ اور شیر برنج کے پیالوں پر دی جاتی۔ یہاں بھی حاجت مند اپنی منت مان کر نذر کھاتے ہیں۔ شمشیر حسین خاں کا مکان فروخت ہوجانے کے بعد یہ مجلس ایرانی گلی میں مہدی صاحب کے عاشور خانے میں ہونے لگی۔ اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آج بھی خواتین کا کثیر مجمع رہتا ہے۔ کنیز شہزادی اب اس مجلس میں اپنی پوتیوں سے مرثیہ ونوحہ پڑھواتی ہیں۔ آخری ماتم کے لئے اب گروہ فاطمہ (بسم اللہ بیگم کی گروہ) بلائی جاتی ہے۔ اس مجلس کا اہتمام ان کے لڑکے ہی کرتے ہیں۔

۱۷ر صفر

خاندانِ اشہر کی یہ مجلس اشہر کی بہو کاظم النساء بیگم کرتی تھیں۔ کاظم النساء بیگم اپنی شادی سے پہلے ہی سے یہ مجلس کرتی تھیں۔ شادی کے بعد جب وہ ایرانی گلی میں آئیں تو وہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا علم مبارک بنوا کر ایستادہ کرنے لگیں۔ ۱۰ر صفر کو علم ایستادہ کرتیں۔ ہر روز گھر میں مجلس ہوتی تھی اور ۱۷ر صفر کو عام مجلس کر کے علم مبارک اٹھایا جاتا۔ اس مجلس میں دو سلام اور دو مرثیے پڑھے جاتے تھے۔ ابتدا میں گھر کی خواتین (شہرت اور فطرت) ہی پڑھتی تھیں۔ مرثیوں کے بعد منبر پر تحت اللفظ عابدہ بیگم پڑھتیں۔ ایک نوحہ پڑھنے کے بعد دوسرے نوحے پر علم مبارک اٹھایا جاتا۔ علم کو الاوہ کے اطراف گشت کرانے کے بعد عاشور خانے میں لا کر تخت پر لٹا دیتے اور سفید کپڑا اوڑھا دیتے تھے۔ اور پھر نوحہ پڑھتے اور ماتم کرنے کے بعد مجلس ختم کر دی جاتی تھی۔۔ اس گھر میں عموماً آخری نوحہ ''ہائے ہائے'' یا فارسی نوحہ پڑھ کر مجلس تمام کی جاتی۔ تبرک میں کانچ اور چینی کے برتن میں حلوہ سوہن، گلاب جامن یا اسی قسم کی مٹھائی یا سوکھا میوہ تقسیم کیا جاتا تھا۔

کاظم النساء کے انتقال کے بعد یہ مجلس ان کی بہویں شہرت اور فطرت کرنے لگیں۔ انہوں نے مجلس کے رقعے تقسیم کر کے لوگوں کو مدعو کرنا شروع کیا۔ جب تک عابدہ بیگم زندہ تھیں وہی اس مجلس میں منبر پر تحت اللفظ مرثیہ پڑھتی تھیں۔ عابدہ بیگم کے انتقال کے بعد لطیف النساء بیگم ذاکری کرتی تھیں۔ اسی زمانے میں شہرت نے یہ مجلس ایرانی گلی سے یادگارِ حسینی میں منتقل کر دی۔ ''یادگارِ حسینی'' میں یہ مجلس ۱۹۸۸ء تک ہوتی رہی۔ ۱۹۶۱ء میں شہرت کے انتقال کے بعد یہ مجلس فطرت کرتی رہیں۔ اسی زمانے میں لطیف النساء بیگم علیل ہوئیں تو مہدی بیگم ان کی جگہ حدیث پڑھنے لگیں۔ ان کے بعد کچھ عرصہ سیدہ بیگم کو بھی یہ مجلس پڑھنے کا موقع ملا۔ لطیف النساء بیگم کے انتقال کے بعد سے آج تک یہ مجلس ذکیہ سلطانہ پڑھ رہی ہیں۔

۱۹۸۸ء میں فطرت نے اس مجلس کی ذمہ داری ریاض فاطمہ بنت شہرت کو سونپی۔ اور اب یہ مجلس شہرت کی بہویں ملکہ حسین اور فریسہ علمدار کرتی ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں یہ مجلس ''یادگارِ حسینی'' سے عاشور خانہ حضرت امام رضا علیہ السلام کوچہ خطیب میں منتقل ہوئی اور آج تک یہیں ہو رہی ہے۔ تبرک میں تبدیلیاں آتی رہیں۔ کبھی شیر مال کبھی گلاس اور دیگر کانچ کے برتن تقسیم کئے جاتے ہیں۔ [۱]

---

۱ یہ تفصیل ڈاکٹر ریاض فاطمہ نے دی ہے۔

۱۷ رصفر

یہ مجلس خصوصیت کی حامل ہے۔ اس کی ابتدا کے تعلق سے یہ کہا جاتا ہے کہ بچپن میں مولوی سید آغا صاحب علیل ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ جہاں پرور بیگم کا یہ طریقہ رہا کہ جب کوئی بچہ بیمار ہو جاتا' یا کچھ پریشانی آجاتی تو وہ کوہ امام ضامن پر چلی جاتیں۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی یہی کیا کہ کوہ امام ضامن پر چلی گئیں۔ اور نماز اور دعاؤں میں مشغول ہو گئیں۔ وہاں انہیں کسی نے خواب میں حکم دیا کہ ایک مرغ ذبح کر کے اس کے ٹکڑے کئے جائیں۔ اور ان ٹکڑوں کو ایک برتن میں رکھ کر سرپوش ڈھانک دیں۔ بچے کو عاشور خانے میں سلا کر دو رکعت نماز طلب حاجت پڑھیں اور مرغ کے ٹکڑوں والا برتن بچے کے سرہانے رکھ دیں (یہ کہا گیا تھا کہ صبح اگر مرغ غائب ہو جائے تو بچہ کو صحت ہو جائیگی) رات اضطراری کیفیت میں دعا کرتے ہوئے گزری۔ صبح ہوئی تو دھڑکتے دل کے ساتھ جب سرپوش ہٹایا تو مرغ غائب تھا۔

اس واقعہ کے بعد جہاں پرور بیگم نے امام رضا علیہ السلام کا علم مبارک تیار کروایا اور ہر سال ۱۸ رصفر کو کوہ امام ضامنؑ پر جا کر مجلس کرتی تھیں۔ مولوی سید آغا صاحب کی زندگی تک یہ مجلس کوہ امام ضامن پر ہی ہوتی رہی۔ انکے انتقال کے بعد ۱۹۵۲ء سے یہ مجلس ''شریعت کدہ'' میں ہو رہی ہے۔ اب یہ مجلس ۱۸ رصفر کے بجائے ۱۷ رصفر کو ہوتی ہے اس کا اہتمام باقر آغا صاحب کی اہلیہ رباب بیگم کرتی ہیں۔ مجلس میں کرایہ سواری دیا جاتا ہے۔ دو مرثیوں اور ذاکری کے بعد علم مبارک اٹھاتے ہیں۔ نوحہ و ماتم کے بعد مجلس تمام ہوتی ہے۔ تبرک میں شیرمال تقسیم کی جاتی ہے۔ اس گھر کی زیادہ تر مجلسوں میں اصغری بیگم حدیث پڑھتی ہیں۔ خاندان کی تقریباً تمام مجلسوں میں مہ جبین رضا آغا مرثیہ خوانی کرتی ہیں۔[1]

---

۱۸ رصفر

۱۸ رصفر کو بیگم نواب داؤد جنگ اپنے مکان ''داؤد منزل'' نارائن گوڑہ میں کرتی تھیں۔ اس مجلس میں مرثیے اور نوحے شاکر علی صاحب کے گھرانے کی خواتین پڑھتی تھیں۔ یہ خاندان بعد میں ہجرت کر کے

---

[1] یہ تفصیل ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئی۔

کربلائے معلیٰ چلا گیا۔ وہاب صاحب کی بیوی حدیث خوانی کرتی تھیں۔ ۱۹۲۰ء سے بہت پہلے سے یہ مجلس ہوتی رہی ہے۔ تبرک میں لوازمات کے ساتھ کھانا کھلایا جاتا تھا۔!

۱۸/صفر

اس مجلس کی بانی حبیب النساء بیگم اہلیہ علی رضا صاحب ہیں۔ یہ مجلس کم و بیش ستر (۷۰) سال قدیم ہے۔ اس مجلس میں حضرت امام رضا علیہ السلام کا علم مبارک اٹھایا جاتا ہے۔ حبیب النساء بیگم کے منجھلے فرزند مہدی رضا کی صحت یابی کی منت کے سلسلے میں یہ مجلس شروع کی گئی۔ اس میں مرثیہ خوانی خاندان کی خواتین ہی کرتی تھیں۔ ابتدا میں آغائی بیگم سردار علی صاحب کی اہلیہ ذاکری کرتی تھیں۔ اس کے بعد لطیف النساء بیگم نے بھی کچھ عرصہ حدیث خوانی کی۔ اس کے علاوہ صغرا صادق نے بھی اس مجلس کو خطاب کیا تھا۔

جب یہ مجلس 'یادگار حسینی' میں ہونے لگی تو یہاں مریم بانو نے حدیث پڑھی تھی۔ تبرک میں کباب اور روٹی تقسیم کی جاتی۔ چونکہ یہ مجلس اور علم مبارک مہدی رضا کی صحت یابی کی منت کی تھی' اس لئے اب علم مبارک ان کے یہاں امریکہ میں ہے۔ لیکن یہاں بھی اسی تاریخ کو عباسی بیگم اب مجلس کرتی ہیں۔ اس مجلس میں مخصوص مرثیہ اور نوحے پڑھے جاتے تھے اب وہ روایت برقرار نہیں رہی۔

۲۰/صفر کی مجلس عاشور خانہ مہدی صاحب

یہ مجلس اربعین دو سو اکیس سال (۲۲۱) قدیم ہے۔

علامہ مہدی اقبال نے اپنے آبائی وطن مرشد آباد سے حیدرآباد آنے کے بعد یہاں محلہ ایرانی گلی میں اپنی رہائش کے لئے ایک مکان خریدا۔ ان کا یہی مکان آج ان کے نام سے موسوم عاشور خانہ کہلاتا ہے۔ اس عاشور خانے میں مولائے کائنات کی شبیہ کے علاوہ حضرت امام حسینؑ' جنت البقیع' خیمہ گاہ حضرت امام حسینؑ کی شبیہوں کے ساتھ ضریحیں اور منبر وغیرہ ہیں۔

! یہ تفصیل بیگم داؤد اب تقی علی خاں سے حاصل ہوئی۔

مہدی صاحب نے مردانی مجالس کے ساتھ ساتھ زنانی مجلس کا بھی اہتمام کیا۔ چنانچہ اربعین کے دن مردانی مجلس کے بعد زنانی مجلس منعقد ہوتی ہے۔ دن کے دو بجے یہ مجلس برپا ہوتی ہے۔ اور آج تک یہ سلسلہ قائم ہے۔ مہدی صاحب کے زمانے ہی سے زنانی مجلس میں مرثیہ خوانی کے بعد منبر پر ذاکری ہوا کرتی تھی۔ ابتدا میں فاطمہ بیگم ذاکرہ حدیث پڑھتی تھیں۔ ان کے بعد کوئی ذاکرہ دستیاب نہیں ہوئی تھی اس لئے مرزا غلام سجاد اشہر کی بیٹی عابدہ بیگم اور پھر مرزا قمر رضا کی بیگم امتہ الحمدی بیگم شہرت منبر سے مرثیے تحت اللفظ میں پیش کرنے لگی تھیں۔ اس مجلس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ جب ضریح مبارک صحن خانہ میں گشت کرائی جاتی تو تھوڑی تھوڑی دور پر رک کر نوحہ پڑھا جاتا اور سینہ زنی ہوتی پھر آگے بڑھتے۔ اس طرح گشت کے دوران پانچ نوحے پڑھے جاتے اور ہر نوحے کے بعد ماتم ہوتا۔ یہی طریقہ آج بھی باقی ہے۔

مجلس چونکہ دوپہر میں ہوتی تھی' اس لئے وقت کی مناسبت سے مہدی صاحب نے تبرک سادہ چاول (خشکہ) اور اماڑے کی بھاجی تجویز کیا تھا۔ مٹی کی صحنکوں میں یہ تبرک تقسیم کیا جاتا تھا۔ ذاکرہ لطیف النساء بیگم اس قدیم عاشور خانے سے بہت متاثر تھیں۔ چنانچہ انجمن نسوان برکات عزا (جس کی وہ صدر تھیں) کے رضا کاروں کے ساتھ اس قدیم مجلس کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھتی تھیں۔ مجلس شروع ہونے سے پہلے سے لے کر ختم ہونے کے بعد تک کے تمام امور کی انجام دہی اپنی ذمہ داری سمجھتی تھیں۔ جب تک وہ حیات تھیں' وہی اس مجلس میں حدیث پڑھتی رہیں۔ ان کے بعد کچھ عرصہ تک ان کی بیٹی مریم بانو نے بھی پڑھی۔ لیکن مختصر عرصہ کے بعد صحت کی خرابی کی وجہ سے ان کی حدیث خوانی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اس مجلس کی دیگر ذاکراؤں میں مہدی بیگم مرحومہ' صالحہ موسوی مرحومہ' اقبال بیگم' ڈاکٹر ذکیہ تقی اور عشرت بادامی قابل ذکر ہیں۔

ضریح مبارک صحن میں گشت کے بعد صدر دالان میں رکھ دی جاتی ہے۔ ماتم دار مومنات ضریح کے اطراف حلقہ باندھ کر دوزانو بیٹھ جاتی ہیں اور نوحہ پڑھتی ہوئی سینہ زانو پیٹتی ہیں۔ نوحہ ختم کرنے کے بعد کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اور ضریح مبارک کو اٹھا کر عاشور خانے میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہ ماتم ''گروہ کبرا'' کے زیر اہتمام تقریباً پچاس' ساٹھ سال سے ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء بہار النساء بیگم اور عزیز جہاں بیگم نے کی تھی جو اس گھر کی دختران نسبتی تھیں۔

''گروہ کبرا'' کی بانی عالیہ بیگم عقیدت اور احترام کے ساتھ ماتم کروایا کرتی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی لڑکی مومن بیگم اور زینب بیگم ماتم کرواتی ہیں۔ اس کے بعد ''گروہ زینب'' کی صدر خدیجہ بیگم فارسی نوحہ پڑھتی ہیں اور اپنی گروہ کا ماتم کرواتی ہیں۔ آخر میں رشید النساء بیگم کے وداعی ماتم پر مجلس ختم کی جاتی ہے۔ مجلس کے اختتام پر مرزا غلام سجاد اشہر کے خاندان کی خواتین شبیہہ مبارک کی زیارت کرواتی ہیں۔ [1]

---

۲۰ رصفر

یہ مجلس (۳۰۰) برس پرانی ہے۔ خدیجہ بیگم نے اس مجلس کی بنا ڈالی۔ اس میں ضریح حضرت علی اکبر علیہ السلام اٹھائی جاتی ہے۔

یہ مجلس روز اربعین دن میں ہوتی ہے۔ مرثیہ خوانی کے بعد ۳ بجے ذاکرہ حدیث پڑھتیں اس کے بعد ۵ ۱/۲ بجے تک ماتم ہوتا۔

اس مجلس میں ذاکرہ سیدہ حدیث پڑھتی ہیں۔ جب سات سال کی تھیں اس وقت سے وہ اس مجلس میں ذاکری کرتی ہیں۔ خدیجہ بیگم کے بعد ان کے بیٹے مہدی حسین اس مجلس کا اہتمام کرتے تھے ابتدا میں مرثیے ختم ہونے کے بعد کوئی ایک بی بی (جو اہل خاندان یا بانی مجلس کی قریبی عزیز ہوتی) اٹھ کر یہ کہتی کہ مومنات کسی کے گھر میں ایک کا چہلم ہوتا ہے۔ لیکن جناب فاطمہ کے گھر میں ۷۲ کا چہلم ہے اس پر مجلس میں خوب رقت ہوتی۔ ضریح مبارک اٹھائی جاتی۔

مہدی حسین کے دو بیٹے اکبر حسین اور اصغر حسین تھے اکبر حسین کی بہو عسکری بیگم ۶۰ سال سے اس مجلس کا اہتمام کرتی ہیں۔ ابتدا میں تبرک میں بریانی میٹھا وغیرہ کھلایا جاتا۔ کبھی انبیل کبھی دودھ کا شربت یا کھچڑی تقسیم کی جاتی جب سے روز اربعین میں مردانی جلوس کا سلسلہ شروع ہوا ہے اس مجلس میں مومنات کی تعداد کم ہوگئی ہے۔ اس مجلس میں عسکری بیگم ایک مرثیہ پڑھتی ہیں جسکا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

---

[1] یہ معلومات سیدہ سرتاج جعفر عابدی سے حاصل ہوئیں۔

۲۱ رصفر

سید علمدار حسین موسوی کی دادی کوئی سو سال پہلے مدراس سے حیدر آباد منتقل ہو گئی تھیں۔ وہ چوتھے امام کا علم اور "بی بی کا آستانہ" عاشور خانہ بھی اپنے ساتھ لائی تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ مدراس میں یہ مجلس ۲۲ رصفر کو دو سو سال سے ہوتی رہی تھی۔

۲۱ رصفر کی رات کو عاشور خانے میں حضرت امام زین العابدین کا علم ایستادہ کیا جاتا ہے۔ عاشور خانے ہی میں طہارت اور پاکیزگی سے روٹ بنائے جاتے ہیں۔ روٹ چھوٹے چھوٹے کلکلوں کی شکل میں تلے ہوتے ہیں۔ دو بڑے گھڑے عاشور خانے میں رکھے جاتے ہیں جو "ماٹ" کہلاتے ہیں۔ ان گھڑوں میں پانچ قسم کا میوہ اور روٹ بھرتے ہیں۔ یعنی "ماٹ" بھرتے ہیں۔ پھر رات بھر گھی کے چراغ جلائے جاتے ہیں دوسری صبح ۲۲ رصفر کو منت کرنے والی خواتین کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس کو جو میوہ یا روٹ ہاتھ آیا منت مان کر کھا لیتی ہیں۔ منت پوری ہونے پر دوسرے سال کچے میوے کے ساتھ چاندی کا میوہ بھی چڑھاتے ہیں۔ اب تو چاندی کے میوے کے بجائے نقد لوگ حسب حیثیت پیسے رکھ دیتے ہیں۔

اس مجلس میں تین مرثیے پڑھے جاتے ہیں جو ہر سال پڑھنے والے ہوتے ہیں، وہی پڑھتے ہیں۔ مرثیوں کے بعد حدیث ہوتی ہے۔ پہلے وہاب صاحب کی بیٹی پڑھتی تھیں۔ اب کئی سال سے ان کی نواسی سراج پڑھ رہی ہیں۔ حدیث کے بعد علم عاشور خانے سے باہر لاتے ہوئے "زاری" پڑھتے ہیں اور الاوہ کے اطراف گشت کرتے ہیں۔ پھر علم عاشور خانے میں واپس لے آتے ہیں اور نوحہ و ماتم کرنے کے بعد تمام کرتے ہیں۔

علمدار موسوی کی بہن کے انتقال کے بعد یہ مجلس وہاب صاحب کی بڑی نواسی کے گھر میں منعقد ہوتی ہے جو بہت عقیدت، سلیقے اور ذمہ داری سے ہر سال اپنے گھر میں کر رہی ہیں۔ مگر اخراجات وغیرہ علمدار موسوی کی بیگم سیدہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔[1]

---

[1] یہ معلومات سیدہ علمدار حسین موسوی سے حاصل ہوئیں۔

۲۱ر صفر

سید حسین بلگرامی (عماد الملک) جب مستقل سکونت کے ارادے سے حیدرآباد آنے لگے تو وہاں کے امام باڑہ ''سیدواڑہ'' سے کچھ قدیم علم مبارک بھی اپنے ساتھ لائے۔اس کے علاوہ ان کے یہاں عاشور خانے میں ایک پیتل کا بہت ہی خوبصورت نقاشی کے عمدہ نمونے کا ایک قدیم علم بھی ہے۔ یہ علم انہوں نے حیدرآباد کے کسی ہراج خانے سے حاصل کیا۔کہا جاتا ہے کہ ایک انگریز بھی اس علم مبارک میں دلچسپی رکھتا تھا۔مگر عماد الملک نے اونچی بولی لگا کر وہ علم مبارک لے لیا۔ایک زمانے میں بنجارہ ہلز پر سوائے چند بکھری ہوئی بنجارہ بستیوں کے کوئی آبادی نہیں تھی۔خدیو جنگ بہادر نے کوئی باون (۵۲) ایکڑ زمین خریدی اور اسے ''کریم آباد'' کے نام سے موسوم کیا۔اور یہیں اپنی رہائش کے لئے مکان بھی تعمیر کروایا۔وہاں ایک باؤلی کھدوائی جارہی تھی۔ایک مزدور کو کھدوائی کے دوران پانی کی سطح پر ایک طلائی علم تیرتا ہوا ملا۔اس نے وہ علم نواب خدیو جنگ کو دے دیا۔اسی عاشور خانے میں وہ علم بھی ایستادہ کیا جانے لگا۔باؤلی کے قریب چٹانوں پر کچھ انسانی پنجوں کے نشان بھی نظر آئے۔خدیو جنگ نے اس جگہ کو گھیر کر ایک کمرہ بنوایا جو ''عاشور خانہ'' کے نام سے آج بھی موجود ہے۔

بلگرامی خاندان میں زنانی مجلسوں میں انیسؔ اور دبیرؔ کے سوز' سلام' رباعیاں اور مرثیے تحت اللفظ میں پڑھے جاتے تھے۔نوحوں میں شوکت بلگرامی کے نوحے مقبول تھے۔شوکت کے بعد نجم آفندی کے نوحے بھی پڑھے جانے لگے۔۱۹۳۰ء میں کلثوم مہدی یار جنگ نے ۲۱ ر صفر کی زنانی مجلس کی بناء کی شروع میں یہ مجلس ''کاشانہ'' سدی رسالہ میں ہوتی تھی۔بعد میں ان کی رہائش گاہ ''مہدی منزل'' میں منعقد ہونے لگی۔اس مجلس کے لئے خاص اہتمام اور انتظام کیا جاتا تھا۔بنجارہ ہلز میں روڈ نمبر ایک کی پانی کی ٹانکی سے لے کر ''مہدی منزل'' روڈ نمبر بارہ (۱۲) تک لال مٹی کا مورم بچھایا جاتا۔تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بانس کے بھوگاڑے جاتے جن پر لالٹینیں لگائی جاتی تھیں۔''مہدی منزل'' کے دالان اور در دالان میں سفید چاندنی کے فرش پر جگہ جگہ سوزنیاں بچھائی جاتی تھیں۔آنگن میں شامیانہ نصب کیا جاتا۔اور اس میں بھی شطرنجیوں پر سفید چادریں (چاندنی) کا فرش بچھایا جاتا تھا۔اس طرح خواتین کی کثیر تعداد کی نشست کا انتظام کیا جاتا تھا۔دور سے آنے والی خواتین کو کرایہ سواری دیا جاتا تھا۔مجلس پڑھنے والوں میں گھر کی خواتین کے

علاوہ شاکر علی صاحب کی صاحبزادیاں احمدی بیگم اور زہرا بیگم خاص طور پر آتی تھیں۔ یہ دونوں بہنیں شمالی ہند کی طرزوں میں سوز، سلام مرثیے اور نوحے پڑھتی تھیں۔ حدیث لطیف النساء بیگم پڑھتی تھیں۔ حدیث کے بعد دو اردو نوحے اور ایک فارسی ماتمی نوحہ پڑھا جاتا اور مجلس ختم کی جاتی۔

مجلس ختم ہونے کے بعد گھر کی اوپری منزل پر بڑے ہال اور برآمدوں میں دسترخوان پر حیدرآبادی طرز کے کھانے بطور تبرک کھلائے جاتے تھے۔ اور گھر جاتے وقت مٹی کی صحنکوں میں شیرمال، شکم پور، مولی، پیاز اور پنیر رکھ کر اوپر سے کاغذ لپیٹ کر حصے دیئے جاتے۔

۱۹۸۴ء میں کلثوم بیگم کے انتقال کے بعد ان کی بیٹیوں اور بہو نے مجلس کے اس سلسلے کو جاری رکھا۔ اب یہ مجلس ان کی پوتی طیبہ بلگرامی بیگم سنجر علی خاں کے عاشور خانے میں ہونے لگی ہے۔[1]

۲۱ر صفر

یہ مجلس غلام سجاد اشہر کی چھوٹی بہو تراب النساء بیگم کرتی تھیں۔ تراب النساء بچپن سے یہ مجلس کرتی تھیں۔ اربعین کے دوسرے دن واپسی اہل بیت اطہار کی اس مجلس میں گھر کی خواتین ہی مرثیہ خوانی کرتی تھیں تراب النساء کے علاوہ اشہر کی بیٹیاں بھی مرثیے پڑھتی تھیں۔ حدیث عابدہ بیگم پڑھتی تھیں۔ دو نوحے پڑھے جاتے ماتم پر مجلس ختم ہوتی کرایہ سواری بھی روایت کے مطابق دیا جاتا تھا۔ ابتدا میں اس مجلس میں لوازمات کے ساتھ کھانا کھلایا جاتا تھا۔ پھر شیرمال اور حلوہ سوہن یا شیرمال کے ساتھ شکمپور تقسیم کئے جانے لگے۔

۱۹۶۲ء میں تراب النساء کے انتقال کے بعد یہ مجلس ان کی بڑی بہو کلثوم حمزہ تار ناکہ میں واقع اپنے گھر میں کرنے لگی ہیں۔ عابدہ بیگم کے انتقال کے بعد اس مجلس میں منبر پر شہرت تحت اللفظ مرثیہ پڑھتی تھیں۔ ان کے بعد صغرا بیگم غیور پڑھتی تھیں۔ اب یہ مجلس ذکیہ سلطانہ پڑھتی ہیں۔[2]

---

[1] یہ تفصیل طیبہ بلگرامی مسز سنجر علی خاں سے حاصل ہوئی۔ [2] یہ تفصیل ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئی۔

۲۲ر صفر

حیدرآباد کی قدیم زنانی مجلسوں میں ۲۲ر صفر کی اس مجلس کی اپنی اہمیت ہے اس میں حضرت امام زین العابدینؑ کا پیراہن مبارک اٹھایا جاتا ہے۔

شہید یار جنگ کے والد ڈاکٹر یوسف علی ایرانی النسل اور والدہ مومن بیگم بھونگیر کی رہنے والی تھیں۔ مومن بیگم بھونگیر میں پیدا ہوئیں۔ وہیں پلی بڑھیں' ان کے والد کا نام سید محمد مہدی تھا مگر وہ عام طور پر امانی میاں کہلاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سال بھونگیر میں شدید بارش ہوئی۔ سیلاب کی کیفیت ہوگئی تھی۔ طوفانی بارش اور رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی ایسے میں' کسی نے امانی میاں کے دروازہ پر کھٹکا دیا۔ امانی میاں نے حیرانی کے عالم میں دروازہ کھولا تو دیکھا کہ کوئی گھوڑے سوار اپنے ہاتھ میں ایک بقچہ لئے' کھڑا ہے۔ اس نے وہ بقچہ امانی میاں کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

''اب ہم یہاں سے جارہے ہیں۔ یہ چوتھے امام کا پیراہن ہے ہم اس کی حفاظت نہیں کرسکتے۔ یہ آپ لے لیں۔ آپ اس کی حفاظت کرسکتے ہیں۔''

اور پھر وہ سوار رات کی تاریکی میں گم ہوگیا۔ جب سے انہوں نے صفر کے مہینے میں پیراہن ایستاد کرکے مجلس کی شروعات کیں۔ امانی میاں کی بیٹی مومن بیگم کی شادی حیدرآباد میں ڈاکٹر یوسف علی سے ہوئی۔ شادی کے بعد مومن بیگم چوتھے امام کا پیراہن اپنے ساتھ حیدرآباد لے آئیں اور یہاں انہوں نے مجلس کی بنا کی ڈاکٹر یوسف علی کا مکان منڈی میر عالم میں تھا۔ مکان کے بالائی حصہ میں عاشور خانہ تھا۔ یہ پیراہن ایک بقچہ میں لپیٹ کر لکڑی کے صندوق میں رکھا جاتا تھا۔

۱۹ر صفر کو پیراہن صندوق سے نکال کر ایک کشتی میں رکھتے تھے۔ اور کشتی ایک چوکی پر رکھ دی جاتی تھی۔ چوکی کے چاروں طرف پایوں پر لکڑی کے ڈنڈے ہوتے تھے۔ ان کے اوپر چاندی کے قبہ لگائے جاتے تھے۔ ان کو ''بارہ دری'' کہتے تھے۔ اس پر کالے رنگ کے مخمل پر کارچوبی کام کیا ہوا غلاف اس طرح ڈالا جاتا کہ چاروں طرف سے پردے کھلے ہوئے ہوتے۔ ان مخملی پردوں پر پھولوں کی چادر بھی چاروں طرف سے پردوں کی شکل میں ڈالی جاتی تھی اس طرح ''بارہ دری'' کو پھولوں کی چادر سے ڈھانک دیا جاتا تھا۔

خاندان کے تمام افراد' عورتیں اور مرد اس موقع پر موجود رہتے تھے۔ سب پیراہن کا بوسہ لیتے اور دخیل ہوتے تھے۔ گھر کی خواتین آٹے اور چاندی کی چوکوں میں گھی بھر کر جلانے کے لئے پہلے ہی سے تیار رکھتی تھیں۔ خاندان کے مختلف افراد کے نام سے سلامتی کی چوکیں روشن کی جاتیں۔ سب سے پہلے کھیر کے پیالے بھرے جاتے۔ پھر برتنوں میں سوکھا اور تازہ پھل رکھ کر نذر دیتے۔ مغرب کی اذان کے بعد یکے بعد دیگر چوک روشن کئے جاتے جو رات بھر جلتے رہتے۔ دوسری صبح ان چراغوں کے ''گل'' کو گڑ میں ملا کر چھوٹی چھوٹی گولیاں بنائی جاتیں۔ بیماروں کو منت کر کے خاص طور پر نہار پیٹ یہ گولی کھلائی جاتی اور اس کے ساتھ ہی دہی چاول کھلا دیتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی منت کر کے بھی گولیاں کھائی جاتی ہیں۔

صفر کی ۲۲ رتاریخ کو مجلس ہوتی جس میں خواتین کثیر تعداد میں شریک ہوتیں۔ اس دن صبح سے خواتین کے آنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ ہر ایک اپنی طرف سے منت کی مجلس کرتا تھا۔ جو ''دنگل'' کہلاتا تھا۔ شام کے وقت صاحب خانہ کی طرف سے مجلس شروع ہو جاتی تھی۔ ابتدا میں مجلس میں صرف مرثیے اور نوحے پڑھے جاتے تھے۔ حدیث خوانی نہیں ہوتی تھی۔ خاندان کی قریبی عزیز فخر النساء بیگم تماپوری مرثیہ اور نوحہ پڑھتی تھیں۔ مرثیہ خوانی شروع ہونے کے بعد پیراہن مبارک کی زیارت کروانے کا سلسلہ بند کر دیا جاتا تھا۔ مرثیہ کے بعد نوحہ و ماتم شروع ہو جاتا تھا۔ بارہ دری کے اندر سے پیراہن کی کشتی سر پر رکھ کر صاحب خانہ عاشور خانے سے باہر لاتیں۔ آگے آگے نوحہ خوانی ہوتی تھی۔ ایک مقررہ مقام تک گشت کرنے کے بعد پیراہن کی کشتی عاشور خانے میں واپس لے جائی جاتی۔ یہاں پیراہن کو کشتی میں سے نکال کر کپڑے میں لپیٹ کر لکڑی کے صندوق میں رکھ دیتے تھے۔

مومن بیگم کی زندگی میں جب وہ منڈی میر عالم کے گھر میں رہتی تھیں ایک معجزہ ہوا تھا۔

ایک مرتبہ جمعرات کے دن مغرب کے وقت عاشور خانے میں ہمیشہ کی طرح اگر بتیاں اور موم بتیاں جلائی گئی تھیں۔ گھر کے افراد مکان کے نچلے حصہ میں اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ یکا یک عاشور خانے میں جو مکان کے بالائی حصہ میں تھا' آگ بھڑک اٹھی۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ بڑی مشکل سے آگ بجھائی گئی۔ عاشور خانے کا تمام سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ سب کو پیراہن کی فکر تھی سب سے زیادہ مومن بیگم رو رہی تھیں۔ ڈاکٹر یوسف علی نے بیوی کو سمجھایا کہ اطمینان رکھو وہ پیراہن اگر واقعی چوتھے امام کا ہے تو ہرگز

نہیں جلے گا۔ چنانچہ جس صندوق میں وہ رکھا ہوا تھا وہ بھی جل گیا مگر پیراہن کو دھکہ نہیں لگا۔ یہاں تک کہ جس کپڑے میں وہ لپیٹ کر رکھا گیا تھا اسے بھی کچھ نہیں ہوا۔ اسکے بعد سے پیراہن لکڑی کے بجائے جست کے صندوق میں رکھنے لگے۔

منڈی میر عالم کا گھر فروخت ہو گیا۔ مومن بیگم اپنے عاشور خانہ سمیت اپنے بیٹے مہدی علی شہید (شہید یار جنگ) کے یہاں ''مشہد'' میں آگئیں۔ اور پھر یہیں پیراہن کی مجلس ہونے لگی۔ جب سے ''مشہد'' میں یہ مجلس ہونے لگی یہاں مرثیہ خوانی کے بعد حدیث خوانی بھی شروع کی گئی۔ چنانچہ لطیف النساء بیگم حدیث بیان کرتی تھیں۔ شروع میں تو سب کچھ ٹھیک وقت پر ہوتا رہا۔ لطیف النساء اسکول میں ٹیچر تھیں۔ انہیں اسکول سے مجلس میں آتے آتے دیر ہونے لگی۔ یہ بات شہید یار جنگ کو پسند نہ آئی۔ انہوں نے حدیث خوانی کا سلسلہ بند کروا دیا۔ اور تین مرثیے پڑھوانے لگے اس زمانے کے رواج کے مطابق کرایہ سواری دیا جاتا تھا۔ اور مجلس ختم ہونے کے بعد دستر خوان پر بطور تبرک پر تکلف کھانا کھلایا جاتا تھا۔

ابتدا ہی سے تمام زائرین پیراہن کا بوسہ لیتے اور منت کر کے لال ناڑے باندھتے تھے۔ جس کی وجہ سے پیراہن کا کپڑا بوسیدہ اور تار تار ہونے لگا۔ چنانچہ شہید یار جنگ کے انتقال کے بعد کانچ کا ایک ڈبہ بنوایا گیا۔ اور اس میں پیراہن رکھ دیا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں شہید یار جنگ سخت علیل ہو گئے آصف جاہ سابع عیادت کے لئے تشریف لائے انہوں نے شہید یار جنگ سے پیراہن مبارک کے بارے میں دریافت کیا جس پر انہوں نے جواب دیا کہ وہ انہوں نے اپنے بڑے بیٹے عابد (سعید شہیدی) کو دے دیا ہے۔ کچھ دن بعد شہید یار جنگ کا انتقال ہو گیا اور سعید شہیدی پیراہن کا عاشور خانہ اپنے گھر لے آئے اور یہاں وہ اور ان کی بیوی فاطمہ بیگم ۲۲ صفر کی مجلس کرنے لگے۔ سعید شہیدی کے مکان میں گنجائش کم تھی۔ ۱۹ صفر کو حسب روایت خاندان کے افراد کی موجودگی میں پیراہن ایستادہ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ۲۲ صفر کی مجلس کے لئے نواب عنایت جنگ بہادر کی دیوڑھی ''حسینہ'' میں پیراہن مبارک لایا جاتا جہاں خواتین کی کثیر تعداد مجلس میں شریک ہوتی اور پیراہن اٹھایا جاتا ''حسینہ'' میں جب سے اس مجلس کی بنا ہوئی نفیس النساء بیگم حدیث خوانی کرتی ہیں۔ سعید شہیدی اور ان کی بیوی فاطمہ بیگم کے انتقال کے بعد سعید شہیدی کے فرزند جعفر علی رشید شہیدی اور ان کی بیوی آسیہ جہاں حسب روایت قدیم اس مجلس کے سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔[1]

---

[1] یہ تفصیلات شہید یار جنگ کی صاحبزادی بتول سکندر اعظم سے حاصل ہوئیں۔

۲۴ رصفر

یہ مجلس سید یاور علی خاں کی بیگم زینب بیگم صاحبہ کی بنا کردہ ہے۔ یاور علی خاں کی تین اولادیں رضیہ بیگم، اشرف النساء بیگم اور سید محمد حسین جعفری ناظم تعلیمات تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۴ رصفر کی مجلس کا علم رضیہ بیگم کی منت کا ہے جو حضرت زینب کے نام سے منسوب ہے رضیہ بیگم ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئیں اور اسی سال سے یہ علم ایستادہ کیا جاتا ہے اور حضرت زینب کی مجلس کی جاتی ہے۔ باقر نواز جنگ کی دیوڑھی میں جس مقام پر آج ''دربار حسینی'' کی عمارت ہے وہاں سید یاور علی خاں کا مکان تھا اور اسی مکان میں مجلس ہوتی تھی۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق خاص طور پر رقعے بھجوا کر خواتین کو مدعو کیا جاتا تھا۔ آج کی طرح مجالس کی بنیات نہیں تھی اور نہ ہی اعلانات کروائے جاتے تھے۔ چنانچہ خاد ماؤں کے ہاتھ جن گھرانوں کی خواتین کو مدعو کرنا ہوتا رقعے بھجوائے جاتے تھے۔ جس کو دعوت نامہ جاتا وہی لوگ مجلس میں آتے تھے ورنہ نہیں۔ مدعو بیگمات کے ساتھ چھوکریاں (خادمائیں) ہوتیں، جو اپنے سروں پر نذر کی کشتیاں اٹھائی ہوتیں۔ ایک خاص بات یہ تھی کہ عموماً بیگمات دوسرے گھروں سے آئی ہوئی چھوکریوں کو لالچ دے کر اڑا لیتیں۔ اس کے انسداد کے لئے کوتوال شہر کی جانب سے خفیہ کی ملازمائیں تعین کی جاتیں۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق شکرام، تانگا، جھٹکا اور بگھی وغیرہ کا کرایہ جس میں مدعوئین آتے، ضرور دیا جاتا تھا۔ پردے کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔

مجلس کی ابتدا سوز سلام اور مرثیہ خوانی سے ہوتی۔ مرثیہ خوانوں کی گروہ مقرر تھی۔ اور یہی لوگ پڑھا کرتے تھے۔ اس مجلس میں علی جواد صاحب کا تحریر کردہ مرثیہ ابتدا ہی سے خاص طور پر پڑھا جاتا تھا۔ اور آج بھی اس کا سلسلہ باقی ہے۔ سیدہ جعفری صاحبہ جو اشرف النساء بیگم کی بڑی بیٹی اور ڈاکٹر سید مہدی حسن جعفری کی بیگم ہیں، کہتی ہیں۔

''جب سے میں نے ہوش سنبھالا، اس مجلس میں مولانا ضیاء آغا کی پھوپی صغرا بیگم کو حدیث پڑھتے سنا۔ وہ مصائب کے علاوہ حدیث میں فضائل جناب زینب ضرور پڑھتیں۔ ان کے انتقال کے بعد لطیف النساء بیگم نے حدیث خوانی کی۔ لطیف النسا کی زندگی ہی میں صالحہ موسوی مرحومہ جو سیدہ جعفری کی بہن تھیں حدیث پڑھنے لگی تھیں۔ مرثیہ خوانی کے علاوہ جماعت کے مرثیہ خوان ہی نوحے بھی پڑھتے تھے۔ گھر کے

لوگ نہیں پڑھتے تھے۔حدیث کے بعد نوحے خوانی شروع ہو جاتی۔علم عاشور خانے میں نیزوں سے اتار کر تابوت میں رکھ دیئے جاتے۔اور اس پر کپڑا اڑھا کر پھولوں کی چادر سے ڈھانک کر تابوت کو باہر لایا جاتا ہے۔اور اندر عاشور خانے میں لے جا کر تابوت کو تخت پر رکھ دیتے ہیں۔عباس حسین نامی ایک صاحب کتب خانہ آصفیہ میں ملازم تھے۔ان کی بیوی بہت ہی اعتقاد کی مومنہ تھیں۔دو مہینے آٹھ دن وہ اپنے بالوں میں تیل نہیں لگاتی تھیں۔وہ اس مجلس میں پابندی سے شریک ہوتیں۔شمالی ہند کے اپنے مخصوص لباس میں ''گریبان چاک' بال کھلے ہوئے' حسین' حسین' کہتی ہوئی جوش سے ماتم کرتیں۔اور تابوت پر سے سوکھا میوہ اڑاتی جاتیں۔مجلس ختم ہونے کے بعد تابوت کے تخت کے نیچے تازہ پھلوں کی کشتیاں اور تھال رکھ دیئے جاتے تھے۔جو منت کر کے پھل اٹھاتے' ان کے لئے وہیں بیٹھ کر اسے کھانا ضروری تھا۔اپنے ساتھ گھر لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔دوسرے سال تک منت پوری ہو جاتی تو منتی لوگ چاندی کے پھل کے ساتھ تازہ پھل کی کشتیاں' پھول' اگربتی اور موم بتیوں کے علاوہ مٹھائی کی ٹوکریاں بھی لا کر فاتحہ دلواتے اور چاندی کا پھل علم مبارک پر چڑھا دیتے۔

سیدہ جعفری کہتی ہیں کہ ان کی نانی کے زمانے میں جو چاندی کے پھل چڑھائے جاتے تھے' وہ تمام گلا دیئے جاتے تھے اور ان سے علم مبارک بنائے جاتے تھے۔خواہش مند لوگ علم مانگ کر لے جاتے اور اپنے گھر میں ایستادہ کر لیتے تھے۔اس مجلس کے تبرک کی تیاری بھی بڑے اہتمام سے ہوتی تھی۔اس زمانے میں دس آنے میں ایک سیر بادام ملتے تھے۔کئی سیر بادام منگوائے جاتے۔نواب کمال یار جنگ اور بڑی صاحبزادی کی دیوڑھی اور دوسرے دیوڑھیوں میں بادام بھجواتے تھے۔بادام منہ سے چکھ کر نہیں جانچ سکتے تھے۔سروتے سے کاٹ کر انگوٹھے اور انگلی کی مدد سے تھوڑا لے کر چکھ کر دیکھتے کہ کہیں بادام کڑوا تو نہیں۔ کڑوے بادام الگ کرنے کے بعد باداموں کو بھگو کر چھیتے اور جالیاں بنائی جاتی تھیں۔اس مجلس کا تبرک کچھ اس طرح ہوتا کہ مجلس ختم ہونے کے بعد دستر خوان بچھایا جاتا اس پر تھی' بادام کی جالیاں' سوکھا میوہ' اور تازہ موسمی پھل رکھے جاتے اور مہمانوں کی اس تبرک سے تواضع کی جاتی تھی۔تمام مدعوئیں رخصت ہونے کے بعد گھر والوں کے لئے کھانے کا دستر خوان بچھایا جاتا تھا۔اور اس پر پرتکلف کھانا جو چوتھی کے کھانے کے لوازمات ہوتے' چنا جاتا۔زینب بیگم کی زندگی تک یہی طریقہ رائج تھا۔ان کے انتقال کے بعد رضیہ بیگم یہ مجلس اسی طرح کرتی تھیں جب رضیہ بیگم ہجرت کر کے پاکستان جا رہی تھیں تو ان کی بہن اشرف النساء نے

ان سے یہ علم مجلس لے لی۔ اشرف النساء کے انتقال کے بعد ان کی چھوٹی بیٹی صالحہ موسوی یہ مجلس کرتی تھیں ۔ان کے انتقال بعد اب یہ مجلس سیدہ جعفری کرتی ہیں اشرف النساء اپنی زندگی میں اپنی پوتی زینب بیگم کو یہ مجلس اور علم سونپ گئیں ۔ زینب بیگم نیو جرسی امریکہ میں رہتی ہیں۔ مجلس کے تبرک وغیرہ کے اخراجات بھجواتی ہیں۔ اس کے علاوہ کوئی سو کوئی دو سو روپے جیسی مرضی ہو پھول اور تبرک میں شریک کرتے ہیں۔ اس طرح یہ ایک سو تین (۱۰۳) سالہ قدیم مجلس آج بھی باقر نواز جنگ کی دیوڑھی میں منعقد ہوتی ہے۔ لیکن بدلتے ہوئے حالات اور زمانے کے ساتھ تھوڑی بہت تبدیلیاں ہو گئیں۔ تبرک بدل گیا پہلے جیسے بادام کی جالی کی تخصیص نہیں رہی۔ کرایہ سواری بھی ختم کر دیا گیا۔ رقعوں کی تقسیم بھی بند ہو گئی۔ صرف ایک دو مجلسوں میں اعلان کر دیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود دور دور سے لوگ مجلس میں شریک ہوتے ہیں۔ مرثیہ اور نوحہ خوانی خاندان کی خواتین کرنے لگیں۔ اور حدیث خوانی سیدہ جعفری کرتی ہیں۔ [1]

''ڈولے کی مجلس'' ۲۴ صفر

نواب رضا حسین خاں مرحوم کی سرپرستی میں ایک لڑکی اجالا بی نامی رہتی تھی۔ یہ لڑکی بچپن سے ہوشیار اور ذہین تھی۔ چنانچہ نواب صاحب نے اس کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے اسے میٹرک تک تعلیم دلائی۔ اس زمانے میں خواتین کے لئے میٹرک تک تعلیم حاصل کرنا بہت فخر اور کمال کی بات تھی۔ اجالا بی نے اسکول ٹیچر کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ بدقسمتی سے ان کی شادی نہیں ہو سکی۔ انہیں اپنی بے مقصد زندگی کا شدید احساس تھا۔ وہ بہت ہر دلعزیز' خوش مزاج اور ملنسار خاتون تھیں۔ انہوں نے سوچا کہ نہ ان کی شادی ہوئی نہ کوئی شوہر اور آل اولاد' بھائی بہن بھی نہیں۔ مرنے کے بعد فاتحہ درود کون کرے گا' ان کا نام لیوا تو کوئی نہیں ہے۔ اجالا بی عاشق حسین تھیں۔ مجلس حسین کو اپنا سہارا بنالیا اور ارادہ کر لیا کہ ایک مجلس کی بنا ڈالیں گی تاکہ مرنے کے بعد اس مجلس کے حوالے سے انہیں نہ صرف یاد رکھا جائے گا بلکہ فاتحہ بھی پڑھی جائے گی۔ اسی خیال کے ساتھ وہ آج سے تقریباً پچاس سال قبل اپنی آقازادیوں سے صلاح مشورہ کر کے دو علم مبارک بنوائے ایک علم حضرت زینب کے نام سے منسوب کیا اور دوسرا علم حضرت امام زین العابدین کے نام سے منسوب کیا۔ اس کے علاوہ ایک ڈولا بھی بنوایا۔ ابتدا میں دونوں علم ۲۱ صفر کو الاوہ حضرت علی

---

[1] یہ تمام معلومات محترمہ سیدہ جعفری صاحبہ سے حاصل ہوئی ہیں جو بانی مجلس کی نواسی ہیں۔

اصغر علیہ السلام میں ایستادہ کئے گئے۔ ۲۴ر صفر کو رات کے آٹھ بجے مجلس کر کے علم مبارک اٹھائے جاتے تھے ۔مرثیہ خوانی کے بعد سیدہ بیگم حدیث پڑھتیں اور نوحہ خوانی اور سینہ زنی کے ساتھ دونوں علم باہر لائے جاتے الاوہ کے اطراف گشت کے بعد حضرت زینب کا علم ڈولے میں رکھ دیا جاتا مومنات اپنے کاندھوں پر ڈولا اٹھائے نوحہ پڑھتی ہوئی صدر دالان کی طرف بڑھتیں ڈولے کے ساتھ حضرت امام زین العابدین کا علم بھی ہوتا۔ جو صدر دالان میں لایا جاتا۔ ڈولا دالان میں رکھ دیا جاتا اور چوتھے امام کا علم پھر ایستادہ کر دیا جاتا۔ یہ ایک طرح کی منظر کشی ہے کہ شہزادی زینب کی شہادت کے بعد چوتھے امام مصائب و آلام برداشت کرنے کے لئے یکا و تنہا رہ گے۔

پہلے ہی سال سے یہ مجلس بہت مقبول ہوئی۔ تبرک میں کشمیری چائے تقسیم کی جاتی تھی مومنات کی کثیر تعداد شرکت کرتی اور یوں یہ مجلس "ڈولے کی مجلس" کے نام سے مشہور ہوگئی۔ چار سال تک یہ مجلس حضرت علی اصغر علیہ السلام کے عاشور خانے میں منعقد ہوتی رہی۔ پھر اجالا بی نے اس مجلس کو آقازادی عزیز جہاں بیگم کے آبائی مکان دیوڑھی شوکت جنگ میں منتقل کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد یہ مجلس عزیز جہاں بیگم کے سسرالی مکان عاشور خانہ مہدی صاحب ایرانی گلی میں منتقل ہوگئی۔

زندگی کے آخری دور میں اجالا بی نے یہ مجلس حبیب النساء بیگم کے فرزند تجمل حسین عباس مرحوم کے سپرد کر دی تھی۔ تجمل حسین عباس اپنے مکان میں جو "عزا خانہ قاسم" کے نام سے موسوم ہے یہ مجلس کرنے لگے ۔تجمل حسین عباس کے انتقال کے بعد ان کے فرزندان نے بڑے اہتمام سے اس مجلس کو منعقد کیا اور آج تک یہ مجلس قائم ہے۔ مجلس کے اہتمام پر اجالا بی کے نام پر فاتحہ خوانی بھی کرواتے ہیں۔ ا

۲۵ر صفر

حیدر علی خاں سیشن جج کی بیوی اشرف النساء بیگم نے آج سے تقریباً سو (۱۰۰) سال پہلے حضرت زینب کی اس مجلس کی بنا کی۔ اس مجلس کے منظوم رقعے تقسیم کیے جاتے تھے جو اس طرح کے ہوتے تھے۔

ا۔ یہ معلومات سیدہ سرتاج جعفر عابدی سے حاصل ہوئیں۔

نام اشرف النساء میرابی جانی عرف ہے ۔ سلطان پورہ منزل حیدر ہے میرا گھر
۲۵ ویں صفر کو ہے یکشنبہ بعد ظہر ۔ برپا عزائے ثانی زہرائے خوش سیر

اس مجلس کی تفصیل ان کے بڑے لڑکے اقبال علی خاں کی بیٹی نجیبہ بیگم سے ہمیں معلوم ہوئی ۔ نجیبہ بیگم بہت ضعیف اور سن رسیدہ خاتون ہیں ۔ جتنا بھی انہیں یاد ہے انہوں نے حافظہ پر زور دے کر ہمیں بتلایا ہے ۔

اشرف النساء بیگم اس مجلس میں جو حضرت زینب کے نام سے کی جاتی ہے' علم مبارک بھی اٹھاتی تھیں ۔ ابتداء میں عابد علی کرکٹر کی والدہ لاڈلی بیگم سوز و مرثیہ پڑھتی تھیں ۔ لطیف النساء بیگم کی ذاکری کے بعد نوحہ خوانی شروع ہو جاتی اور علم مبارک اٹھایا جاتا تھا ۔ ایک نوحہ اشرف النساء بیگم کی بھتیجی بگو بیگم ضرور پڑھتی تھیں ۔ اس مجلس میں خواتین بہ کثرت شریک ہوتیں ۔ ایک اندازے کے مطابق پانچ سو سے زیادہ تبرک تقسیم ہوتا تھا ۔ تبرک میں چاندی کی تشتری میں ایک کھی' ایک موز اور پیسٹری دی جاتی تھی ۔ مجلس شروع ہونے سے پہلے آنے والوں کو کشمیری چائے بھی پلائی جاتی تھی ۔ اس کے علاوہ کرایہ سواری دیا جاتا تھا اس دور میں شکرام' تانگے' بگھی' جھٹکے اور ٹیکسیوں میں خواتین آتی تھیں ۔ باہر کے لوگ چلے جانے کے بعد خاندان کے مرد و خواتین کو کھانا کھلاتے تھے ۔

اشرف النساء بیگم کے انتقال کے بعد ان کے بڑے لڑکے اقبال علی خاں کی بیوی زینب بیگم عاشورہ اپنے ساتھ لے آئیں ۔ چونکہ ''حیدر منزل'' فروخت ہو گیا تھا اور زینب بیگم نے مہدی پٹنم میں سکونت اختیار کر لی تھی' اسی لئے زینب بیگم نے یہاں اپنی ساس کا عاشور خانہ منتقل کر کے مجلسوں کا سلسلہ شروع کیا ۔ لیکن اشرف النساء بیگم کے دوسرے فرزند وزارت علی خاں کی بیوی ذکیہ بیگم نے زینب بیگم سے حضرت زینب کا علم لے لیا اور خود ۲۵ / صفر کو مجلس کر کے علم اٹھانے لگیں ۔ ذکیہ بیگم کے انتقال کے بعد ان کی لڑکی زینب طاہر اب وہی مجلس ۲۵ / صفر کے بجائے ۲۳ / صفر کو کر کے علم مبارک اٹھاتی ہیں ۔

---

۲۹ / صفر

حیدرآباد کی قدیم مجلسوں میں آغا شیخ یار علی کی بیٹی بشیر النساء کی یہ مجلس بھی شمار کی جاتی ہے جو تقریباً سو

(۱۰۰) سال پرانی ہے۔ اس مجلس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ آغا شیخ یاور علی کی بیٹی اپنی شادی سے پہلے ہی سے یہ مجلس کرتی تھیں۔ شیخ یاور علی کا گھر ''یاور منزل'' خیریت آباد ریلوے اسٹیشن کے پاس تھا۔ وہیں یہ مجلس ہوتی تھی۔ بشیر النساء کی شادی ہمایوں علی بیگ سے ہونے کے بعد بھی عرصہ تک ''یاور منزل'' ہی میں یہ مجلس ہوتی تھی۔ ''یاور منزل'' فروخت ہونے کے بعد مختلف گھروں میں یہ مجلس ہوتی رہی۔ آخر میں ''وائیٹ ہاؤز'' میں ہونے لگی جو ہمایون علی بیگ نے اپنی رہائش کے لئے بنوایا تھا اس مجلس کی دعوت کے منظوم رقعے تقسیم کئے جاتے تھے۔

صفر کی ہے انتیس اور وقت عصر | بپا مجلس شاہ یزداں نبی ؑ
ہے شرکت کی خواہاں بصد التماس | بشیر النساء بنت یاور علی

اس مجلس میں بشیر النساء خود آخر عمر تک مرثیہ پڑھتی تھیں۔ لطیف النسا حدیث پڑھتی تھیں۔ نوحہ خوانی و ماتم شمیم نعیم عباس اپنے گروہ کے ساتھ کرتی تھیں۔ [۱]

---

۲۹ صفر

مہدی حسین سرکل انسپکٹر کے یہاں کالی مسجد کے محلہ میں حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی مجلس منعقد ہوتی ہے۔ اس مجلس میں امام حسن مجتبیٰ کی ضریح مبارک اٹھائی جاتی ہے۔ ضریح مبارک کے سامنے پانچ یا سات قسم کا میوہ رکھتے تھے۔ اور مجلس ختم ہونے کے بعد لوگ مختلف منت مان کر میوہ کھاتے تھے اس مجلس میں حلوہ سوہن تقسیم کرتے تھے اور شب دیگ اور روٹی کھلاتے تھے۔ یہ تقریباً سو (۱۰۰) سال پرانی مجلس ہے۔ یہ مجلس آج بھی ہوتی ہے۔ آل حسین غلجی عرف قائم میاں اس مجلس کو کیا کرتے تھے۔ اب یہ ضریح مہدی حسین صاحب کی بیٹی رباب النساء کے پاس ہے۔ اس مجلس میں مہدی بیگم حدیث خوانی کرتی تھیں۔ ان کے بعد بیبو بیگم مرحومہ پڑھتی تھیں۔ [۲]

---

[۱] یہ مختصر تفصیل بشیر النساء کی بڑی صاحبزادی بتول سیدہ محمد سجاد سے حاصل ہوئی۔ [۲] یہ معلومات ہدایت بیگم مرثیہ خوان سے حاصل ہوئیں۔

۸ربیع الاول

عاشور خانہ ''آستانہ عسکری'' میں ۸ربیع الاول کو زنانی مجلس ہوتی ہے اس کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ کسی زمانے میں وہاں چٹیل میدان تھا۔ اس پر ایک بڑا کمرہ اور دوسرا درمیانی سائز کا کمرہ تھا جس کی مالکہ ایک ضعیف خاتون تھیں۔ اس کے علاوہ اس میدان پر چھوٹے بڑے کمرے گھروں کی طرح تھے۔ بڑا کمرہ عاشور خانہ تھا اور دوسرے کمرے میں وہ ضعیفہ رہتی تھیں۔ ڈاکٹر رضا خاں نے جب ان سے اس جائیداد کو خریدنے کی خواہش کی تو انہوں نے یہ شرط رکھی کہ انہیں اس عاشور خانہ سمیت لینا ہوگا۔ اور اس مقام سے کبھی بھی کسی صورت میں یہ عاشور خانہ ہٹایا نہیں جانا چاہیے۔ ڈاکٹر رضا نے ان کی شرط منظور کرلی اور ان سے ان کی جائیداد معہ عاشور خانہ خریدی۔ چھوٹے بڑے تمام کمروں کو منہدم کرکے اس مقام پر ایک بڑا عاشور خانہ اور اپنی رہائش کے لئے کشادہ مکان تعمیر کروایا۔ یہ کوئی پچھتر یا اسی سال پہلے کی بات ہوگی۔ اس عاشور خانے میں جملہ بائیس علم ہیں۔ جن میں گیارہ اماموں کے علموں کے علاوہ حضرت عباسؑ حضرت قاسم اور دیگر شہدا کے نام سے منسوب علم ہیں۔ یہ علم محرم کی پہلی تاریخ کو ایستادہ کئے جاتے۔ اور پہلے دہے (عشرہ) کی مجلسوں کے علاوہ دو مہینے آٹھ دن ہر روز مجالس ہوتیں۔ تمام علم ۸ربیع الاول کو اٹھائے جاتے۔ سلام اور مرثیے سے مجلس کی ابتدا ہوتی۔ حدیث خوانی کے بعد تمام علم اٹھا کر عاشور خانے سے دالان میں لاتے اور پھر صحن میں ایک گشت کرکے دالان سے واپس ہوتے ہوئے عاشور خانے میں لاکر تخت پر لٹا دیئے جاتے۔ نوحوں اور ماتم پر مجلس ختم کی جاتی تھی۔

۷ربیع الاول کو شام میں مردانی مجلس ہوتی۔ اور حاضری مبارک کھلائی جاتی تھی۔ یہ علم معجزے کے کہے جاتے ہیں۔ عاشور خانے میں نومولود بچوں اور بیماروں کے کپڑے (لباس) ''ضمانت'' کے طور پر رکھے جاتے ہیں۔ سال بھر تک کپڑے مولا کے یہاں عاشور خانے میں ''رہن'' رہتے ہیں۔ دوسرے سال صحت ہونے پر کپڑے واپس لے جاتے ہیں۔ اگر چاہیں تو دوسرا جوڑا بطور ضمانت رکھا جاتا ہے۔ ۸ربیع الاول کو عاشور خانے میں ایک کٹوری میں ''مسی'' رکھی جاتی ہے۔ مجلس ختم ہونے کے بعد کنواری لڑکیوں کو منت کرکے 'مسی' لگائی جاتی ہے۔

ایک سال محرم کے مہینے میں ڈاکٹر رضا خان کے گھر کے تمام افراد بیمار پڑ گئے۔ کسی کو ٹائفائیڈ تو کسی کو

کوئی اور بیماری۔ ڈاکٹر رضا خاں کی بیوی نے سر شام عاشور خانے کی طرف رخ کر کے دعا کی "بی بی میں کیسے مجلس کروں۔ سب بیمار پڑے ہیں۔ آج آپ ہی آ کر مجلس کر لیجئے۔ مجھ سے تو ممکن نہیں ہے۔" اور خود عاشور خانے کے سامنے دالان میں بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آٹھ دس سیاہ پوش خواتین گھر میں داخل ہو کر ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتے ہوئے 'عاشور خانے' کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئیں اور مجلس کرنے لگیں۔ مجلس ختم کر کے یکے بعد دیگرے جس طرح آئی تھیں واپس جانے لگیں۔ سب کے چہروں پر نقاب تھے جب آخری خاتون عاشور خانے سے باہر نکل کر دروازہ بند کر کے جانے لگیں تو انہوں نے ان بی بی سے مخاطب ہو کر پوچھا "آپ کون ہیں؟ جو آئیں بھی' مجلس بھی کی اور واپس چلی بھی جا رہی ہیں۔" ان بی بی نے کہا "آپ پکارتی بھی ہیں اور پوچھتی بھی ہیں کہ کون ہیں۔ وہ اندر تبرک رکھا ہے آپ کھائیں اور سب کو کھلائیں۔" ڈاکٹر رضا خاں کی بیوی نے دیکھا کہ مٹی کے ایک پیالے میں گلاب جامن بھرے ہوئے رکھے ہیں۔ انہوں نے خود کھایا اور دوسروں کو بھی دیا۔ دوسرے دن وہ پیالہ پھر گلاب جامن سے بھرا ہوا تھا۔ اس طرح تین دن تک یہی ہوتا رہا۔[1]

ایک روایت کے مطابق یہ علم مبارک ایک ضعیف خاتون کو باؤلی میں سے ملے تھے۔ جو اسی میدان میں رہتی تھیں اور باولی بھی وہیں تھی۔ ڈاکٹر رضا خاں ان کے کرایہ دار تھے۔ ڈاکٹر رضا خاں نے ان ضعیف خاتون سے ان کی جائیداد خریدنے کی بات کی تو ان بی بی نے اپنی جائیداد کے سارے کاغذات ان کے حوالے کر دیئے اور کہا "یہ سب تم لے لو۔ جب تک میں زندہ ہوں تم میرے سارے اخراجات برداشت کرنا۔"[2]

اس عاشور خانے کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ ۱۹۰۸ء کی طغیانی کے وقت ایک ضعیف خاتون کو علموں کا صندوق ملا تھا۔ اس میں یہی علم تھے۔ ان ضعیف کو "شملے والی بی بی" پکارتے تھے۔ وہ سفید کرتا اور سفید پاجامہ پہنتی تھیں۔ اور سفید کھڑا دوپٹہ اوڑھتی تھیں۔ اسکے علاوہ سر پر سفید شملہ باندھتی تھیں اور شملہ کے کپڑے کا بڑا حصہ پشت پر چھوڑتی تھیں۔ ان کی پیشانی بہت کشادہ اور چہرہ بہت بڑا تھا۔ جو عام طور پر عورتوں کا نہیں ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس عاشور خانے میں "دہے" کی مجلس ختم ہوتے ہی تبرک کے ڈھیر کے ڈھیر 'کبھی جلیبی کے' کبھی لڈو اور کبھی گلاب جامن کے' خود بخود آجاتے تھے۔ ہر روز ایک اشرفی بھی علموں کے تخت کے نیچے رکھی ہوتی تھی۔ جس سے ان کی گزر بسر ہوتی تھی۔ ان کو تاکید کی گئی تھی کہ اشرفی

---

[1] یہ تفصیلات ڈاکٹر رضا خاں کی نواسی ثریا بیگم سے حاصل ہوئیں۔ [2] یہ روایت مہدی بیگم نے بیان کی جو ثریا بیگم کی نند ہیں۔

والی بات کسی کو بتائی نہ جائے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے عاشور خانے میں ''ڈبے'' کی مجلس میں آنے والوں کو اشرفی والی بات کا پتہ چل گیا۔ اور پھر اشرفی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ لیکن تبرک کے ٹوکرے ہر روز مجلس کے بعد آجاتے تھے۔ [۱]

۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر مصطفیٰ علی زیدی نے ''آستانہ عسکری'' خرید لیا اور وہ ساری شرطیں جو ڈاکٹر رضا خاں نے بتلائی تھیں' اس کی پابندی آج بھی کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر رضا خاں کے خاندان والوں نے یہ بھی تاکید کی کہ علموں پر ہمیشہ سفید ڈھٹیاں باندھی جائیں اور فرش عزا بھی سفید بچھایا جائے۔

محرم کی چاندرات کو علم ایستادہ کیے جاتے ہیں۔ دو مہینے آٹھ دن تک ہر روز مجلس کی جاتی ہے۔ سارے علم ۸ ربیع الاول کو اٹھائے جاتے ہیں۔ گھر والوں کی طرف سے ربیع الاول کی پہلی تاریخ کو علموں پر گود چڑھائے جاتے ہیں اسی دن سے لوگ منت کر کے گود لے جانے لگتے ہیں۔ اور جن کی منت پوری ہوتی ہے' وہ اپنی طرف سے گود چڑھاتے ہیں۔ یہ سلسلہ ۷ ربیع الاول تک جاری رہتا ہے۔ ۷ ربیع الاول کو مردانی مجلس ہوتی ہے۔ قدیم رواج کے مطابق بیماروں اور نومولود بچوں کے کپڑے ''ضمانت'' میں رکھے جاتے ہیں۔ ۸ ربیع الاول کی صبح سے منتیوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے جو نذر چڑھاتے اور مجلس کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ شام کے چار بجے تک جاری رہتا ہے۔ اس کے بعد گھر کی مجلس شروع ہو جاتی ہے۔ اس مجلس میں ایک مرثیہ بشیر جعفری اور دوسرا مرثیہ خاندان کی کوئی خاتون پڑھتی تھیں۔ بشیر جعفری امریکہ منتقل ہو جانے کے بعد دونوں مرثیے گھر کی خواتین ہی پڑھتی ہیں۔ ابتدا سے حدیث خوانی اصغری بیگم کرتی ہیں۔ گیارھویں امام کی شہادت کی تاریخ کی مناسبت سے مجلس ان ہی کے حال کی برپا ہوتی ہے۔ حدیث ختم ہوتے ہی نوحے پڑھتے ہوئے علم عاشور خانے سے باہر لا کر دالان سے صحن میں لے جاتے ہیں۔ اور پھر دالان کے دوسرے حصہ سے واپس عاشور خانے میں لا کر لٹا دیے جاتے ہیں۔ اور سفید چادر اڑھادی جاتی ہے'' آستانہ عسکری'' کی گیٹ کے پاس آج بھی وہ پتھر نصب شدہ ہے جس کے قریب طغیانی کی باڑھ میں بہتا ہوا علموں کا صندوق آکر ٹھہر گیا تھا۔ آج جس مقام پر'' آستانہ عسکری'' کی گیٹ کی بائیں جانب گراج ہے' وہیں وہ ''ٹھلے والی بی بی'' بیٹھی رہتی تھیں۔ [۲]

---

[۱] [۲] یہ تفصیلات زینب یوسف عباس سے حاصل ہوئیں۔

۱۳/ جمادی الاول

زاہدہ بیگم بنت مرزا غلام سجاد اشہر نے ۱۳/ جمادی الاول کو جناب فاطمہ زہرا کی مجلس کی بنا ڈالی۔ اپنی بہنوں کے ساتھ ہی زاہدہ بیگم نے اس مجلس کا آغاز کیا۔ جناب فاطمہ کا علم مبارک اٹھایا جاتا۔ ابتدا میں دو مرثیے پڑھے جاتے منبر پر تحت اللفظ مرثیہ مرزا علی جعفر کا پڑھا جاتا دوسرے نوحہ پر علم مبارک اٹھا کر الاوہ کے اطراف گشت کر کے واپس عاشور خانے میں لا کر لٹا دیا جاتا۔ سفید چادر اڑھا کر آخری نوحہ "ہائے ہائے" پڑھا جاتا۔ فارسی نوحہ پر ماتم کر کے مجلس ختم کی جاتی۔

اس مجلس میں صرف ایک مرثیہ دبیر کا پڑھا جاتا۔ اور باقی مرثیہ اور نوحے مرزا علی جواد و علی جعفر ہی کے پڑھے جاتے ہیں عابدہ بیگم کے بعد شہرت وصغرا بیگم پڑھتی رہیں۔ ۱۹۷۷ء میں زاہدہ بیگم کا انتقال ہوا۔ اب یہ مجلس ان کی بہو سلطانہ بیگم کرتی ہیں اور ذاکری ان کی بڑی بہن سیدہ بیگم کرتی ہیں۔ ماتم بھی "گروہ زینب" کی آمنہ خانم اور شاہانہ کرواتی ہیں۔ کرایہ سواری دیا جاتا ہے۔ تبرک میں روٹی تقسیم کی جاتی تھی اب ترکاری کی بریانی کھلائی جاتی ہے۔ منت کے لے جناب سیدہ کے نام کی سبز رنگ کی چوڑیاں رکھی جاتی ہیں کنواری لڑکیوں کو شادی کی منت کر کے چوڑیاں پہنائی جاتی ہیں۔ سہاگن بھی سہاگ کے قائم رکھنے کی منت سے چوڑیاں اٹھاتی ہیں۔ اب تو ہر قسم کی منت کر کے چوڑیاں اٹھائی جاتی ہیں۔ [۱]

۱۳/ اور ۱۴/ جمادی الاول

شوکت جنگ اول کے فرزند نواب حسین علی خاں کی اہلیہ جعفری بیگم المعروف بہ جعفر اماں اس مجلس کی بانی ہیں یہ مجلس تقریباً ایک سو بارہ سال قدیم ہے۔ ایک رات جعفر اماں نے خواب دیکھا کہ ان کی ڈیوڑھی کے دالان میں ایک تابوت رکھا ہے اور بہت ساری جانی پہچانی سیدانیاں اس تابوت کے اطراف بیٹھی ہوئی ہیں۔ انہوں نے اپنے اس خواب کی تعبیر عالم وقت سے دریافت کی۔ عالم وقت نے تعبیر دی کہ وہ خاتون جنت شہزادی کونین جناب سیدہ کا تابوت انھی جانی پہچانی سیدانیوں ہی سے ایستادہ کروائیں۔ خاتون جنت کی مجلس منعقد کر کے تابوت اٹھائیں اور دوسرے دن جناب سیدہ کی نذر کر کے ان ہی سیدانیوں کو کھلائیں۔

---

[۱] یہ تفصیل ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے ملی ہے۔

۱۳۱۱ھ میں جعفراماں نے نہایت عقیدت اور احترام سے اس مجلس کی بنا ڈالی اپنے نندوئی سید محمد مہدی خاں کے مشورے سے ضریح مبارک تیار کروائی۔ ضریح مبارک کی ایستادگی، مجلس عزا اور نذر کا سارا کام احتراماً سیدانیوں کے سپرد کر دیا اور خود دوسرے تمام امور انجام دیتی تھیں۔ تمام سیدانیوں کو چار دن تک اپنے یہاں مہمان رکھتیں اور ان کی خوب خاطر مدارات کرتی تھیں۔ نواب حسین علی خاں کا انتقال نوجوانی میں ہو گیا تھا۔ جعفراماں کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لئے جعفراماں کے انتقال کے بعد اس مجلس و ضریح مبارک کی خدمت و ذمہ داری حسین علی خاں کی بھتیجی عزیز جہاں بیگم زوجہ نواب سید محمد کاظم خاں کے سپرد ہوئی۔ پھر عزیز جہاں بیگم نے جب تک وہ زندہ رہیں نہایت خوش اسلوبی اور اعتقاد سے اس ذمہ داری کو پورا کیا۔ عزیز جہاں بیگم نے ۱۹۶۴ء میں یہ مجلس اور ضریح مبارک اپنے والد کی ڈیوڑھی واقع یاقوت پورہ سے اپنے سسرالی مکان ''عاشور خانہ مہدی'' ایرانی گلی میں منتقل کر دی آج تک یہ مجلس اسی عاشور خانے میں منعقد ہوتی ہے۔

۱۴ ربجمادی الاول کی صبح سے خواتین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے لیکن رات کے نو بجے سے خواتین بکثرت آنے لگتی ہیں اور نذری مجالس کا آغاز ہوتا ہے' جو رات کے تین بجے تک جاری رہتا ہے۔ پچاس سال پہلے اس مجلس کو رضیہ بیگم ذاکرہ المعروف بہ کربلائی بی مخاطب کرتی تھیں۔ ان کے انتقال کے بعد ذاکرہ سیدہ بیگم نے دس یا بارہ سال کی عمر میں اس مجلس سے اپنی حدیث خوانی کی ابتدا کی نذری مجلسوں کا سلسلہ رات کے نو بجے سے تین بجے تک جاری رہتا ہے۔ اس درمیان میں رات کے گیارہ بجے ڈاکٹر ذکیہ تقی شہزادی کونین کے فضائل بیان کرتی ہیں۔ اس کے بعد رات کے دو بجے اختر محمدی بیگم بیان کرتی ہیں۔

اس مخصوص اور قدیم مجلس کو احمدی بیگم مرحومہ' صالحہ موسوی مرحومہ نفیس بیگم (حال مقیم امریکہ) سیدہ مہدی جعفری (حال مقیم امریکہ) نے بھی مخاطب کیا تھا۔ رات کے تین بجے نذری مجلسوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ اور عاشور خانے کی مجلس کا آغاز ہوتا ہے۔ سیدہ ذکیہ فاطمہ اور رشید النساء بیگم کی مرثیہ خوانی کے بعد سیدہ بیگم خاتون جنت کے مخصوص مصائب بیان کرتی ہیں۔ حدیث کے بعد رات کی تاریکی میں ضریح مبارک اٹھائی جاتی ہے۔ رشید النساء بیگم اپنا مخصوص بیبیہ نوحہ پڑھتی ہیں۔ شدت رقت و گریہ سے ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ سیدانیاں ہی ضریح مبارک پر چادر اڑھا دیتی ہیں اور نماز صبح سے کچھ دیر پہلے مخصوص نوحہ و ماتم شروع ہو جاتے ہیں۔ شدید گریہ و زاری پر مجلس کا اختتام ہوتا ہے۔ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد تبرک کھلایا جاتا ہے اس طرح ۱۵ ربجمادی الاول کی نماز صبح تناول تبرک کے بعد پرسے کی مجلس

منعقد ہوتی ہے اس مجلس میں ساجدہ سلطانہ پسران شہزادی کونین کی خدمت میں پرسہ پیش کرتی ہیں۔

۱۶ رجمادی الاول کو جناب سیدہ خاتون جنت کی نذر کی جاتی ہے جس کو "صحنک کی نذر" کہتے ہیں یہ نذر صرف سیدانیوں کے لئے مختص ہوتی ہے۔ ایک سو بارہ سال قدیم مجلس آج بھی اسی اہتمام اور انتظام سے قائم ہے۔ اب یہ مجلس سیدہ سرتاج جعفر عابدی اسی خوش اسلوبی سے منعقد کرتی ہیں۔[1]

---

۲۰ ررمضان

۲۰ ررمضان کو رات میں افطار کے بعد مردانی مجلس ہوتی ہے۔ اس کے فوراً بعد زنانی مجلس ہوتی ہے۔ سید آغا صاحب قبلہ (سید نثار حسین) کی والدہ جہاں پرور بیگم اس مجلس میں مرثیہ خوانی کرتی تھیں۔ مرثیہ تقریباً ڈیڑھ سو بند پر مشتمل ہوتا تھا۔ اگر کوئی مرثیے کو مختصر کرنے کے لئے کہتا تو وہ جواب دیتیں۔

"جس وقت میں مرثیہ شروع کرتی ہوں تو شہزادی مجلس میں شرکت کے لئے نکلتی ہیں۔ ان کی سواری آنے سے پہلے میں مرثیہ کیسے ختم کرسکتی ہوں۔"

چنانچہ وہ پورا مرثیہ پڑھتی تھیں۔ جہاں پرور بیگم کی دو بیٹیاں خیرالنساء اور نورالنساء تھیں۔ خیرالنساء عالمہ تھیں۔ فقہی مسائل پر انہیں عبور حاصل تھا۔ حیدرآباد میں یہ واحد ہستی ہیں جو عورتوں کی نماز جماعت کی "امامت" کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ وہ مجلسوں میں ذاکری کرتی تھیں اور منبر سے زیادہ تر عورتوں کے فقہی مسائل بیان کرتی تھیں۔ ان کے خاندان کی مجلسوں میں زیادہ تر مرثیے جہاں پرور بیگم پڑھتیں۔ اور حدیث خیرالنسا بیگم پڑھتی تھیں۔ نوحہ خوانی بھی جہاں پرور بیگم کی ہوتی تھی۔ اور یہ ضروری تھا کہ مجلس میں موجود تمام خواتین' جہاں بھی وہ بیٹھی ہوتیں' وہیں سے جواب بھی دیں اور ماتم بھی کریں۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مجلس میں مومنات کی تعداد کم تھی۔ ان کو نوحے میں جواب دینے والوں کی کمی محسوس ہوئی۔ انہوں نے نوحہ پڑھتے ہوئے درمیان میں رک کر دعا کی کہ اللہ انہیں اتنی اولاد عطا کرے کہ باہر سے آنے والوں کی ضرورت نہ رہے۔ ان کی دعا قبول ہوئی۔ اور ان کی نسل میں لڑکیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ آج خاندان والوں سے دالان بھر جاتا ہے اور سب اپنی اپنی جگہ سے ماتم بھی کرتے ہیں اور مرثیے اور نوحے کو جواب بھی دیتے ہیں۔[2]

---

[1] یہ تفصیل سیدہ سرتاج جعفر عابدی سے حاصل ہوئی۔ [2] یہ معلومات ڈاکٹر ریاض فاطمہ نے فراہم کیں۔

۲۰؍رمضان

نواب عنایت جنگ کے یہاں کی قدیم زنانی مجالس کے بارے میں ان کے پوتے اصغر حسین خاں سے ربط پیدا کیا گیا تھا۔ انہوں نے انگریزی میں ایک مختصر سا نوٹ بھجوایا۔ اس کا ترجمہ ہے۔

''دکن کی سب سے قدیم مجلس نواب تہور جنگ رکن الملک کے دیوڑھی میں ۱۳۰۹ھ میں ۲۰؍رمضان کو حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں ہوتی تھی۔ جو آج ''حسینہ'' دیوڑھی نواب عنایت جنگ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اربعین کی مجلس بھی اس دیوڑھی کی قدیم مجلسوں میں سے ایک ہے۔ چار خواتین کو خاص طور پر سوز و مرثیہ خوانی کی تعلیم دلائی گئی تھی۔ جن کے نام سکینہ بی بی، حسینی بی بی، پاپا بی بی اور عباس بی بی تھے۔ ان مجلسوں میں دوسرے اور بھی مرثیے پڑھے جاتے تھے مگر ''محشر کی صبح آج نمایاں ہے شام میں'' اور ''جب محفل یزید میں داخل حرم ہوئے'' زیادہ پڑھے جاتے تھے۔ یہ مجلسیں عام طور پر دیوڑھی کے پچھلے حصہ میں زنانی عاشور خانے میں ہوتی تھیں۔''[1]

۲۰؍رمضان کی مذکورہ مجلس کی مزید تفصیل نواب عنایت جنگ کی بہو اشرف النساء بیگم سے حاصل ہوئی ہے وہ کہتی ہیں۔

''۲۰؍رمضان کی یہ مجلس مولا مشکل کشا کی شہادت کے سلسلے میں منعقد ہوتی ہے۔ اس مجلس میں ضریح مبارک اٹھائی جاتی ہے۔ شام سے ہی مراد والوں کی آمد کا سلسل شروع ہو جاتا ہے جو رات دیر گئے جاری رہتا ہے۔ آنے والوں کی مجلسیں رات بھر ہوتی ہیں۔ گھر کی مجلس شروع کرنے سے قبل تمام لوگوں کو پہلے سحر کروائی جاتی ہے۔ اس کے بعد مجلس شروع ہوتی ہے۔ سوز، سلام اور مرثیہ خوانی کے بعد ضریح مبارک اٹھائی جاتی ہے۔ اور صبح کی اذاں کے وقت سے کچھ پہلے ضریح گشت کروائی جاتی ہے۔ ماتم ہوتا ہے اور مجلس ختم کی جاتی ہے۔ اس مجلس کا ایک معجزہ ہے۔ لطیف النساء بیگم ذاکرہ کی والدہ ایک سال سخت علیل تھیں۔ انہیں کچھ ''پھوڑا'' ہو گیا تھا۔ انگریز ڈاکٹر کا علاج تھا۔ اس نے آپریشن تجویز کیا اور ۲۲؍رمضان کو آپریشن کی تاریخ بھی مقرر کر دی۔ اس بیمار خاتون نے مجلس میں شریک ہو کر اپنے لئے دعا مانگی۔ ۲۲؍رمضان کو جب وہ ڈاکٹر کے پاس گئیں تو اس نے معائنہ کے بعد کہا کہ آپریشن کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح انہیں صحت ہو گئی۔ تب سے لطیف النساء بیگم اس مجلس میں حدیث خوانی کرنے لگیں۔''[2]

---

[1] یہ معلومات نواب عنایت جنگ کے پوتے اصغر حسین سے حاصل ہوئیں۔ [2] یہ تفصیل نواب عنایت جنگ کی بہو اشرف النساء بیگم سے حاصل ہوئی۔

بہرام الدولہ کی دیوڑھی کی مجالس

''عابد علی سوز خواں لکھنو کے قدیم سوز خواں تھے۔ حیدرآباد میں نواب بہرام الدولہ کے پاس برسوں ملازم تھے۔ ان کی دو بہنیں بھی اعلیٰ درجہ کی سوز خوانی کرتی تھیں۔ جب حیدرآباد میں آئیں تو تراب خاں مرثیہ خواں کے گھر میں مہمان رہیں۔ اور تراب خاں صاحب نے محل نواب مکرم الدولہ کی خدمت میں ذکر کیا کہ عابد علی خاں صاحب سوز خواں کی دو بہنیں لکھنو سے آئی ہیں۔ اور بہت اچھی سوز خوانی کرتی ہیں۔ سرکار ضرور ان کی سوز خوانی سماعت فرمائیں۔ حضرت بیگم صاحبہ نے یاد فرما کر اپنے گھر کی مجالس پڑھوائیں۔ اور بڑی عزت و وقعت سے کچھ دن کے بعد رخصت کیا کہ تمام لکھنو میں بیگم صاحبہ کی اس عزت افزائی کا بڑا شہرہ ہو گیا۔ اس کے بعد اکثر مسمات اسی زمرہ کی آئیں۔ ان کے ساتھ بھی بہت سلوک و سلوک کیا گیا۔ پھر ایک زمانے تک میر انیس صاحب مرحوم کی صاجزادی منجھلی بیگم صاحبہ آئیں۔ اور کئی سال تک مجالس پڑھتی رہیں۔ ان کے مجالس میں ہزارہا عورتیں آتیں اور خوب مجمع ہوتا تھا۔ اور بڑی اچھی مجالس پڑھتی رہیں۔ ان کی پیش خوانی میں بیگم صاحبہ کی خادمائیں اور منی بیگم صاحبہ لکھنوی سوز خوانی کرتی رہیں۔ یہ مجالس زنانی حیدرآباد میں یادگار ہیں۔ ہزار ہا روپے کے اخراجات ہوتے تھے۔''[1]

فخر الملک کے یہاں کی زنانی مجلس

نواب فخر الملک بہادر کے زمانے میں مردانی مجالس خاص اہتمام سے منعقد کی جاتی تھیں۔ خود نواب صاحب اور ان کے تمام افراد خاندان باادب اعتقاد اور خلوص کے ساتھ مجلس میں شریک ہوتے۔ نعل مبارک کا علم انتہائی عقیدت سے اٹھایا جاتا تھا۔ اور گشت کے بعد جب علم ٹھنڈا کر کے کشتی میں رکھ کر لایا جاتا تو فخر الملک بصد احترام وہ کشتی لے کر تخت پر رکھتے۔ ان مردانی مجالس میں لکھنو کے مدعو سوز خواں و مرثیہ خواں' مرثیہ خوانی کرتے۔ بیس بیس افراد پر مشتمل تین ماتمی دستے یکے بعد دیگر نوحے پڑھتے اور ماتم کرتے۔

فخر الملک بہادر کی بیگم صاحبہ کا نام منیر النساء بیگم تھا۔ یہ بھی عقیدت مند مومنہ تھیں۔ لکھنو سے خاص طور پر دو سوز خوان خواتین عالیہ بیگم اور منی بیگم حیدرآباد آئی تھیں۔ ان کی رسائی منیر النساء بیگم کے محل تک ہوگئی جہاں یہ ان کے مصاحبین میں داخل کر لی گئیں یہ دونوں اپنی خوش گلوئی کے لئے مشہور تھیں چنانچہ دیوڑھی کی زنانی مجلسوں میں بھی نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ مردانی مجلس ختم ہوتے ہی زنانی مجلس شروع ہو جاتی تھی اس

---

[1] یہ اقتباس ''تذکرہ ذاکرین'' مولفہ محمد علی خاں سے لیا گیا۔ ۱۹۸'۱۹۷

طرح کہ اندر زنانے میں ماتم "حسین حسین" کہتے ہوئے نوحہ شروع کر دیتے۔ عالیہ بیگم اور منی بیگم کے علاوہ فخر جنگ کی بیوی مہر النساء کمال یار جنگ کی بیگم اور فخر نواز جنگ کی بیگم بھی گھر کی مجلسوں میں نوحہ خوانی کرتی تھیں۔ مہر النساء بیگم کو خاص طور پر نوحہ خوانی کی تعلیم دلائی گئی تھی۔

محرم کا چاند دیکھتے ہی دیوڑھی میں علم مبارک ایستادہ کیے جاتے۔ تمام خواتین زمردی رنگ کے لباس پہن لیتیں اور اپنے سونے کے تمام زیور اتار دیتی تھیں۔ چالیس دن تک بلاناغہ نوحہ خوانی اور ماتم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ (۱۰ محرم) شہادت کے دن مردانے میں نعل مبارک کا علم اٹھا کر صحن میں الاوہ کے اطراف تین مرتبہ پھراتے اور پھر گشت کے لئے دیوڑھی سے باہر لیجایا جاتا تھا ادھر اندر زنانے میں بھی علم اٹھانا شروع کر دیتے تھے۔ علموں کے ساتھ نواب شجاع الملک کی بیوی نوحہ خوانی کرتی تھیں ان کے اس نوحہ "شہ کہتے تھے زینب تمہیں اللہ کو سونپا ہم جاتے ہیں بہنا" پر بہت رقت ہوتی تھی۔ گھر کے مرد بھی نعل مبارک کا علم ٹھنڈا ہونے کے بعد زنانے میں آجاتے۔ اس طرح زنانی مجلس میں گھر کے تمام افراد شریک رہتے تھے۔ خوب نوحہ خوانی و ماتم ہوتا۔ جس میں عالیہ بیگم اور منی بیگم کے علاوہ گھر کی خواتین بھی سینہ زنی کرتی تھیں۔

نواب فخر الملک کے انتقال کے بعد عاشور خانہ دیوڑھی سے مقبرے میں منتقل ہو گیا۔ مقبرے میں بڑے بڑے عاشور خانے تھے اس طرح دیوڑھی میں مجلسوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ غازی جنگ بہادر جو اس وقت خاندان میں سب سے بڑے تھے' مقبرے میں مجلسیں کروانے لگے۔

نواب فخر الملک کی بیوی منیر النساء بیگم کے انتقال کے بعد گھر پر مجالس کا سلسلہ ختم ہو گیا تو عالیہ بیگم اور منی بیگم صوبہ سعید الدولہ کے یہاں چلی گئیں۔ [۱]

---

۶ رمحرم

امام باندی اہلیہ سلطان یار جنگ کے یہاں ہنومان ٹیکری میں مجلس ہوتی تھی۔ اس مجلس میں خورشید بیگم (اہلیہ ایم ایم ہاشم) مرثیہ پڑھتی تھیں اور خاندان کی دوسری خواتین بھی نوحے مرثیے پڑھتی تھیں۔ آغائی بیگم حدیث خوانی کرتی تھیں۔ [۲]

---

[۱] یہ تمام معلومات نواب فخر الملک کی پوتی 'نواب رئیس جنگ کی نود (۹۰) سالہ صاحبزادی خاور النساء بیگم سے حاصل ہوئیں۔

[۲] ان مجلسوں کے بارے میں مسز افتخار اعظم سے معلومات حاصل ہوئیں۔

۲۰ رمحرم

آغا یار جنگ کی بیگم فاطمہ بیگم اپنے گھر ''فاطمہ منزل'' میں ۲۰ رمحرم کو مجلس کرتی تھیں۔ اس مجلس میں آغائی بیگم حدیث خوانی کرتی تھیں۔ تبرک میں کھانا کھلایا جاتا تھا۔ [۱]

---

۲۰ رصفر

بیگم خورشید مرزا کی بنا کردہ مجلس سوماجی گوڑہ میں ہوتی تھی۔ خواتین کی آمد و رفت کے لئے بس کا انتظام کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے طور پر آنے والوں کو کرایہ سواری دیا جاتا تھا۔ تبرک میں خاص اہتمام کے ساتھ کھانا کھلایا جاتا تھا۔ [۲]

امام ضامن کی ضمانت میں دینے کا ذکر کچھ اس طرح ملتا ہے کہ مامون رشید خلیفہ وقت نے آٹھویں امام کو اپنا ولیعہد بنایا تھا۔ اور آپ کے نام کا سکہ بھی جاری کیا تھا۔ اس زمانے میں ایران سے اکثر لوگ حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے ارادے نکل کر ہجرت کرنے لگے تھے۔ مامون نے اس پر پابندی لگادی تھی۔ اس پابندی سے عاجز آ کر شیعہ امام کی خدمت میں فریاد لے گئے۔ امام نے اپنے نام کا سکہ ان زائرین کے ڈنڈ پر باندھ کر حاکم وقت کو ضمانت دی کہ میں ان کا ضامن ہوں۔ یہ زیارت کے بعد لوٹ آئیں گے۔ تب سے آٹھویں امام کو ''امام ضامن'' کہا جانے لگا اور اسی کی اتباع میں سکہ ڈنڈ پر باندھ کر ''امام ضامن کی ضمانت'' میں دینے کی روایت رائج ہوگئی۔ [۳]

''یہاں کے امام باڑوں میں ایک چیز بالکل نئی ہے اور وہ یہ ہے کہ شب عاشور حضرت امام حسینؑ نے جو یزیدیوں سے مہلت طلب کی تھی اور اہل بیت اطہار کی حفاظت کے لئے خیمہ گاہ کے چاروں طرف آگ روشن کردی گئی تھی۔ تاکہ دشمنان اہل بیت پر حملہ نہ کردیں۔ اس کی یاد میں یہاں امام باڑے کے صحن میں ایک مدور سطح زمین سے کوئی گز بھر ابھرا ہوا تنور سا بنائے ہیں۔ جس کو مرادمند لکڑیاں ڈال کر شب عاشور روشن کرتے ہیں۔ اور اس کو الاوہ کہتے ہیں۔'' [۴]

---

[۱] [۲] ان مجلسوں کے بارے میں مرزا لقمان اعظم سے معلومات حاصل ہوئیں۔ [۳] خدیجہ بیگم بنت ڈاکٹر کلثوم۔
[۴] ''حیدرآباد کے عاشور خانے'' مضامین آغا حیدر حسن ''حیدرآباد کی سیر'' صفحہ ۱۰۳

چھٹا باب

(انجمن برکات عزا و یادگار حسینی)

انجمن برکات عزاو یادگار حسینی

انجمن برکات عزا (مردانی) کی ابتداء سید مہدی حسین صاحب رضوی مرحوم نے کی تھی۔ اس تحریک کو آگے بڑھانے میں ان کے حقیقی بھائیوں سید محمد عباس رضوی صاحب' سید چراغ علی صاحب رضوی۔ اور سید خیرات علی رضوی صاحب کے علاوہ ان کے بڑے بہنوی میر اقبال علی زیدی صاحب نے ان کا ساتھ دیا۔ اس انجمن کے چند اغراض و مقاصد تھے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ شرکائے عزائے حسین مجلس کا احترام برقرار رکھیں اور سیاہ لباس پہنیں۔ اس کے علاوہ مجلس میں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لئے فرش عزا پر سیاہ کپڑے کی پٹیاں (راہداری) بچھائی جائیں تاکہ دیر سے آنے والے ان پر چل کر آگے تک جا کر اپنی نشست سنبھالیں۔ جوتوں کی حفاظت کے لئے کفش کنی رکھی جائے اور تبرک تقسیم کرتے وقت بانی مجلس کی مدد کریں وغیرہ انجمن کے کام کے لئے کسی مرکزی مقام یا گھر کی ضرورت محسوس کی گئی۔ چونکہ یہ تحریک مردانے میں کامیاب نہ ہو سکی اس لئے خاندان کی خواتین (سید مہدی حسین رضوی کی بہنوں اور بھاوجوں) نے یہ تجویز پیش کی کہ اس تحریک کو اپنا کر ایک زنانی انجمن قائم کر لی جائے۔ اور اس انجمن کے جو اغراض و مقاصد ہیں انہیں پورا کریں۔ چنانچہ مہدی حسن رضوی کی بڑی بہن داور النساء بیگم (اہلیہ میر اقبال علی زیدی) نے اپنی بھاوج سلیمہ بیگم کو ساتھ لے کر زنانی انجمن برکات عزا کی بنا ڈالی۔ اسی خاندان کی خواتین میں سے عباسی بیگم (والدہ بانی انجمن سید مہدی حسن رضوی) کو پہلا صدر مقرر کیا گیا اور معتمدی کے فرائض اشرف النساء بیگم (اہلیہ اعجاز حسین صاحب) کے سپرد کئے گئے۔ ان تمام امور کو طے کرنے کے لئے سب سے پہلی میٹنگ چراغ علی صاحب رضوی کے مکان پر مقرر ہوئی۔ اس میٹنگ میں صدر کی حیثیت سے عباسی بیگم ہی برقرار رہیں لیکن اشرف النساء بیگم نے اپنی مصروفیت کی وجہ سے معتمدی کے عہدے سے سبکدوشی اختیار کر لی۔ اس کے بعد سلیمہ بیگم کو معتمد بنایا گیا۔ کاظم النساء بیگم (اہلیہ سید چراغ علی رضوی) اور داور النساء بیگم کے علاوہ اسی خاندان کی اور لڑکیوں کو بھی اراکین انجمن بنایا گیا۔ اس طرح جب یہ انجمن باقاعدہ طور پر بن گئی تو یہ خیال ہوا کہ انجمن کے لئے ایک زمین خرید کر عاشور خانہ تعمیر کیا جائے۔ اس تحریک کو آگے بڑھانے کیلئے پہلے تو خاندان نے صاحب استطاعت افراد سے چندہ جمع کرنا طے پایا۔ لیکن جب اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور اتنی رقم جمع نہ ہو سکی کہ زمین خریدی جائے' تو پھر قوم کی

ذی حیثیت اور صاحب استطاعت شخصیتوں سے رجوع ہو کر ان سے مدد طلب کی گئی۔ مہر علی فاضل صاحب (ناظم بلدیہ) اور جسٹس قمر حسن نے اس مقام کی نشان دہی کر کے خریدنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ نواب مہدی نواز جنگ کے ذریعہ یہ زمین خریدی گئی۔ زمین خریدنے کے بعد عمارت کی تعمیر کے لئے سرمایہ جمع کرنے کا مسئلہ تھا۔ اس کے لئے تعلیم یافتہ' دفتری امور سے واقف اور انگریزی زبان پر عبور رکھنے والی نڈر شخصیت کی ضرورت تھی۔ اس زمانے میں لطیف النسا بیگم ان تمام صلاحیتوں کی حامل' ایمانی جذبہ سے مملو بے باک مقرر خاتون تھیں۔ انجمن کے تمام اراکین نے متفقہ طور پر طئے کیا کہ ان سے مل کر انجمن کی صدارت قبول کرنے کے لیے درخواست کریں۔ چنانچہ لطیف النساء بیگم سے اس سلسلہ میں ربط پیدا کیا گیا۔ محترمہ اس زمانے میں محبوبیہ گرلز ہائی اسکول میں ٹیچر تھیں اور ٹولی چوکی میں سکونت پذیر تھیں۔ جب انجمن کے اراکین نے ان سے اپنا مدعا بیان کیا تو انہوں نے ابتدا میں عدیم الفرصتی اور گھر کی دوری کا ذکر کر کے صدر کے عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن مسلسل اصرار کرنے کے بعد انہوں نے انجمن کی صدارت قبول کر لی۔ انجمن کے اراکین نے انہیں انجمن کے اغراض و مقاصد سے واقف کروایا۔ اور ان سے خواہش کی کہ سب سے پہلے انجمن کی خریدی ہوئی زمین پر عاشورخانہ تعمیر کرنے کے لئے کام شروع کریں۔ لطیف النساء بیگم ذاکرہ تھیں زبان میں تاثیر تھی انہوں نے منبر سے اعلان کرنا شروع کیا انداز بیان کی تاثیر نے کام کیا۔ اور خواتین میں جوش و خروش پیدا ہونے لگا۔ ہر مجلس میں خواتین حسب حیثیت جو بھی اس وقت ساتھ ہوتا ان کی جھولی میں ڈال دیتیں۔ جب خاطر خواہ رقم جمع ہو گئی تو تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا۔ سلیمہ بیگم جو اس انجمن کی معتمد تھیں۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر دن بھر کام کی نگرانی کرتی تھیں۔ عاشورخانہ کی عمارت مکمل ہونے کے بعد اس میں علم کی ایستادگی کا مسئلہ تھا۔ قبل اس کے کہ انجمن کیطرف سے علم بنوایا جائے' قدیم عاشورخانہ قطبی گوڑہ' کی ایک محترمہ (جن کا نام سیدانی بی تھا) نے یہ علم داور النساء بیگم کی بیٹی خدیجہ بیگم رکن انجمن کو دیا کہ وہ اسے اس عاشورخانے میں ایستاد کریں۔ آج جو حضرت امام حسین علیہ السلام کا علم مبارک یادگار حسینی کے عاشورخانہ میں استادہ ہے وہ سیدانی بیگم کا عطیہ ہے۔[1]

حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت عباس علیہ السلام کی ضریح مبارک کُل نواب میر احمد علی خاں کی ایستادہ کردہ ہیں انجمن برکات عزا کی پہلی سالانہ رپورٹ یہاں نقل کی جاتی ہے جس سے انجمن کی تشکیل، تنظیم اور اغراض و مقاصد پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

1۔ یہ تفصیلات طیبہ بیگم اہلیہ سید مظفر حسین رضوی سے حاصل کی گئیں۔

انجمن برکات عزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

بتاریخ ۲۵؍ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۳؍فروری ۱۳۴۹ف روز دوشنبہ بوقت ۷ ساعت شام بہ مکان مولوی سید چراغ علی صاحب رضوی معتمد اسٹیٹ نواب مہدی یار جنگ بہادر انجمن برکات عزا کی طرف سے مولوی میر اقبال علی صاحب زیدی اور مولوی میر کاظم علی صاحب زیدی نے انجمن مذکور الصدر کی شاخ نسواں کا بھی قائم ہونے کا اعلان فرمایا۔

حسب ذیل حضرات اس وقت موجود تھیں۔

۱۔ محترم مکل مولوی میر احمد علی صاحب مرحوم

۲۔ محترم مکل مولوی سید ولدار علی صاحب مرحوم

۳۔ محترم مکل مولوی مرزا احمد حسین صاحب مرحوم

۴۔ محترم مکل مولوی سید چراغ علی صاحب رضوی

۵۔ محترم مکل مولوی سید اقبال علی صاحب زیدی

۶۔ محترم مکل مولوی میر کاظم علی صاحب زیدی

۷۔ محترمہ خدیجہ بیگم صاحبہ معلمہ

۸۔ محترمہ رقیہ بیگم صاحبہ معلمہ

۹۔ محترمہ نظیر النساء بیگم صاحبہ دختر سید مہدی حسن صاحب رضوی مرحوم بانی انجمن برکات عزا

۱۰۔ محترمہ زہرا بیگم صاحبہ

۱۱۔محترمہ طیبہ بیگم صاحبہ

۱۲۔اور یہ منتظمہ بھی حاضر تھی

مولوی میر اقبال علی صاحب زیدی اور مولوی میر کاظم علی صاحب زیدی نے سب سے پہلے انجمن کے اغراض و مقاصد سنائے۔ جن میں منجملہ دیگر اغراض کے تنظیم مجالس و اصلاح طریقہ ہائے عزاداری اصلاح ذاکری علموں کی صورت و ہیت میں ترمیم اور ترویج تعلیم دینیات اثنائے عشری بھی شامل تھیں۔ ممدوحین نے سمجھایا کہ انجمن برکات عزا تنظیم مجالس و اصلاح طریقہا ہائے عزاداری اور ترویج تعلیم دینیات کو سب سے زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ اور انہیں اغراض و مقاصد کو پورا کرنے اور روبہ عمل لانے پر سب سے زیادہ زور دیتی ہے۔ بعد ازاں ممدوحین نے حاضرین سے اپیل کی کہ انجمن میں شریک ہو کر تنظیم مذکورۂ بالا کا آغاز فرمائیں۔ اور اخلاق و محبت و ایثار اور انہماک سے مذہب و قوم کی خدمت کر کے خوشنودی خدا و رسولؐ و اہلبیتؑ حاصل کریں۔ چنانچہ حاضرین نے چند اپنے شکوک رفع کرنے کے بعد نہایت ہی خوشی اور مستعدی سے شریک انجمن ہونے کا فرداً فرداً اعلان فرمایا۔ چنانچہ اسی وقت جملہ حاضرین کے نام درج کر لئے گئے۔ اور محترمہ محل مولوی سید چراغ علی صاحب رضوی نے چندہ شرکت و ماہانہ بھی اسی وقت عنایت فرما دیا۔ بعد ازاں مولوی سید اقبال علی صاحب زیدی اور مولوی سید کاظم علی صاحب زیدی نے حاضرین کو انجمن میں شرکت فرما کر تنظیم کی طرف قدم اٹھانے کا آغاز کرنے کے ارادہ پر مبارک باد دیتے ہوئے جلسہ کے برخواست کرنے کا اعلان فرمایا۔ فی الحال اجرائی کار کے لئے اس منتظمہ کا انتخاب بہ غلبہ آرا عمل میں آیا۔

طئے پایا کہ آئندہ کسی تاریخ پر شاخ نسواں کی کمیٹی مقرر کیجا ئیگی۔''

سلیمہ

منتظمہ

اسی سلسلے کی دوسری میٹنگ کی روداد کی رپورٹ بھی یہاں نقل کی جاتی ہے۔

''روداد جلسہ انجمن برکات عزاء شاخ نسواں منعقدہ یکم محرم ۸ رفروری ۳۹ء ف روز شنبہ بوقت ۶

ساعت شام بمکان محل مولوی میر اقبال علی صاحب زیدی

حسب ذیل حضرات حاضر تھیں۔

۱۔محترمہ محل مولوی ڈاکٹر میر احمد علی صاحب زیدی

۲۔محترمہ لطیف النساء بیگم صاحبہ

۳۔محترمہ محل مولوی مرزا محمد حسین صاحب مرحوم

۴۔محترمہ محل مولوی سید چراغ علی صاحب رضوی

۵۔محترمہ محل ڈاکٹر سید حسن صاحب زیدی مرحوم

۶۔محترمہ محل مولوی سید اقبال علی صاحب زیدی

۷۔محترمہ خدیجہ بیگم

۸۔محترمہ رقیہ بیگم

۹۔محترمہ نظیر النسا بیگم صاحبہ

۱۰۔محترمہ زہرا بیگم صاحبہ

۱۱۔محترمہ طیبہ بیگم صاحبہ

۱۲۔یہ منتظمہ بھی حاضر تھی

تحریکات پیش ہونے سے پہلے محترمہ محل مولوی ڈاکٹر میر احمد علی صاحب قبلہ زیدی' محترمہ لطیف النسا بیگم صاحبہ اور محترمہ محل مولوی ڈاکٹر سید حسن صاحب زیدی کے نام انجمن کی فہرست شرکاء میں درج کر لئے گئے۔ بعد ازاں محترمہ محل مولوی سید چراغ علی صاحب نے محترمہ لطیف النساء بیگم کا نام صدارت کے لئے پیش کیا۔ جس کی تائید حاضرین نے کی۔ موصوفہ پہلے تو اہم ذمہ داریوں کے مدنظر تامل کرتی رہیں لیکن آخر میں حاضرین کے اصرار پر صدارت کو قبول کر لیا۔ جس پر نعرۂ صلواۃ بلند ہوئے۔ صدر محترمہ کی عدیم الفرصتی کی بنا پر حاضرین نے یہ تصفیہ کیا کہ بغرض امداد ایک نائب صدر بھی ضرور رہے۔ اور اس کے انتخاب کا اختیار بہ اتفاق آرا صدر صاحبہ ہی کو دیا گیا۔ بعد ازاں محترمہ محل مولوی مرزا محمد حسین صاحب نے یہ تحریک

پیش کی کہ زنانہ میں مجلس کا 'دہا' کیا جائے۔ جس کی تائید محترمہ محل مولوی ڈاکٹر احمد علی صاحب زیدی نے کی ۔ حاضرین نے کہا کہ ''دہا'' کون سے مکان میں ہوگا۔ محترمہ محل مولوی سید چراغ علیصاحب نے کہا کہ ''دہا'' کرنے کیلئے میرا مکان موجود ہے۔ اس کا مکمل تصفیہ آئندہ کمیٹی پر رکھا گیا۔ صدر صاحبہ نے کہا کہ سب سے پہلے ذاکرین کی اصلاح کی جائے تو بہتر ہے۔ حاضرین نے اس بات سے اتفاق کیا۔ اور طئے پایا کہ صدر صاحبہ ذاکرات سے مل کر آج کل کی ضروریات سمجھائیں گی ۔ اور انجمن میں شریک ہونے کی ترغیب دیں گی۔ اس طرح ایک اتحاد پیدا ہو جائے گا اور پھر حسب ضرورت اصلاحات عمل میں لائی جائیں گی۔ بعد ازاں محترمہ محل سید چراغ علی صاحب نے کہا کہ کمیٹی میں جو محترمات آئیں گی ان کی سواریوں کا کیا انتظام ہوگا۔ حاضرین نے کہا کہ یہ کام امداد قوم کا ہے۔ لہذا ہر شخص اپنا اپنا کرایہ ادا کریں۔ بعد ازاں تحریک کی گئی کہ مجلس انتظامی یا عاملہ کا بن جانا ضروری ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ اراکین کی تعداد کیا ہو۔ بعد غور بہ اتفاق آرا طئے پایا کہ اراکین کی تعداد ۹ ہوگی جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ محترمہ صدر صاحبہ

۲۔ محترمہ محل مولوی ڈاکٹر میر احمد علی صاحب قبلہ زیدی

۳۔ محترمہ محل مولوی مرزا محمد حسین صاحب مرحوم

۴۔ محترمہ محل مولوی سید چراغ علی صاحب رضوی

۵۔ محترمہ محل مولوی ڈاکٹر سید حسن صاحب زیدی مرحوم

۶۔ محترمہ محل مولوی سید کاظم علی صاحب زیدی

۷۔ محترمہ خدیجہ بیگم صاحبہ

۸۔ محترمہ رقیہ بیگم صاحبہ

۹۔ یہ منتظمہ بھی

اور کورم پانچ کا رکھا گیا۔ بعد ازاں مجلس انتظامی اور مجلس کبیر کے انعقاد کے بارے میں بحث شروع ہوئی

۔بعد مباحثے کے یہ قرار پایا کہ مجلس انتظامی کا جلسہ ماہانہ ایک مقررہ مقام پر ہی متعینہ اوقات میں ہوا کرے۔ چنانچہ اس کے لئے ہر ماہ فصلی کا پہلا یکشنبہ مقرر کیا گیا۔ اور مکان محترمہ محل مولوی مرزا محمد حسین صاحب مرحوم کا مقرر ہوا۔ وقت ۵:۳۰ تا ۷:۳۰ ساعت شام مجلس کبیر کے لئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ ہر تیسرے مہینے ہوا کرے۔ تاریخ وقت اور مقام کا تصفیہ قبل از قبل مجلس انتظامی کے جلسوں میں کیا جایا کرے گا۔ اس کا بھی تصفیہ ہوا کہ ایام عزا میں بانٹنے اور آویزاں کرنے کے لئے ایک مضمون عورتوں سے متعلق ہوگا اور چند فقرہ جات کے پوسٹرس جو تنظیم مجالس سے متعلق ہوں گے لکھے اور بنائے جائیں۔ یہ دونوں کام مولوی سید اقبال علی صاحب زیدی اور صدر صاحبہ مجلس انتظامی کے سپرد کیا گیا۔

فقط

لطیف	سلیمہ
صدر	معتمد

۲۸/ فروری ۴۹ ف

"۱۳۵۸ھ میں انجمن قائم ہوئی اور ۱۳۵۹ھ سے ہی سارے ہندوستان میں "سیزدہ صد سالہ یادگار حسینؑ مظلوم" منانے کی تیاریاں شروع ہونے لگیں۔ مجلس انتظامی نے یہ تصفیہ کیا کہ ایک عزا خانہ تعمیر کیا جائے اس سے درس گاہ کی ضرورت بھی پوری ہوگی اور مومنات کیلئے مجلس کرنے کی بھی سہولت ہو جائے گی۔ یہ ایک معجزہ تھا کہ خدا نے مرحومہ صدر کی زبان میں ایسا تاثر دیا تھا کہ مرحومہ دامن پھیلا کر منبر پر بیٹھی رہتی تھیں اور مومن بہنیں اپنی حسب استطاعت ان کا دامن بھرتی جاتی تھیں۔ اس دور کا ایک واقعہ فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ غریب مومنہ جس کے پاس پیسے نہیں تھے "منبر کے قریب بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے چاندی کی چوڑیاں اتار کر صدر کے دامن میں ڈال دیں"۔ جس سے اس مومنہ کے بے انتہا خلوص کا اظہار ہوتا ہے۔ کیا یہ ایک بڑا معجزہ نہیں کہ ۱۳۵۸ھ میں انجمن قائم ہوتی اور ۵۹ھ کے ختم ہونے سے پہلے اتنی رقم جمع ہوگئی کہ زمین خریدی گئی اور ۶۰ھ شروع ہونے میں صرف دو یا تین دن باقی تھے کہ زمین کی رجسٹری بھی ہوگئی۔ یعنی زمین انجمن کی ملکیت ہوگئی۔ اب کنیزان جناب سیدہؑ عزاداران حسینؑ مظلوم کے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ اس سال یعنی ۱۳۶۰ھ میں ۲/ محرم کو اس زمین پر مجلس منعقد کی جائے۔ اس لئے کہ فاطمہ کے لال نے ۲/ محرم ۶۱ھ کو ہی اپنے مدفن کے لئے زمین خریدی تھی۔ ایک جذبہ عشق حسینی تھا جو دلوں میں

جوش مار رہا تھا۔ چنانچہ تمام رات پٹرومیکس ہاتھوں میں لئے اس خاردار اور پتھریلی زمین کی صفائی کی گئی ۔۔صبح ہونے تک یہ مسطح اور صاف زمین ہر مومن کے لئے پرکشش بن گئی۔ زمین اپنی قسمت پر ناز کر رہی ہوگی۔ شامیانے لگائے گئے۔ قناتیں گھیری گئیں۔ اور ۲ رمحرم کو فاطمہ کے لال کی زمین کربلا پر درود اور خریدی زمین نینوا کی یاد میں فاطمہ کے لال کی مجلس بپا ہوئی۔ قیامت کی مجلس ہوئی۔ لطیف النساء بیگم صاحبہ کے مخصوص انداز بیان نے اس مجلس کو کامیاب بنایا۔ یادگار حسینی کی زمین پر یہ پہلی تاریخی مجلس بھلائی نہ جائیگی۔'' [1]

'یادگارحسینی' کی عمارت کے لئے چندہ جمع کرنے میں لطیف النساء بیگم کے ساتھ دوسری خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ علی جواد صاحب کی اہلیہ کاظم النساء بیگم' علی یاور صاحب کی بیٹی امتہ الحمدی شہرت 'امتہ البتول صاحبہ کی بیٹی ساجدہ بیگم اور ضامن بیگم بنت علی جواد صاحب یہ تمام خواتین غلام سجاد اشہر کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ جو مالیہ کی فراہمی میں ان کے ساتھ تھیں۔ فاطمہ بیگم محل احمد علی خاں صاحب مرحوم مالیہ کی فراہمی کے لے لوگوں کے گھروں پر جاکے چندہ کے علاوہ ناکارہ اشیاء بھی جمع کرتی تھیں اور ان کے فروخت سے جو پیسے ملتے تھے ''یادگار'' کے تعمیری فنڈ میں جمع کئے جاتے۔ اس سلسلے میں موسم کی سختی کوئی رکاوٹ نہیں بنتی۔ شدید دھوپ ہو کہ بارش۔ [2]

'یادگارحسینی' کے عاشور خانے میں علم مبارک اور ضریح رکھی ہوئی ہیں۔ اسکے سیدھے جانب نماز خانہ بائیں جانب نیاز خانہ بھی بنایا گیا۔ لیکن ایک بات جو واضح تھی وہ یہ کہ عزاخانہ کا ہال (دالان) مومنات کے لے ناکافی ہونے لگا۔ خاص طور پر مخصوص تاریخوں کی مجلسوں میں تو یہ عالم ہوتا ہے۔ کہ دالان کے علاوہ صحن بھی مومنات سے کھچا کھچ بھر جاتا اور کھڑے ہونے کی بھی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ انجمن کے بورڈ کے اراکین نے طئے کیا کہ ایک اور ہال کم از کم تین سو خواتین کی نشست کی گنجائش کا (کے لحاظ سے) تعمیر کرلیا جائے۔ پھر ایک بار اراکین انجمن چندہ جمع کرنے کے لئے کمربستہ ہوگئیں۔ منبر سے اپلیں کی گئیں۔ شخصی ربط پیدا کیا گیا۔ دوبارہ قوم نے پورے جوش ایمانی کے ساتھ تعاون کیا۔ دو مہینے کی قلیل مدت میں ایک لاکھ روپے جمع ہوگئے اور چھ مہینے کے اندر ۱۹۸۴ء میں ''حسینی ہال'' بن کر تیار ہوگیا۔ اس کے علاوہ مدرسہ دینیات اور قوم کی بے روزگار خواتین کے لئے ورکشاپ کی ضرورت محسوس کر کے علیحدہ مختصر عمارت بنوائی گئی۔

---

[1] مضمون ''تاریخ مرکزی انجمن نسوان برکات عزا یادگار حسینی'' از مریم بانو ''الحسین'' صفحہ ۱۲ [2] یہ تفصیل ڈاکٹر ریاض فاطمہ سے حاصل ہوئی۔

انجمن برکات عزا اور یادگار حسینی ساری دنیا میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ یہ خواتین کی انجمن اور خواتین کا عاشور خانہ ہے۔ اس کا تمام انتظام خواتین کی منتخبہ کمیٹی کرتی ہے یہ عاشور خانہ کسی ایک شخص کی ملکیت نہیں ہے بلکہ ساری قوم کا اثاثہ و ملکیت ہے۔ اس کی بنیاد اور تعمیر میں قوم کی تمام خواتین کا حصہ ہے۔ صاحب حیثیت خواتین نے زیادہ چندہ دیا تو نادار اور مفلس خواتین نے بھی حسب حیثیت اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کم ہی سہی مگر کچھ نہ کچھ چندہ ضرور دیا ہے۔ اس لئے اس کو کسی ایک خاندان یا فرد کی ملکیت نہیں کہا جا سکتا۔ اس عاشور خانے میں مجلسوں اور جشنوں کے علاوہ شیعہ قوم کی خواتین کے معاشی حالات سدھارنے اور ان کی مدد کرنے کے لئے بھی بہت سے کام کئے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے نہ صرف حیدرآباد بلکہ ساری دنیا کی شیعہ خواتین کے لیئے یہ ایک قابل قدر اور مقدس مقام ہے جس پر حیدرآباد کی شیعہ خواتین جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔